سلسله مباحث
حماسه کربلا ۱

اقدار عاشورا

استاد سید جواد نقوی

مرکز تحقیقات اسلامی بعثت

بسم الله الرحمن الرحيم

هُوَ الَّذِى بَعَثَ فِى الْأُمِّيِّنَ رَسُولًا
مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا
مِن قَبْلُ لَفِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ

ایثار

عرض ناشر

عاشوراء ایک واقعہ نہیں بلکہ ایک ثقافت وتہذیب ہے، حیات بشر کے لئے ضابطہ اور آئین زندگی ہے عاشوراء کے بارے میں آج تک بہت کچھ لکھا گیا ہے اور سوچا گیا ہے لیکن یہ ایک گہرا سمندر ہے جس کا کوئی ساحل نہیں ہے نہ ختم ہونے والا اس کا عمق ہے اپنی فہم کی حد تک ہر ایک صاحب توفیق انسان نے اس باب میں قلم فرسائی کی ہے مورخین، علماء، محققین، خطبا، ذاکرین، اور شعراء نے اپنی بضاعت کے مطابق لوگوں کو کربلا اور عاشوراء کے حقائق سے آشنا کیا ہے خداوند تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔

کربلا اور عاشوراء کا ایک پہلو نہیں ہے اس کے کئی پہلو ہیں، متعدد ابواب ہیں اور گونا گون زاویے ہیں اس کے اندر خالص اور ناب حقائق، عالی تعلیمات، گہرے معارف، ہدایت کے چراغ، علمی دروس اور متعدد عبرتیں موجود ہیں۔

حاضر کتاب حجۃ الاسلام والمسلمین سید جواد نقوی کے اقدار عاشوراء کے موضوع پر علمی، تحقیقی، تحلیلی اور فکری خطابات کا مجموعہ ہے جسے مرکز تحقیقات اسلامی بعثت (متاب) نے کتابی صورت میں پیش کیا ہے۔ مؤلف اور حاضر کتاب سے قارئین کرام کی بیشتر آشنائی کے خاطر بعض نقاط بطور

مقدمہ پیش کرنا مناسب اور ضروری سمجھتے ہیں تا کہ مطالعہ کرنے والے حضرات اور خواتین اس سے بہتر استفادہ کرسکیں۔

حجۃ الاسلام والمسلمین سید جواد نقوی طویل مدت سے حوزہ علمیہ قم میں مختلف علمی شخصیات اور کئی عظیم الشان اساتید سے کسب فیض کر رہے ہیں مختلف عقلیہ اور نقلیہ علوم من جملہ تفسیر قرآن کریم، حدیث، اخلاق، فقہ، فلسفہ، کلام، عرفان، اور علم ھیئت میں تبحر رکھتے ہیں عرصہ دراز سے حوزہ علمیہ میں مذکورہ علوم کی تدریس میں مشغول ہیں، حجۃ الاسلام والمسلمین سید جواد نقوی تعلیم و تعلم اور تربیت و تہذیب کے ساتھ ساتھ، تبلیغ دین اور معاشرے کی ہدایت کا سلسلہ بھی جاری رکھے ہوئے ہیں مختلف ممالک میں تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے رہے ہیں جس کا نتیجہ اردو زبان میں مختلف علوم، معارف اور موضوعات پر کثیر اور وافر مقدار میں علمی اور فکری مواد (Matter) ہے جس سے معاشرے کی تمام دینی، فکری، اور تربیتی ضرورتیں پوری ہوسکتی ہیں یہ مواد مختلف مقامات پر کیسٹس اور سی ڈیز کی صورت میں دستیاب ہے۔

مرکز تحقیقاتِ اسلامی بعثت (متاب) نے مزید استفادے کے پیش نظر اور مختلف افراد کے تقاضے کی بنیاد پر کتابی صورت میں پیش کرنے کا عزم کیا ہے کتاب حاضر اس سلسلے کی پہلی کاوش ہے جیسا کہ ہر صاحب قلم یا صاحب سخن انسان اپنی تحریر یا تقریر میں ایک مخصوص انداز اپناتا ہے مؤلف کتاب کو بھی اپنا ایک منفرد اور مخصوص انداز بیان ہے، ان کا شمار عصر شناس علماء میں سے ہوتا ہے جو عصری تقاضوں اور عالمی ضرورتوں کو بخوبی سمجھتے ہیں، دین کو انہی تقاضوں اور ضرورتوں کی

روشنی میں تجزیہ اور تحلیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

جیسا کہ سنت الٰہیہ، سیرت انبیاءؑ، اولیاء و معصومینؑ یہ ہے کہ انسانوں کو ظلمت اور تاریکی میں سے نکال کر ہدایت اور نور کی طرف لاتے ہیں۔

......یخرجهم من الظالمت الٰی النور......۔(۱)

مؤلف کے اثار، خطابات، دورس، تالیفات اور لیکچرز میں یہ خصوصیت نمایاں طور پر موجود ہے۔ ان کے اسلوب بیان اور اندازِ سخن میں محض علمی مباحث پر اکتفاء نہیں ہوتا جیسا کہ علمی مراکز، یونیورسٹیز، کالجز اور مدارس میں رائج ہے بلکہ ان کے مطالب علمی، تحقیقی، مستند، منطقی و معقول اور عقل اور نقل کے مطابق ہوتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان کے اندر پیغام بھی ہوتا ہے، فکر بھی ہوتی ہے اور جمود ختم کر کے تحریک جنم دینے والا مواد (Matter) بھی ہوتا ہے اور اس پر مزید یہ کہ اس میں بیداری، آگہی اور ہدایت بھی ہوتی ہے مسائل کی نشاندہی اور حل بھی ہوتا ہے حق کی تشخیص اور حق طلبی و حق پرستی کی روح بھی ہوتی ہے ظاہر کے ساتھ اس کی روح بھی ہوتی ہے مطالب میں سادگی کے ساتھ گہرائی بھی ہوتی ہے مختلف طریقوں سے مخاطبین کے دل میں بات اتارنے کے اسالیب بھی ہوتے ہیں حقائق مدلل ہونے کے ساتھ ساتھ سادہ مثالوں کے قالب میں ڈھل کر عام فہم ہوتے ہیں تعلیم یافتہ اور عام افراد سب ہی مستفید ہو سکتے ہیں۔

قرآن کریم کا انداز بھی یہی ہے، انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی سیرت اسی پر استوار ہے

---

(۱)۔ سورۃ بقرۃ آیت ۲۵۷۔

آئمہ اطہار علیہم السلام کا راستہ بھی یہی ہے۔

......ویری الذّین اُوتوا العلم الذّی أنزل اُلیك من ......۔(۱)

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ آپ کی طرف پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے سب بالکل حق ہے اور خدا عزیز اور حمید کی طرف ہدایت کرنے والا ہے۔

مؤلف کتاب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ حق کو برملا بیان کرتے ہیں نادرست طریقوں اور کرداروں پر تنقید کرتے ہیں۔

مرکز تحقیقاتِ اسلامی بعثت (متاب) نے مؤلف کے اصولوں، انداز اور خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے کتاب کو فقط فن تحریر کے مطابق ترتیب دینے کی کوشش کی ہے مطالب کتاب کے اندر کم از کم تصرف کیا گیا ہے اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ مؤلف کا اسلوب بیان خاص ادیبانہ انداز دلنشین اور منفرد لحن مخدوش نہ ہونے پائے۔ چونکہ یہ طرز بیان جس سے اکثر لوگ مانوس ہے جو دلوں میں اثر کرتا ہے۔ فارسی شاعر کے بقول

سخن گر خیزد از اعماق جانی به فریاد آورد جان جهانی

چو شرح عشق گوید بی قراری برد آرامش از هر بردباری

سخن کزدل بر آید آتش است آن که می سوزد تو را تا پردۂ جان

(۱)۔ سورۃ سبا آیت ٦

بات اگر دل کی گہرائی سے نکلے تو پورے جہان کی روح کو تڑپا دیتی ہے جب بھی کوئی بے قرار اور دردمند انسان عشق کی تفصیل وتفسیر بیان کرتا ہے تو ہر بردبار اور حلیم انسان کا چین چھین لیتا ہے دل سے نکلی ہوئی بات آگ کی طرح ہوتی ہے جو انسان کی روح کو گرما دیتی ہے

علامہ اقبال کے بقول

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے
قدسی الاصل ہے رفعت پر نظر رکھتی ہے خاک سے اٹھتی ہے گردوں پر نظر رکھتی ہے۔

تشکر اور امتنان

مرکز تحقیقات اسلامی بعثت (متاب) ان تمام احباب، علماء وفضلاء کا شکر گزار ہے جنہوں نے کسی بھی مرحلے میں کتاب کی ترتیب وطباعت میں تعاون کیا بالخصوص جناب حجۃ الاسلام سید شباب حسین شیرازی، حجۃ الاسلام ناصر مہدی کربلائی، جناب حجۃ الاسلام ریاض حسین جلوی اور برادر ارجمند آقاہادی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے۔

خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ پرودگارا ہم سب کے دلوں کو قرآن واہلبیت علیہم السلام کے معارف سے منور فرمائے، ہمیں دین مبین کی تبلیغ وترویج کی توفیق عطا فرمائے۔

اپیل

مرکز تحقیقاتِ اسلامی بعثت (متاب) کی طرف سے اقدار عاشوراء پہلی پیش کش ہے اس سلسلے کو مستقبل میں بہتر طور پر جاری رکھنے کے لئے قارئین سے درخواست ہے کہ کتاب میں ہر طرح کی غلطی، نقص، خطاء اور تقصیر کو اپنی وسعت ظرفی کی بناء پر درگزر فرماتے ہوئے مرکز کو مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں ان امور کا تدارک کیا جاسکے۔

مرکز تحقیقاتِ اسلامی بعثت (متاب)

(متاب) پبلیکیشنز

اقدار عاشورا

مقدمه

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۔مقصدِ قیام امام حسین علیہ السلام

هـذا مَا اوصىٰ به الحُسينُ بن على بن ابى طالبٍ عليهما السلام إلىٰ إخيه مُحمّد المعروف بابن الحنِفّية:

إنّ الـحُسينَ يَشهدُ انَ لّا اله الا اللّهُ وحدَه لَا شريكَ له،وانّ محمّدًا عبدهُ ورسوله ، جاءَ بالحق من عندِ الحق ، وان الجنّةَ والنّار حقٌ، وان السّاعةَ آتيةٌ لارَيبَ فيها۔

وان اللّـه يَبعثُ من فى القبور، وانّى لَم أخرج اشرا ولَا بطرا ولَا مفسِدًا ، ولا ظالماً ، انّما خَرجتُ لِطلبِ الاصلاحِ فى امّةِ جَدّى ، أُريدُ ان امر بالمعروفِ و انهىٰ عَن المنكرِ ، وأسيرَ بسيرةِ جدّى و ابى على ابن ابى طالب علیہ السلام ، فمن قَبلنى بقبول الحق ، فاللّه اولىٰ بـالحقّ ، ومـن رَدّعَلّى هذا ، أصبر حَتّى يقضى اللّٰه بينى و بين القوم بالحقّ، وهو خَيرُ الحاكِمين ، وهذه وصّيتى يَا أخى ومَا توفيقى إلّا باللّٰه عِليهِ توّكلتُ واليهِ أنيب۔(۱)

قیام امام حسین علیہ السلام سے زندہ ہونے والی اقدار جنہیں اقدارِ عاشورہ اور اقدارِ حسینی کہا جاتا ہے، ان کو ذکر کرنے سے پہلے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ اس عظیم قربانی کا مقصد کیا تھا؟ اس المناک سانحہ کا تذکرہ صدیوں سے ہماری زبانوں پر ہے، بہت کچھ اس بارے میں کہا گیا ہے، بہت کچھ لکھا گیا ہے۔لیکن اس واقعہ کے متعلق مورخین، مولفین، مصنفین، خطباء، علماء، اہل دانش اور مفکرین کے


مقصدِ قیام امام حسین علیہ السلام


(۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۲۹۰، ۲۹۱

اقوال اور نظریات بیان کرنے کے بجائے بہتر ہے خود صاحب قیام حضرت سید الشہداء علیہ السلام سے پوچھیں، امام حسین علیہ السلام کے کلام میں غور کریں کہ خود امام حسین علیہ السلام نے اس قیام کا مقصد کیا بیان فرمایا ہے؟ امام حسین علیہ السلام جب مدینہ سے نکل رہے تھے تو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے محمد بن حنفیہ کے نام وصیت نامہ لکھ کر ان کو دیا۔

اس وصیت نامہ میں آپ اپنے قیام کا مقصد یوں بیان فرما رہے ہیں:

وانّی لم اخرج اشرا ولا بَطِراً ولا مُفسِدا ولا ظالِما، انّما خَرجتُ لِطلبِ الاصلاحِ فی امّة جدّی ، اُریدُ ان اٰمُربالمعرو ف و اَنهیٰ عن المنكر ، وأسیرَ بسیرةِ جدّی و ابی علی ابن ابی طالب علیہ السلام (۱)

میں باغی، ظالم اور مفسد بن کر نہیں نکل رہا ہوں، بلکہ میرا مقصد اپنے جد کی امت کی اصلاح کرنا ہے، اس اصلاح کے لئے واحد طریقہ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا طریقہ ہے، یعنی میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے طریقے سے امت کی اصلاح کرنا چاہتا ہوں، یوں نہیں کہ میں پہلا شخص ہوں جو اس طریقے پر چل کر امت کی اصلاح کر رہا ہوں، بلکہ مجھ سے پہلے میرے جدِ بزرگوار اور میرے والدِ بزرگوار دونوں نے یہی طریقہ اپنایا ہے، میں بھی ان کی سیرت پر چل کر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذریعہ امت کی اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔

(۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۲۹۰، ۲۹۱

۲۔امر بالمعروف و نہی عن المنکر

الف۔ قرآن کریم میں

قرآن کریم نے یہ فریضہ امت کے لئے مقرر کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلتكُن مِنكُم امَّةٌ يَدعُونَ اِلى الخَير و يَأمُرونَ بالمَعرُوف وَينهَونَ عن المنكر (۱)

تم میں سے ایک امت لوگوں کو دعوت خیر دے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے۔

دوسری جگہ امت کو اسی فریضہ کی ادائیگی کی خاطر خیر الامم قرار دیا ہے۔

كُنتُم خيرامةٍ أُخرجتْ لِلنَّاسِ، تَأمُرونَ بالمَعرُوف و تَنهَونَ عن المنكر (۲)

تم بہترین امت ہو، اور تمہارے بہترین ہونے کی علامت یہ ہے کہ تم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہو، ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

المُنٰفِقُونَ والمنٰفِقٰتُ بَعضُهم مِن بَعض يَأمُرونَ بالمُنكَر و يَنهَون عنِ المَعرُوف وَ يقبِضُون أيديهُم نَسُوا اللّٰه فنَسِيَهم اِنّ المنٰفِقِينَ هُم الفٰسِقُون (۳)

منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں سب ایک دوسرے سے ہیں۔ سب برائیوں کا حکم دیتے ہیں اور نیکیوں سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو راہِ خدا میں خرچ کرنے سے روکے رہتے ہیں۔ انھوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے تو اللہ نے انھیں بھی نظر انداز کر دیا ہے کہ منافقین ہی اصل میں فاسق ہیں۔

(۱)۔ سورۃ آل عمران آیت ۱۰۴۔

(۲)۔ سورۃ آل عمران آیت ۱۱۰۔

(۳)۔ سورۃ توبہ آیت ۶۷۔

منافقین کے مقابلے میں مومنین ہیں کہ جو ایک دوسرے کے دوست ہیں جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں، عنقریب خداوند ان پر رحم کرنے والا ہے، بے شک اللہ عزیز اور رحیم ہے۔

والمُومِنون والمُومِنٰت بَعضُهم اولياءُ بعض يَأمُرونَ بالمَعروف وَينهَون عن المُنكر و يُقِيمُونَ الصّلوٰةَ و يوتُونَ الزّكوٰ ويُطِيعُون اللّه و رَسولَه اُولٰئِكَ سَيَرحَمُهُمُ اللّه ان اللّه عزيزٌ حكيمٌ (۱)

ب۔ احادیث میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر

۱۔ ابوسعید الزہری نے حضرت امام صادق علیہ السلام اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے۔

وَيْلٌ لِقومٍ لا يَدِينُونَ اللّهَ بالأمرِبالمعروف و النّهيِ عن المُنكرِ (۲)

ویل ہو اس قوم پر جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعے سے دیندار نہیں بنتی۔

۲۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

بِئسَ القومُ، قَومٌ يعيبون الأمرَ بالمعروفِ والنّهيَ عن المُنكر (۳)

سب سے بُری قوم وہ ہے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو عیب سمجھے۔

---

(۱)۔ سورہ توبہ آیت ۷۱۔

(۲،۳)۔ وسائل الشیعہ ج ۱۶، باب ۱، ابواب الامر بالمعروف و نہی عن المنکر، ص ۱۱۷۔

۳۔حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

لَتأْ مرُن بالمعروف ، ولتنهن عن المُنكرِ ، او يستَعملنّ عليكمْ شِرارُكم، فيدعو خيار كم فلا يستجاب لهم(۱)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضرور کرو، ورنہ فاسق، فاجر اور شریر لوگ تم پر مسلط ہو جائیں گے، پھر تمہارے نیک لوگوں کی دعائیں بھی مستجاب نہیں ہوں گی۔

۴۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اذا امّتی توا كلت الأمربالمعرُوف والنّهی عن المُنكر ، فليأذنو ابِوِقاعٍ مِنَ اللّه (۲)

جب میری امت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ چھوڑ دے تو اللہ کی طرف سے عذاب کی منتظر رہے۔



امر بالمعروف و نہی عن المنکر



۵۔حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ

ان الا مر بـالـمعروف والنهى عن المنكر فريضة عظيمة ، بهاتقام الفرائض ، هنالكَ يَتمّ غضبُ اللّه عزّ و جل ، فيعمّهم بعقابه ، فيُهلك الا برار فى دار الاشرار ، والصّغارُ فى دار الكبار ، ان الامـر بـالـمعروف والنهى عن المنكر ، سَبيلُ الانبياءِ ، و مِنْهاجُ الصلحاء ، فـريـضةٌ عظيمةٌ بها تُقام الفَرائض ، وتأمن المذاهِب ، و تحل المكاسب و تُردّ المظالم ، وتُعْمر الارض ، وينتصِف من الاعداء ، ويستقيم الامر ......(۳)

(۱،۲،۳)۔وسائل الشیعہ ج۱۶، باب۱، ابواب الامر بالمعروف ونہی عن المنکر، ص۱۲۱، ۱۱۹، ۱۱۸۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر ایک بہت بڑا فریضہ ہے، اس فریضہ کی وجہ سے دوسرے تمام فرائض کی انجام دہی ممکن ہے، اس فریضہ کے ترک کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا قہر وغضب نازل ہوتا ہے، پھر اس کا عذاب سب پر نازل ہوتا ہے، شریر لوگوں کی وجہ سے نیک لوگ اور بڑوں کی وجہ سے چھوٹے بھی ہلاک ہوجاتے ہیں چونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر انبیاء علیہم السلام کا راستہ اور نیک و صالح لوگوں کا طریقہ ہے، یہ بہت بڑا فریضہ ہے اسی سے دوسرے فرائض کی انجام دہی ممکن ہے، اسی فریضہ کی وجہ سے راستے پر امن ہوجاتے ہیں، تجارتیں حلال، مظالم پلٹائے جاسکتے ہیں اور زمینیں آباد ہوجاتی ہیں اسکی وجہ سے دشمنوں سے انصاف کیا جاسکتا ہے، تمام امور اسی سے درست ہوسکتے ہیں۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

۲۔ امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے۔

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، اور کہنے لگا

یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَخبر نی مَا افضل الاسلام ؟ قال:الا یمان باللّٰہ ، قال: ثم ماذا ؟ قال: ثم صلة الرحم ،قال ثم ماذا ؟ قال: الأمر بالمعروف النھی عن المنکر ، قال: فقال الرجل ، فاخبرنی ایّ الاعمالِ أَبغض اِلیٰ اللّٰہ ؟ قال: الشِرکُ باللّٰہ، قال: ثم ماذا ؟ قال:ثم قطیعة الرّحم ، قال: ثم مَاذا؟ قال: الأمر بِالمنکر والنھی عن المعروف (۱)

یارسول اللہ! مجھے بتایئے، اسلام میں سب سے افضل چیز کونسی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ پر ایمان لانا، اس شخص نے کہا اس کے بعد کونسی چیز ہے؟ آپ نے فرمایا صلۂ رحمی

---

(۱)۔ وسائل الشیعہ ج۱۶، باب ۱، ابواب الامر بالمعروف ونہی عن المنکر، ص ۱۲۱

اس نے کہا اس کے بعد؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: امر بالمعروف ونہی عن المنکر پھر اس شخص نے پوچھا یا رسول اللہؐ! اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بری چیز کونسی ہے؟ آپ نے فرمایا شرک باللہ پھر اس نے کہا، اس کے بعد آپؐ نے فرمایا قطع رحمی پھر اس نے کہا اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا اس کے بعد منکر کا امر کرنا اور معروف سے منع کرنا۔

۷۔ حضرت امام صادق علیہ السلام نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

کیف بکم اذا فسدت نساءُکم، وفسق شبابکم، ولم تامروابالمعروف ولم تنھوا عن المنکر؟ فَقِیلَ له: ویکون ذلك یارسول اللهﷺ؟ فقال نعم، وشر من ذلك کیف بکم اذا امر تم بالمنکر و نھیتم عن المعروف؟ فَقِیلَ له یارَسولَ اللهﷺ ویکون ذلك؟ قال نعم و شر من ذلك، کیف بکم اذا رائیتُم المعروفَ منکرا والمنکر معروفا؟(۱)

اس وقت تمہارا حال کیا ہوگا؟ جب تمہاری عورتیں بری اور تمہارے جوان فاسق ہو جائینگے جب کہ تم امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں کروگے؟ کسی نے پوچھا یا رسول اللہؐ! ایسا بھی ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: اور اس سے بھی بدتر ہوگا اس وقت تمہارا حال کیا ہوگا؟ جب تم منکر کا حکم کروگے اور معروف سے روکوگے، کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ایسے بھی ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: بلکہ اس سے بھی بدتر ہوگا اس وقت تمہارا حال کیا ہوگا؟ جب تمہاری نگاہوں میں معروف منکر اور منکر معروف بن جائیگا۔

معروف اور منکر کے معنی

---

(۱)۔ وسائل الشیعہ ج ۱۶، باب ۱، ابواب الامر بالمعروف ونہی عن المنکر ص ۱۲۲۔

۳۔ معروف اور منکر کے معنی

حضرت امام حسین علیہ السلام نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر جیسے عظیم فریضہ الٰہی کو اپنے قیام کا مقصد قرار دیا ہے۔ سید الشہداء علیہ السلام نے اپنے وصیت نامہ میں قیامت تک آنے والوں کے تمام سوالات کا جواب خود لکھ دیا ہے۔ اگر کوئی پوچھے کہ امام حسین علیہ السلام نے یہ عظیم قربانی، یہ اسارتیں، یہ شہادتیں کیوں پیش کیں؟ اور یہ معصوم بچے کیوں ذبح ہوئے؟ ان سب سوالات کا جواب یہی ہے کہ امام حسین علیہ السلام امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا چاہتے تھے۔

امر بالمعروف سے مراد کسی کی زندگی میں بے جا داخلت، روکنا ٹوکنا، کسی کے مزاحم ہونا نہیں ہے، کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ معروف کے نام پر منکرات پھیلائے جارہے ہوتے ہیں جبکہ کبھی منکرات کے نام پر معروف سے لوگوں کو روکا جاتا ہے اس لئے کہ ایسے لوگوں کو نہ تو معروف کی شناخت ہے اور نہ ہی منکر کی پہچان ہے، شہید تشیع، جناب مرتضیٰ مطہری رضوان اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف کے نام پر جتنے منکرات لوگوں نے پھیلائے ہیں کسی اور عنوان سے اتنے منکرات نہیں پھیلائے گئے۔ (۱)

عام طور پر معروف کا ترجمہ نیک اور نیکی کیا جاتا ہے اسی طرح منکر کا ترجمہ برا اور برائی کیا جاتا ہے حالانکہ لغت کی کسی کتاب میں بھی معروف کے معنی، نیک یا نیکی، اسی طرح منکر کے معنی برا یا برائی نہیں آئے ہیں لغت کے اعتبار سے لفظ معروف کا تعلق معرفت اور عرفان سے ہے۔

معروف اور منکر کے معنی

(۱)۔ مجموعہ آثار جلد ۱۷، استاد شہید مطہری رضوان اللہ تعالیٰ علیہ، ص ۵۷۶۔

معرفت، عرفان، عارف اور معروف، یہ تمام الفاظ ایک ہی خاندان سے ہیں، اگر ہم کہیں کہ فلاں آدمی کو بڑی معرفت حاصل ہے وہ بہت بڑا عارف ہے تو کیا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بڑا نیک آدمی ہے؟ ہاں اگرچہ معرفت رکھنے والا نیک بھی ہوتا ہے، عالم بھی ہوتا ہے لیکن عارف کے معنی نیک آدمی ہرگز نہیں ہیں۔ لغت کی کتابوں میں عرفان اور معرفت کے معنی جاننا، شناخت کرنا، کسی چیز کو پہچاننا ہیں۔ عارف یعنی جاننے والا اور پہچاننے والا، معروف یعنی پہچانی ہوئی چیز، شناختہ شدہ چیز جس کا کسی کو علم ہو، اسی طرح منکر کے معنی انکار شدہ چیز، ٹھکرائی ہوئی چیز، جس کو قبول نہ کیا جائے، جس کو رسمیت سے کوئی نہ پہچانے، جیسا کہ اسرائیل کو ہم رسمیت سے نہیں پہچانتے ہیں، اس کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے ہیں، اسی طرح بہت سی چیزیں ہیں جن کو رسمیت سے نہیں پہچانا جاتا ہے، جن کا حق یہ ہے کہ وہ غیر معروف، اور انکار شدہ رہیں، کوئی ان کو قبول نہ کرے۔

پس امر بالمعروف سے مراد یہ ہے کہ شناختہ شدہ اور تسلیم وقبول شدہ چیزوں کا امر کریں، نہی عن المنکر یعنی ٹھکرائی ہوئی اور انکار شدہ چیزوں سے لوگوں کو روکیں۔

۴۔ معروف اور منکر کا معیار

معروف سے مراد وہ چیزیں ہیں جو پہچانی گئی ہوں، منکرات سے مراد وہ چیزیں ہیں جو ٹھکرائی گئی ہوں معروف کو پہچاننے اور منکرات کو ٹھکرانے کے دو منبعے ہیں، ان دو منبعوں کا کام ہے کہ کسی چیز کی رسمیت کو پہچانیں یا کسی چیز کو قانونی حیثیت عطا نہ کریں اور اسے باہر پھینک دیں۔

معروف کی شناخت اور منکرات سے انکار کیلئے انسان کے پاس پہلا منبع ''وحی'' ہے۔ خداوند

تبارک وتعالیٰ نے جن چیزوں سے انکار کر دیا، جنہیں ٹھکرا دیا، وہ منکرات میں سے ہیں جن چیزوں کو قانونی حیثیت دے کر رسمی طور پر پہچان لیا، وہ معروفات میں سے ہیں۔

معروف اور منکر کے لئے دوسرا منبع عقل ہے جو چیزیں عقل کے لئے قابل قبول ہیں اور جنہیں انسانی عقل نے تسلیم کر کے رسمی طور پر پہچان لیا ہو وہ معروف ہیں۔ منکرات اس کے برعکس ہیں اب اگر ہم ایک فہرست تیار کریں، ان میں وہ تمام چیزیں لے آئیں جو وحی، دین اور عقل کے نزدیک قابل قبول اور شناختہ شدہ ہیں تو ایک لمبی فہرست سامنے آئے گی مثلاً عدالت قائم کرنا احسان اور نیکی کرنا، مظلوموں کی حمایت کرنا، بے چاروں کی مدد کرنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا وغیرہ جتنے بھی اچھے اعمال یا صفات ہیں وہ سب اسی فہرست میں آئیں گے۔ (۱)

جبکہ منکرات کی فہرست میں، ظلم کرنا، بخل اور کنجوسی کرنا، نماز نہ پڑھنا اور شراب پینا وغیرہ، جتنے بھی برے اعمال یا صفات ہیں وہ سب کے سب منکرات کے زمرہ میں داخل ہو جائیں گے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے جا رہا ہوں میں ان چیزوں پر امر کرنے آیا ہوں جنہیں خدا نے اور تمہاری عقل نے تمہارے لئے تسلیم کیا ہے اور جن چیزوں سے تمہیں روکا ہے ان سے منع کرنے کیلئے نکل رہا ہوں یعنی وہ انسانی، قرآنی، دینی اور اسلامی اقدار جن کی ترویج کیلئے، جن کو پھیلانے اور احیاء کرنے کیلئے، انسانوں کے اندر

---

(۱)۔ استاد شہید مطہری رضوان اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: معروف سے مراد اسلام کے تمام مثبت اہداف ہیں جبکہ منکر سے مراد تمام منفی اسلامی اہداف ہیں۔ اس لئے اسے عام تعبیر (معروف اور منکر) سے بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ امر اور نہی کی تعبیر خاص ہے لیکن حدیث، فقہ اور تاریخ سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ امر و نہی سے مراد ہر وہ جائز وسیلہ ہے جس سے ان اہداف کے لئے فائدہ اٹھانا ممکن ہو۔ مجموعہ آثار، جلد ۱۷، ص ۵۷۵۔

متعارف کروانے کیلئے انبیاء علیہم السلام یکے بعد دیگرے مبعوث ہوئے، تاکہ انسانوں کی ان اقدار کی طرف رہنمائی کرسکیں، اور ان عالی اقدار کے مقابلے میں منفی صفات، ٹھکرائی گئی صفات اور منکرات سے انسانوں کو بچاسکیں۔

پس معروف اور منکر درحقیقت دو قدروں کا نام ہے۔ انسانی اور الٰہی اقدار کا نام معروف ہے منفی اقدار، غیر انسانی صفات، تمام برے اعمال اور صفات کا نام منکر ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اقدار کے دو حصے ہیں ایک حصہ وہ اقدار ہیں جنہیں وحی اور عقل نے تسلیم کرکے رسمیت سے پہچانا ہو، جبکہ منکرات وہ حصہ ہیں جنہیں ٹھکرادیا گیا ہو رد کردیا گیا ہو اور نہ ہی خدا نے تسلیم کیا ہو اور نہ ہی عقل نے قبول کیا ہو۔

لیکن کبھی ان اقدار کا نظام بدل جاتا ہے اور لوگ یہاں تک آگے بڑھ جاتے ہیں کہ منکر کو معروف اور معروف کو منکر سمجھنا شروع کردیتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی حدیث میں بھی آیا ہے۔

کیف بکم اذارایتم المعروف منکرا والمنکر معروفا

اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب معروف منکر اور منکر معروف بن جائے گا۔

قرآن کریم میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ تمام امت کیلئے قرار دیا گیا ہے لہٰذا امامِ امت کا بھی یہی فریضہ بنتا ہے کہ امام امت جب مشاہدہ کرے کہ قدروں کا نظام بدل گیا ہے امت خاموش تماشائی بنی بیٹھی ہو تو خود امام امت تن تنہا اس نظامِ اقدار کو بچانے کے لئے اقدام کرتا ہے جیسا کہ امام حسین علیہ السلام نے یہی فرمایا کہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں۔

۵۔زندہ اور مردہ معاشرے

انسان اور خصوصاً انسانی معاشرہ، اقدار کے طفیل زندہ ہے۔حدیث میں ہے کہ انسان کی موت تین طرح کی ہوتی ہے، پہلی انسان کے بدن کی موت ہے، دوسری انسان کی روح اور دل کی موت ہے تیسری امت اور انسانی معاشرے کی موت ہے۔

بدن کی موت یہ ہے کہ روح بدن سے جدا ہو جائے دل کی موت یہ ہے کہ اس میں ذکرِ خدا نہ ہو مردہ دل ذکرِ خدا سے خالی ہوتے ہیں اور انسانی معاشرے کی موت اس وقت واقع ہوتی ہے کہ جب معاشرہ انسانی اقدار سے خالی ہو جائے۔جب انسان کے بدن سے روح نکل کر جدا ہو جائے تو پھر یہ بدن نجس ہے اگر کوئی اس کو ہاتھ لگائے تو اسے چاہیے کہ غسل مس میت کرے خود اس بدنِ میت کے لئے حکم یہ ہے کہ اسے نہلا دھلا کر، کفن پہنا کر، حنوط لگا کر نماز پڑھی جائے اور اس کو قبرستان میں گڑھا کھود کر دفن کر دیا جائے اس لئے کہ اب یہ مردہ ہے، مردہ کا زندوں میں رہنا نہ زندوں کے لئے مفید ہے اور نہ ہی مردے کے لئے مفید ہے کیونکہ یہ لاش ہے اگر اس کو دفن نہ کیا جائے تو اس میں تعفن آجائے گا اس سے بدبو پھیل جائے گی اس کے لئے بھی بے حرمتی ہے اور بیماریاں پھیلنے کا خطرہ بھی ہے۔

جب انسان کے بدن کی موت واقع ہو تو اس کا حکم شریعت میں یہی ہے جو کہ بیان ہوا ہے لیکن اگر انسان کی روح اور دل کی موت واقع ہو جائے یعنی روح اور دل ذکرِ خدا سے غافل ہو جائے دنیا اور لہو ولعب میں مشغول ہو جائے تو اس موت کا حکم بھی یہ ہے کہ پہلے اسے کسی روحانی طبیب کے پاس لے جانا چاہیے شاید یہ روح دوبارہ زندہ ہو جائے اگر طبیب کے نسخہ پر عمل کر کے یہ روح زندہ ہو گئی تو اس کیلئے زندوں میں رہنا مشکل نہیں وہ بھی دوسروں کے ساتھ رہ سکتی ہے لیکن اگر

طبیب کے علاج کے باوجود یہ روح زندہ نہ ہوئی اس لئے کہ بعض بیماریاں لاعلاج ہوتی ہیں اب اس کو ایسی بیماری لگی ہے کہ جس کا کوئی علاج نہیں ہے یہ روح غفلت اور لہو ولعب میں اتنی آگے نکل گئی ہے کہ منزل ارتداد تک پہنچ گئی ہے، یہ شخص مرتد ہوگیا ہے، خدا کا انکار کردیا ہے یا دین کا انکار کردیا ہے، یہاں اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو بھی انسانی معاشرہ سے نکالنا چاہیے، یہ مردہ روح ہے، اس کا زندوں میں رہنا نہ اس کیلئے مفید ہے اور نہ ہی زندوں کیلئے، اب یہ روح مردہ ہے اس سے تعفن اور بدبو پھیلے گی، اس سے دوسرے انسانوں کی روحیں بھی خطرے میں پڑ جائیں گی۔

مردہ روح سے جو تعفن اور بدبو پھیلے گی، وہ کفر، شرک اور الحاد ہے۔ لہٰذا شریعت مقدسہ اسلام میں مرتد کیلئے حکم ہے کہ اسے فوراً قتل کردو، انسانی معاشرہ کو اس سے صاف کردو، اس لئے کہ ارتداد وہ لاعلاج مرض ہے کہ جس کا کوئی علاج نہیں۔(۱)

---

(۱)۔ اسلام میں مرتد کا حکم قتل ہے، البتہ مرتد کی دو قسمیں ہیں، ایک مرتد فطری دوسری مرتد ملی۔ مرتد فطری سے مراد وہ شخص ہے جو مسلمان ہونے کے بعد پھر کافر ہو جائے، محمد بن مسلم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امام صادق علیہ السلام سے مرتد کے متعلق پوچھا تو فرمایا من رغب عن الاسلام و کفر بما انزل علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد اسلامه فلا توبة له، وقد وجب قتله، و بانت منه امراته ويُقسَمُ ماتركَ على ولده۔ امام نے فرمایا مرتد وہ ہے جو مسلمان ہونے کے بعد اسلام سے بیزاری کا اعلان کرے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو چیزیں نازل ہوئی ہیں ان کا انکار کرے تو وہ واجب القتل ہے، اس کی بیوی اس سے جدا ہو جائے گی، اس کا مال اس کی اولاد میں تقسیم کیا جائے گا اگر توبہ کرے پھر بھی اس کی توبہ قبول نہیں۔ وسائل شیعہ، ج ۲۸، ص ۳۲۴، باب اول از ابواب حد المرتد، حدیث ۲۔

مرتد ملی سے مراد وہ شخص ہے کہ جو مسلمان پیدا نہیں ہوا ہے بلکہ پہلے کافر تھا پھر مسلمان ہوا، اب دوبارہ پھر کافر ہوا اس شخص کا حکم یہ ہے کہ تین دن اسے مہلت دی جائیگی اگر توبہ کرے اور مسلمان ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کردیا جائے گا۔ علی بن جعفر نے اپنے بھائی امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے علی بن جعفر کہتا ہے قلتُ نصرانی أسلم ثم ارتدّ ؟قالَ يُستتاب فان رجَع والا قتل (۱۶)

وسائل شیعہ، ج ۲۸، ص ۳۲۷، باب ۳، از ابواب حد المرتد حدیث ۱۔

اسی طرح جب امت کی موت واقع ہوتی ہے، امتیں بھی بعض اوقات مر جاتی ہیں، اگرچہ ان کے بدن اور روح زندہ ہوتے ہیں، دل کی دھڑکن باقی رہتی ہے، بدن چل پھر رہا ہوتا ہے، نبض چل رہی ہوتی ہے، یادِ خدا بھی ہوتی ہے، عبادتیں بجالاتے ہیں، لیکن سماج اور معاشرہ مر چکا ہوتا ہے۔

امت اور سماج کی موت اس وقت واقع ہوتی ہے کہ جب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ چھوڑ دے، جب اقدار کا نظام بدل جائے، جب اقدار ان میں مردہ ہوجائیں، لوگ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑ دیں، ضروری نہیں ہے کہ جب بدن زندہ ہو، دل اور روح بھی زندہ ہو۔ لوگ عبادتیں انجام دیتے رہیں لیکن اس کے باوجود امت مر چکی ہو، امت کے دل کی دھڑکن ختم ہوگئی ہو، یعنی فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر لوگوں میں مر چکا ہو۔

زندہ اور مردہ معاشرے

اسی لئے تو سید الشہداء علیہ السلام نے فرمایا کہ میں امت کی اصلاح کے لئے نکل رہا ہوں

انّما خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدی

حالانکہ اس وقت یزید جیسا فاسق، فاجر، شرابی حکمران بر سر اقتدار تھا امام حسین علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ میں حکمرانوں کی اصلاح کے لئے قیام کر رہا ہوں، یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ امت مر چکی تھی، امت میں فساد آچکا تھا جب کہ حکمران فاسد، مفسد، شرابی اور تارکِ احکام شریعت تھے، اگرچہ امت احکامِ شریعت پر عمل کر رہی تھی، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام مکہ سے عراق کی طرف جارہے تھے تو ساری امت احرام پہن کر منیٰ کی طرف روانگی کیلئے تیار تھی حج جیسے فرائض انجام دے رہی تھی، لہٰذا امت دیندار تھی، احکامِ دین پر سختی سے عمل پیرا تھی، لیکن

امام حسینؑ نے احرام کھول دیا، اور امت کو بھی دعوت دی کہ اس وقت حج کرنے کا موقع نہیں، حج بچانے کا موقع ہے اس وقت حج کرنے کی بجائے ہمارا فریضہ کچھ اور ہے، آؤ میرے ساتھ چلو لیکن امت جو احکامِ شریعت پر عمل پیرا ہونے کے باوجود، بدن اور روح زندہ ہونے کے باوجود امام امت کے کہنے پر نکلنے کیلئے تیار نہیں ہوئی، امتِ دیندار نے امام امت کا ساتھ نہیں دیا، اس لئے کہ امت مر چکی تھی، سماج مر چکا تھا۔

ان میں روحِ اجتماعی اور شعورِ اجتماعی نہیں تھا، امام امت ان کو بلاتا رہا، یہ اپنے دین کا بہانہ بنا کر، حج کی ادائیگی کا بہانہ بنا کر، امام امت کا ساتھ دینے سے انکار کرتے رہے۔ امت کو فساد دامن گیر تھا چونکہ حکمران فاسد تھے، فاسد امت پر فاسد اور مفسد حکمران ہی مسلط ہوجاتے ہیں، اگر امت زندہ ہوتی تو فاسد اور شرابیوں کی جرات نہ ہوتی کہ وہ برسر اقتدار آجائیں اور زندہ امت پر حکمرانی کریں۔ لہٰذا امت کا فساد ہی اصلی مرض تھا، جس کی امام حسینؑ نے تشخیص دی۔

رہبر اور امام کا یہی کام ہے کہ امت کی بیماریوں کو تشخیص دے، وہ ہرگز امام نہیں ہوسکتا جو اپنی امت کا مرض معلوم نہ کر سکے۔ ہادی وہی ہوتا ہے جو امت کے مرض کی تشخیص دے سکے جس کو معلوم ہو کہ اب کس کے خلاف بولنا ہے، کس کے خلاف بیان دینا ہے، فساد کہاں ہے، کس کے خلاف آواز بلند کرنی ہے۔

لہٰذا سید الشہداءؑ نے فرمایا کہ میں امت کی اصلاح کی خاطر قیام کر رہا ہوں، اگرچہ یزید منزلِ ارتداد تک جا پہنچا تھا، فاسد اور مفسد تھا، اس کا دل مر چکا تھا، لیکن امت بھی اس وقت مر چکی تھی، امت کو فساد دامن گیر ہو چکا تھا، جس کی اصلاح کرنا ضروری تھی۔

۲۔اقدار اور اقتدار کی جنگ میں فرق

جب حکمرانوں کو للکارا جائے، صاحبان اقتدار کے خلاف آواز اٹھائی جائے، اور جنگ چھیڑی جائے اس جنگ کو جنگِ اقتدار کہا جاتا ہے۔

اقتدار کی جنگ یعنی ایک طاقتور، مسندِ قدرت پر بیٹھا ہوا ہے دوسرا چاہتا ہے اس سے یہ تخت قدرت چھین لے اور خود اس قدرت کو سنبھال لے، اس کو ہٹا کر خود اقتدار کی کرسی پر بیٹھنا چاہتا ہے۔ اقتدار کی جنگ لڑنے کے لئے اپنے خاص اصول اور ضوابط ہوتے ہیں ہر دور میں اقتدار کی جنگ لڑنے کیلئے اسلحہ مختلف ہوتا ہے، لشکر الگ ہوتا ہے، جنگی اصول جدا ہوتے ہیں میدان کارزار بھی جدا ہوتا ہے۔

لیکن کچھ ایسی جنگیں بھی ہیں جو صاحبانِ اقتدار کے خلاف نہیں ہوتیں، بلکہ دشمنانِ اقدار کے خلاف ہوتی ہیں۔ اس جنگ کو ”جنگِ اقدار“ کہتے ہیں، یعنی ایک طرف عالی انسانی اقدار والے ہوتے ہیں تو دوسری طرف شیطانی اور طاغوتی اقدار والے، جو عالی اقدار کو مٹانے کے درپے ہوتے ہیں، انسانی اور الٰہی اقدار والے کوشش کرتے ہیں کہ ان عالی اقدار کو بچائیں اور پلید و نجس اقدار کو ہمیشہ کیلئے مٹا دیں، اس صورت میں ان کے درمیان جنگ چھڑ جاتی ہے، اس جنگ کا نام جنگِ اقدار ہے۔

اس جنگ کے بھی اپنے خاص قواعد اور ضوابط ہیں جو اقتدار کی جنگ سے بالکل مختلف ہوتے ہیں، اس جنگ کی جیت اور ہار کا معیار بھی اقتدار کی جنگ سے الگ ہے اقتدار کی جنگ جیتنے کے لئے بہت بڑے ماہر جنگجوؤں، نامی گرامی پہلوانوں کی ضرورت ہوتی ہے، اقتدار کی جنگ میں جس

کی قدرت زیادہ ہو، جس کے سپاہی، اسلحہ اور دیگر ساز و سامان زیادہ ہو وہی جیت سکتا ہے، لہٰذا جس کے سپاہی زیادہ مارے جائیں یا بھاگ کر میدان چھوڑ دیں اور دوسرا آ کر میدان پر قبضہ کر لے، جس لشکر کے سپاہی مر جائیں تو وہ اقتدار کی جنگ ہار جاتا ہے۔

اقدار کی جنگ کے اصول اقتدار کی جنگ سے بالکل مختلف ہیں، اقدار کی جنگ کبھی مرے ہوئے بھی جیت جاتے ہیں اور کبھی زندہ بچ کے بھی اقدار کی جنگ ہار جاتے ہیں، اقدار کی جنگ کے لئے ضروری نہیں کہ بڑے شجاع، پہلوانوں، ماہر جنگجوؤں کے ذریعے سے جیت لی جائے بلکہ نوے (۹۰) سال کے ضعیف العمر بھی کبھی اقدار کی جنگ جیت لیتے ہیں کبھی چھ ماہ کا بچہ بھی اقدار کی جنگ جیت لیتا ہے، اقتدار کی جنگ لڑنے کے لئے مخصوص طبقہ پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اس لئے تو اقتدار کی جنگ لڑنے کے لئے عورتوں پر جہاد واجب نہیں قرار دیا گیا ہے لیکن اقدار کی جنگ لڑنے کے لئے عورتوں کا کردار مردوں سے کم نہیں ہوتا۔

اس جنگ کا اسلحہ بھی اقتدار کی جنگ سے الگ ہے خالی ہاتھوں بلکہ رسیوں میں بندھے ہاتھ بھی یہ جنگ جیت لیتے ہیں۔ یہاں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کربلا کی جنگ اقدار کی جنگ تھی، اس میں فاتح کون ہے اور ہارنے والا کون ہے؟ اقدار کی جنگ لڑنے کیلئے جدید اسلحہ، ٹینک، توپخانے اور بارود کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ہاں اقدار کی جنگ جیتنے کے لئے اپنے اندر وہی عالی اقدار پیدا کرنے کی ضرورت ہے جب اقدار سے متصف ہو جائیں، تو پھر بوڑھے، جوان، عورتیں اور بچے بھی یہ جنگ جیت سکتے ہیں اقدار کی جنگ میں حبیب ابن مظاہر بھی کام آتے ہیں، حضرت عباس علیہ السلام اور حضرت علی اکبر علیہ السلام

جیسے جنگجو بھی کام آتے ہیں بلکہ اقدار کی جنگ میں حضرت علی اصغر علیہ السلام چھ ماہ کا سپاہی بھی کام آتا ہے، حضرت علی اصغر علیہ السلام کی جنگ اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ حضرت علی اکبر علیہ السلام کی جنگ ہے، دونوں کی شہادت کا اثر بھی ایک جیسا ہوا، بلکہ علی اصغر علیہ السلام کی شہادت کا اثر زیادہ تھا، حضرت علی اکبر علیہ السلام جب میدان میں گئے تو دشمن خائف اور خوفزدہ ضرور ہوا لیکن جب حضرت علی اصغر علیہ السلام میدان میں گئے تو قریب تھا کہ عمر بن سعد کے لشکر کو شکست ہو جاتی، لہٰذا اس لعین نے کہا: جلدی سے اس چھوٹے جنگجو کا کام تمام کر دیا جائے، اگر چند لمحے اور بھی یہ مجاہد اسی طرح میدان میں ڈٹا رہا تو میرا لشکر تتر بتر ہو جائے گا، میرے لشکر کو شکست ہو جائے گی، اس لئے کہ اقدار اور کردار کا جنگجو میدان میں آ گیا ہے۔

۷۔ اقدار کی جنگ میں خواتین کا کردار

امام حسین علیہ السلام نے جب اقدار کی جنگ کا آغاز کیا، تو آپ نے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی ہمراہ لیا، حالانکہ آپ کو مشورے دیئے گئے کہ اس سفر میں عورتوں کو، نبی زادیوں کو، علی علیہ السلام اور زہرا علیہا السلام کی بیٹیوں کو نہ لے جائیں۔ سید بن طاؤس نے اللھوف میں نقل کیا ہے کہ جس صبح کو امام حسین علیہ السلام مکہ سے عراق کی طرف روانہ ہونا چاہتے تھے تو آپ کے بھائی محمد بن حنفیہ اسی رات آپ سے ملنے کیلئے آئے، اور کہنے لگے اے میرے بھائی! اہل کوفہ نے جو دھوکے آپ کے والد اور آپ کے بھائی سے کئے ہیں، ان کا آپ کو علم ہے، مجھے خوف ہے کہ کہیں آپ کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں جو انہوں نے پہلے کیا ہے میری رائے یہی ہے کہ آپ مکہ میں ہی ٹھہر جائیں۔

آپ نے فرمایا:

یااخی قد خِفتُ اَن یقتلنی یزید بن معاویہ فی الحرم، فاکُونُ الذّی یُستباح بہ حُرمۃ ھذا البیت

میرے بھائی ہو سکتا ہے کہ یزید بن معاویہ، اسی حرم میں مجھے قتل کر دے تو اس سے بیت اللہ کا احترام ضائع ہو جائے گا، تو محمد بن حنفیہ نے کہا اگر ایسا ہے تو پھر یمن یا کہیں دوسری جگہ چلے جائیں، یمن والے سب سے زیادہ اچھا دفاع کرنے والے ہیں۔

آپ نے فرمایا: انظر فیما قلت جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں اس کے متعلق میں سوچوں گا لیکن جونہی صبح ہوئی تو امام حسین علیہ السلام نے مکہ سے عراق کی طرف سفر کا آغاز کیا، تو محمد بن حنفیہ دوڑ کر آئے، جس اونٹنی پر آپ سوار تھے اس اونٹنی کی زمام پکڑ کر کہنے لگے میرے بھائی کیا کل آپ نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں سوچوں گا۔





امام حسین علیہ السلام نے فرمایا ہاں وعدہ کیا تھا۔ محمد بن حنفیہ کہنے لگے، پھر کیوں اتنا جلدی جانے کا ارادہ کرلیا ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا:

أتانی رسولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بعد ما فارقتُك فقال: یاحسین علیہ السلام أخرج فانِ اللّٰہ، قد شاء ان یراكَ قتیلاً

جب تم چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، مجھے کہہ رہے تھے کہ اے حسین علیہ السلام نکل جاؤ، خدا کی مشیت یہی ہے کہ تم اس راہ میں شہید ہو۔

محمد بن حنفیہ نے کہا:

اِنا لِلّٰہ وانّا اِلیہ راجعون اگر ایسا ہے تو ان عورتوں کو کیوں لے جا رہے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا:

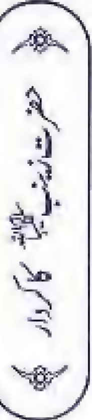
قَد قالَ لی، اِنّ اللّٰہ قد شاءَ ان یَریھن سبایا (۱)

یعنی اللہ کی مشیت اور ارادہ یہی ہے کہ یہ اسیر ہو جائیں۔

چونکہ امام حسین علیہ السلام اقدار کی جنگ لڑ رہے تھے، اپنی عورتوں کو بھی اپنے ساتھ لیکر روانہ ہوئے۔

اس لے کہ یہ وہ جنگ نہیں جو عورتوں سے ٹل گئی ہو یہ وہ جہاد ہے جو عورتوں پر واجب ہے۔

اب کربلا کی خواتین اس جنگ کو کس طرح سے جیتیں؟



حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا کردار

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے درباروں اور بازاروں میں وہ خطبے دیئے جس سے باطل کے ایوان لرز اٹھے، ابن زیاد اور یزید دونوں ملعونوں نے آپ سے یہی سوال کیا،

کیف رأیتِ صُنعَ اللّٰہ بكِ (۲) خدا نے آپ کیساتھ کیا کیا؟ خدا کا کرنا کیسا دیکھا؟

دونوں ملعونوں نے آپ کو طعنہ دیا، انھوں نے سوچا کہ یہ ایک دکھیا خاتون ہے جس کے بھائی، بیٹے عزیز و اقارب سب شہید ہو چکے ہیں، اب زخمی دل اور زخمی جگر کے ساتھ اس طرح اسارت کی حالت میں ہاتھ پسِ گردن بندھے ہوئے ہیں سر کھلا چادر کے بغیر دربار میں کھڑی ہوئی ہے ہم اس سے سوالات کر کے اس کے زخموں پر نمک چھڑکیں، اس کے زخموں کو تازہ کریں، تو حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

---

(۱)۔ موسوعۃ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۳۲۸، ۳۲۹۔

(۲)۔ لھوف، ص ۴۹۔

اگرچہ اقتدار کی کرسی تیرے پاس ہے لیکن اقدار کی مسند ہمارے پاس ہے جواب میں فرمایا:

ما رأیت منه الّا جمیلا

خدا کا کرنا بہت ہی جمیل اور حسین پایا، خدا سے تو زیبائی کے علاوہ کچھ بھی نہیں پایا۔

یہاں پر بی بی زینب سلام اللہ علیہا نے ایک قدر بیان کی، کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام کبھی بھی اللہ سے شکوہ نہیں کرتے بلکہ ہم تو اللہ کی بارگاہ میں شاکر ہیں اس لئے کہ ہماری قربانی قبول ہوگئی ہم معروف کا مجسمہ ہیں تم منکر کے پتلے ہو، اور معروف ومنکر کی جنگ میں فتح معروف کی ہوتی ہے۔

ب۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور اقدار کی جنگ

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اقدار کی جنگ کی فاتح تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد جو حالات سامنے آئے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ مسئلہ اقتدار کا تھا حالانکہ اقتدار اتنا بڑا مسئلہ نہیں، اس لئے کہ جب اقتدار کی بات آئی، تو حضرت علی علیہ السلام اقتدار دوسروں کو سونپ کر پچیس (۲۵) سال خاموشی سے اپنے گھر بیٹھے رہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اصل مسئلہ اقدار کا تھا، لہٰذا حضرت علی علیہ السلام اقتدار سے تو محروم رہ سکتے ہیں لیکن اقدار سے نہیں، لہٰذا جب حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے دیکھا کہ اقدار کو پامال کیا جا رہا ہے، سب سے اہم قدر، یعنی ولایت کی حمایت پامال ہو رہی ہے، ولایت کی حمایت کرنے والا کوئی بھی نہیں تھا ولی خدا تن تنہا رہ گیا۔

۱۸ ذی الحجہ کو ایک لاکھ بیس ہزار حاجیوں کے اجتماع میں ولایت کا اعلان ہوا، حاجیوں نے حضرت علی علیہ السلام کو ولایت کی مبارکباد دی، لیکن دو ماہ دس دن گزرنے کے بعد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ولی خدا مدینے میں تنہا رہ گیا، لہٰذا حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نکلیں اور ولایت کا دفاع کیا

آپ نے تن تنہا حضرت علی علیہ السلام کا دفاع کیا، اقدار کی جنگ فتح کرنے کیلئے طرح طرح کے مصائب برداشت کئے، آپ فرماتی ہیں:

قُل للمُغَیبِ تحت اطباق الثّریٰ ان کُنتَ تسمع صرختی و ندائیا ،

صُبّتْ عَلَیّ مصائب لَو انّها صبّت علی الایام صرن لیا لیا ،

قد کنت ذات حمیٰ بظل محمد لا اخش من ضیم و کان حمالیا ،

فالیوم اخشع لذلیل و اتقیٰ ضیمی و ادفع ظالمی بردائیا. (۱)

مجھ پر ایسے مصائب ٹوٹ پڑے ہیں بابا جان، اگر یہ مصائب روشن دنوں پر نازل ہوتے تو وہ سیاہ راتوں میں بدل جاتے۔ بی بی اس قدر روئیں کہ مدینہ والوں نے حضرت علی علیہ السلام سے شکوہ کیا کہ آپ کی زوجہ بہت روتی ہیں، ہماری خواتین کو سکون نہیں ملتا، ہمارے بچوں کو نیند نہیں آتی، لہذا حضرت علی علیہ السلام نے بیت الاحزان (سب سے پہلی تاریخی امام بارگاہ اور غم کدہ) مدینہ سے باہر بنوایا، حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے فرمایا: بی بی یہاں آ کر رویا کرو، مدینے والوں کو آپ کے رونے سے تکلیف ہوتی ہے لیکن یہ رونا صرف احساسات کا رونا نہیں تھا بلکہ یہ اقدار کا رونا تھا حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کا یہ رونا بڑا معنی خیز تھا اسی لئے تو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

۸۔امام حسین علیہ السلام امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی عملی تفسیر

امام حسین علیہ السلام نے وصیت نامہ میں اپنے خروج کا مقصد امر بالمعروف و نہی عن المنکر قرار دیا، آپ کے کلمات میں جگہ جگہ اس عظیم فریضہ کا تذکرہ ملتا ہے جب نانا کی قبر سے رخصت ہو رہے تھے تو فرمایا:

(۱)۔ مناقب آل ابی طالب، ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۲۰۸۔



امام حسینؑ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی عملی تفسیر



اللّٰھم ! اِنّ ھٰذا قبر نبیّک محمّد وانا ابن بنتِ محمد و قد حضرنی من الامر ماقد علِمتَ اللّھم! وانی اُحبّ المعروف واکرَہُ المنکر......(۱)

اے اللہ! یہ تیرے نبی محمد ﷺ کی قبر ہے، اور میں تیرے نبی محمد ﷺ کا نواسہ ہوں، مجھے جس امر کا سامنا ہے، اسے تو بہتر جانتا ہے، اے اللہ! میں معروف سے محبت کرتا ہوں اور منکر سے بیزار ہوں۔

بعض علماء نے خطبہ منیٰ کے ذیل میں یہ حصہ بھی نقل کیا ہے جس میں اس عظیم فریضہ کی طرف اشارہ کیا ہے، آپ نے فرمایا:

اِعتبروا ایّھا الناس ، بِما وَعَظ اللّٰہ بِہ اولیائہ، من سوءِ ثَنائِہ علی الاحبارِ ، اذ یقول: لَولَا یَنھٰھُم الرّبانیون والاحبار عن قولھم الاثم وقال: لعن الّذین کفروامن بنی اسرائیل" الی قولہ" لَبِئسَ مَاکَانوا یفعلون (۲)وانّما عابَ اللّٰہ ذٰلک علھیم لانّھم کانوا یَرون من الظّلَمۃِ الّذین بین اظھرھم المنکر والفساد فلاَ ینھونَھم عن ذٰلک رغبۃ فیما کانوا ینالون منھم و رھبۃ ممّا یَحذرون،واللّٰہ یقول:فلا تخشوُا الناس واخشون وقال:والمومنون والمومنٰت بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۳) فبدأ اللّٰہ ۴)

---

(۱)۔ موسوعۃ کلمات امام حسینؑ، ص ۲۷۸۔

(۲)۔ سورۃ المائدہ آیت ۶۳، ۷۸، ۷۹۔

(۳)۔ سورۃ المائدہ آیت ۴۴ و سورۃ توبہ آیت ۷۱۔

(۴)۔ موسوعۃ کلمات امام حسینؑ، ص ۲۷۴، ۲۷۵۔

اے لوگو! خداوند متعال نے علماء یہود کی مذمت کر کے اپنے اولیاء کو جو نصیحت کی ہے تم اس سے عبرت حاصل کرو جب خداوند متعال نے فرمایا! علماء احبار (علماء یہود) انہیں غلط اور گنہگارانہ باتوں سے کیوں نہیں روکتے تھے، اللہ کا ارشاد ہے، بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا ان پر لعنت کی گئی ہے، یہاں تک فرمایا کہ جو کچھ وہ کرتے تھے وہ نہایت ہی برا تھا، خداوند متعال نے ان کی مذمت اس وجہ سے فرمائی کہ اپنے سامنے ظالمین کو فساد و فحشاء اور منکرات انجام دیتے ہوئے دیکھتے، اس کے باوجود انہیں روکتے نہیں تھے اور اس نہی نہ کرنے کی وجہ، ان ظالم اور ستم گاروں کی طرف سے انہیں پہنچنے والے فائدوں میں رغبت اور ان کی طرف سے پہنچنے والے نقصان کا ڈر تھا، جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لوگوں سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو! اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مومنین اور مومنات ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ ایک دوسرے کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے ایک خطبہ کے ضمن میں فرمایا:

.....فَبدءَ اللّٰہ بالأمر بالمعروف والنهی عن المنکر، فریضة منه لِعلمه بانّها اِذا اُدّیت واُقیمت اِستَقامتِ الفرائض کلّهاهَیّنُها و صعبها، وذٰلك ان الا مر بالمعروف و النهی عن المنکر دعاۃٌ الی الاسلام، مع رد المظالم و مخالفة الظالم، وقِسمة الفیٔ والغنائِم وأخذِ الصدقاتِ مِن مواضِعهاو ضعها فی حقّها(۱)

(۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۲۷۴، ۲۷۵۔

خداوند تعالیٰ نے فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے اس وجہ سے آغاز کیا چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اگر یہ فریضہ ادا اور قائم ہو جائے تو تمام دیگر مشکل اور آسان فرائض قائم و بپا ہو جائیں گے، کیونکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اسلام کی طرف دعوت، غصب شدہ حقوق کی واپسی، ستم کاروں کی مخالفت، فئی اور غنائم (بیت المال) کی صحیح تقسیم اور صدقات کو مناسب مقامات سے لیکر حق داروں تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

امر بالمعروف پر تاکید کرنا امام حسین علیہ السلام کی سیرت ہے، آپ نے قیامت تک اس کے اصول مقرر کرتے ہوئے فرمایا:

اريد ان امرُ بالمعروف وانهٰى عن المنكر

حضرت امام حسین علیہ السلام نے قرآنِ کریم کی اس آیت کی اپنے مبارک خون سے تفسیر کی۔

ولتكن منكم امّةٌ يَدعُون الى الخير ويَأمُرُونَ بِالمَعرُوفِ وينهَونَ عَنِ المُنكَرِ وَاُولٰئكَ هُمُ المُفلِحُونَ (۱)

دوسروں نے بھی اس آیت کی تفسیر کی ہے، عظیم الشان مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں اپنے بیانات قلمبند کئے ہیں لیکن ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ کتابخانہ میں بیٹھ کر چند کتب کا مطالعہ کر کے دوسری آیات اور روایات دیکھ کر پھر جو کچھ ذہن میں آیا اسے اپنے قلم کے ذریعے ان آیات کے ذیل میں لکھا ہے جب کہ امام حسین علیہ السلام نے تلواروں کے سائے میں کھڑے ہو کر سخت گرمی میں بھوک اور پیاس کی حالت میں، میدان کارزار میں دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے

---

(۱)۔ سورۃ آل عمران آیت ۱۰۴۔

اس آیتِ شریفہ کی عملی تفسیر پیش کی اور لوگوں کو بتایا کہ اگر قرآن کو سمجھنا چاہتے ہو، اگر اس آیت کی تفسیر مانگتے ہو، تو اس کی تفسیر یہ ہے، جو میں آج کر رہا ہوں، جب بھی دیکھو لوگ منکرات پر عمل کر رہے ہیں اور مثبت اقدار کو مٹا رہے ہیں معروف پر عمل نہیں کر رہے، تو اس وقت تم پر واجب ہے کہ اقدار کی جنگ کا علم بند کرو، میری سیرت پر چل پڑو، یہ شعار اور نعرہ بلند کرو

ارید ان امر بالمعروف و انھی عن المنکر

امر بالمعروف و نہی عن المنکر، تقریروں کے ذریعے منبروں پر بیٹھ کر نہیں ہوتا منبر پر بیٹھ کر کسی کو حکم نہیں دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو روکا جا سکتا ہے، منبروں پر زیادہ سے زیادہ وعظ و نصیحت کی جا سکتی ہے کوئی روایت اور آیت پڑھی جا سکتی ہے یا کوئی تاریخی واقعہ بیان کیا جا سکتا ہے یہ بھی ان منبروں کی بات ہے کہ جن پر اہل علم بیٹھتے ہیں، بعض منبر تو ایسے بھی ہیں کہ جن پر بیٹھے خطباء لوگوں میں جہالت اور ضلالت پھیلاتے ہیں لیکن جو اچھے منبر ہیں ان پر کم از کم وعظ و نصیحت اور اخلاق کے متعلق باتیں تو ہوتی ہیں لیکن وعظ و نصیحت کرنا، لوگوں کو تعلیم دینا، اخلاق سکھانا اور چیز ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا اور چیز ہے۔

امام حسینؑ کا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی عملی تفسیر

اس مطلب کی ایک مثال کے ذریعے وضاحت کرتے ہیں کہ اگر ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی ہو رہی ہو، اگر آپ چاہیں کہ ان خلاف ورزیوں کا مقابلہ کیا جائے تو مسجد میں بیٹھ کر، منبروں سے کبھی بھی ان خلاف ورزیوں کا مقابلہ نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے کہ خلاف ورزیاں تو چوک میں، ہائی وے اور روڈ پر ہو رہی ہیں جس کو ٹریفک کی خلاف ورزیاں روکنی ہیں وہ چوک میں جا کے کھڑا ہو جائے وہ خلاف ورزیاں کرنے والوں کے نرغے میں کھڑا ہو کر دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے

بانگ دہل، شرق وغرب سے آنے والوں کو حکم دے ادھر سے آنے والوں کو روکے، ادھر سے آنے والوں کو جانے دے، اپنے اشاروں سے، اپنی سیٹیوں سے ان کو سمجھاتے ہوئے خلاف ورزیوں سے منع کرتا ہے۔

اگر ایسا شخص کہے کہ میں ٹریفک قوانین کی خلاف ورزیوں کا مقابلہ کر رہا ہوں تو یہ حق بجانب ہے اس لئے کہ اس کا یہ عمل سب کچھ بتا رہا ہے، لہٰذا ٹریفک قوانین کی خلاف ورزیوں کی روک تھام، کتابوں میں لکھنے سے، منبروں پر بیان کرنے سے ممکن نہیں اسی طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر کتابوں سے نہیں ہوتا تقریروں اور خطبوں سے ادا نہیں ہوتا اس کیلئے میدانِ عمل میں جانا پڑتا ہے ۔معروف اور منکر معاشرے میں موجود ہیں جہاں پر منکر پھیلایا جا رہا ہو، وہاں پر جا کر منکر کو روکا جا سکتا ہے۔

جب لوگوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو مشورے دیئے تو بعض لوگوں نے کہا آپ مکہ میں ٹھہر جائیں، وعظ ونصیحت کرتے رہیں، منبر پر جا کر امر بالمعروف ونہی عن المنکر بیان کرتے رہیں، اس طرح یہ جہاد ادا ہو جائیگا لیکن امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

ہرگز ایسا نہیں کروں گا، بلکہ میں عراق جا کر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کروں گا، وہاں جا کر منکر سے ٹکراؤں گا جہاں سے منکر پھیلایا جا رہا ہے آپ نے فرمایا:

الَا ترَون اِلی الحقّ لَا یعمَل بِهِ والی الباطل لا یُتناهی عنه ، لِیَرغَبَ المومنُ فی لقاءِ ربه حقاً حقاً......!(۱)

(۱)۔موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام،ص،۳۵۶۔

کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل سے روکا نہیں جا رہا ہے تو ایسے حالات میں مومن کو چاہیے کہ اپنی جان دینے سے دریغ نہ کرے بلکہ لقاء اللہ کیلئے آمادہ ہو جائے۔

جب حق پر عمل نہ ہو رہا ہو جب باطل سے روکنے والا کوئی نہ ہو تو اس صورت میں امر بالمعروف کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت اقدار کی زرہ پہن کر اقدار اور کردار کی شمشیر اٹھا کر، میدانِ اقدار میں ڈٹ جاؤ، اور اقدار کو پامال کرنے والوں کو للکارو، اسی کا نام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

۹۔ حسینیت اور یزیدیت

امام حسین علیہ السلام نے اقدار کے میدان میں قدم رکھ کر اقدار کی جنگ کا آغاز کیا تو فرمایا: کہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیلئے قیام کر رہا ہوں۔ امام حسین علیہ السلام نے اس جنگ میں اقدار بچائی ہیں اور انہیں ہمیشہ کیلئے زندہ کیا ہے جبکہ منفی اقدار کا مقابلہ کر کے ان کو ختم کیا ہے یہ اقدار کی جنگ بہت قدیم عرصہ سے جاری تھی دونوں طرف سے جنگجو لڑتے رہتے تھے لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس کو فتح کیا، لیکن وہ کونسی اقدار ہیں کہ جنہیں امام حسین علیہ السلام نے زندہ اور اجاگر کر کے قیامت تک روزِ روشن کی طرح ثابت، مستحکم اور استوار بنا دیا کہ اب کسی یزید کی جرأت نہیں کہ ان اقدار کو اپنی جگہ سے ہلا سکے اس لئے کہ ان اقدار کی جڑوں میں امام حسین علیہ السلام کا خون آگیا ہے امام حسین علیہ السلام کے اصحاب اور اولاد کے خون سے ان کی آبیاری ہوئی ہے، ناموسِ حسین علیہ السلام کا جہاد اس میں شامل ہے۔

یہ وہی عاشورائی اقدار ہیں، کربلائی اور حسینی اقدار ہیں، جو حسینیت کی شکل میں ساری دنیا کو پیش کی گئی ہیں حسینیت ان ہی عالی اقدار کا نام ہے ان عالی اقدار کے مقابلے میں کچھ یزیدی اقدار ہیں جو یزیدیت کے روپ میں سامنے آجاتی ہیں، یہ وہی منکرات، شیطانی اور غیر انسانی اقدار ہیں جن کو امام حسین علیہ السلام نے ختم کر دیا لہٰذا اب حسینیت اور حسینی اقدار کو بچانا ہے یزیدیت اور یزیدی اقدار سے مقابلہ کرنا ہے، اسی لئے امام حسین علیہ السلام نے بھی فرمایا:

مثلی لایبایع لمثل یزید (۱)

مجھ جیسا یزید جیسے کی بیعت نہیں کرسکتا۔

آپ نے یہ نہیں فرمایا: کہ میں یزید کی بیعت نہیں کرتا، بلکہ فرمایا مجھ جیسا بھی ہوگا اور یزید جیسا بھی ہوگا یعنی یہ دور تکرار ہوتا رہے گا اقدار کی جنگ بار بار آتی رہے گی تو اس وقت مجھ جیسا اٹھے گا امر بالمعروف کرے گا، اقدار کی جنگ لڑے گا یزید جیسوں کو منکرات پھیلانے سے روکے گا انہیں دینی اقدار کو مٹانے سے باز رکھے گا پس جو بھی امام حسین علیہ السلام کی طرح اٹھے، حسینی اقدار کو اپناتے ہوئے یزیدیت کا مقابلہ کرے وہ حسینی ہے، حسینی چاہتا ہے کہ حسینی اقدار حاکم ہوں، یزیدی چاہتا ہے کہ یزیدی اقدار اور منکرات کی حکومت ہو اور یہ مقابلہ ہمیشہ رہے گا یہ اقدار کی جنگ ہمیشہ ہوتی رہے گی۔

---

(۱)۔ آپ نے ولید بن عتبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ایها الامیر انّا اهل بیت النبوة ومعدن الرسالة، ومختلف الملائكة، ومحلّ الرحمة، وبنا فتح الله وبنا ختم، ويزيد رَجُل فاسق، شارب خمر، قاتل النفس المحرّمة، معلن بالفسق و مثلی لايبايع لمثله، ولكن نصبح و تصبحون و ننتظر و تنتظرون أيّنا احق بالخلافة والبيعة
موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص۲۸۳۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی (۱)

البتہ عاشورائی اقدار اور حسینی اقدار کو بچانے کیلئے ان کو پہچاننا ضروری ہے تا کہ ہم انہیں اپنا کر حسینی بن سکیں، ان کے مقابلے میں یزیدی اقدار کی پہچان بھی ضروری ہے تا کہ ہم ان کا مقابلہ کرسکیں۔

اس کتاب میں دس عاشورائی اور حسینی اقدار کی تفسیر بیان کریں گے نیز یہ بھی ذکر کریں گے کہ سید الشہداء علیہ السلام نے کس طرح ان اقدار کو بچایا، انہیں ان کے حقیقی معنی عطا کئے اور ان کے بالمقابل غیر انسانی اقدار کو مٹا کر عاشورائی اقدار کو ہمیشہ کے لئے جاودانی اور ابدی حقیقت بنا دیا۔

خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اس موضوع کو تکمیل اور باقی عاشورائی اقدار کو بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے اگر توفیق الٰہی شامل حال رہی تو آئندہ جلدوں میں یہ تسلسل جاری رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

حسینیت اور یزیدیت

---

(۱)۔ کلیات اقبال، اردو بانگ درا، ص ۲۲۳،

عہد اور ذمہ داری

پہلی قدر

۱۔عہد اور ذمہ داری

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے قیام کا مقصد امر بالعروف اور نہی عن المنکر قرار دیا یعنی نظام اقدار کو زندہ کرنا، نظام اقدار کو تبدیل کرنا، وہ قدریں جو پامال ہو چکی ہیں انہیں دوبارہ انسانوں کیلئے متعارف کروانا اور انسانوں کو ان اقدار سے متصف کرنا۔

وہ عاشورائی اقدار جو امام حسین علیہ السلام کے پاک خون سے زندہ ہوئیں اور قیامت تک کیلئے حسینی اقدار اور عاشورائی اقدار کے طور پر متعارف ہوئیں، ان میں سب سے پہلی قدر عہد اور ذمہ داری ہے، حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایسے وقت میں یہ قیام فرمایا جب لوگ کسی حد تک دین کے پیروکار ضرور تھے، امت دینی فرائض انجام دے رہی تھی، اگرچہ حکمران فاسق و فاجر تھے، لیکن امت کے اندر اس قسم کا فساد کہ فسق و فجور اور شراب و زنا (معاذ اللہ) وغیرہ عام نہیں تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں اصلاح امت کیلئے قیام کر رہا ہوں، چونکہ امت کے اوپر جب ایک فاسق و فاجر حکمران مسلط ہو تو برسر اقتدار نظام بھی نہایت ہی فاسد نظام ہوگا اس فاسد نظام کے زیر سایہ زندگی بسر کرنا یہ ایک الگ صورت ہے اور اس فاسد نظام کو تحمل نہ کرنا اور اس کے خلاف آواز اٹھانا یہ ایک جدا ذمہ داری ہے۔

۲۔ سجدہ شبیری بقاء دین اور بشریت کا ضامن

امام حسین علیہ السلام کی دو دعائیں یا دو سجدے، بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں اگرچہ آپ کے تمام سجدے ایسے ہی ہیں، تمام عبادتیں، تمام مناسک بلکہ تمام اعمال ایسے ہی ہیں، لیکن دو سجدے حضرت

عہد اور ذمہ داری

سید الشہداء علیہ السلام کے بہت ہی تاریخی اہمیت کے حامل ہیں، بلکہ قیامت تک زندہ اور جاوید سجدے ہیں۔

اگران دوسجدوں کی روح انسان کی سمجھ میں آجائے ،تو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ انہی دوسجدوں کی وجہ سے آج تک دین باقی ہے، بلکہ ان دوسجدوں کی وجہ سے آج بشریت باقی ہے آج اگر انسانیت نام کی کوئی چیز ہے توان دوسجدوں کے طفیل ہے۔آپ نے ایک سجدہ سرزمین کربلا پر کیا جبکہ ایک سجدہ سرزمین عرفات پرادا کیا۔وہ سجدہ جوعرفہ میں ادا کیا،اس سے پہلے یااس کے بعد یا سجدہ کے اندر جومناجات امام حسین علیہ السلام نے خداوندتعالیٰ کی بارگاہ میں کیں آج ''دعائے عرفہ'' کی شکل میں موجود ہیں، اگر ہم دعائے عرفہ کو سمجھ جائیں اوردعائے عرفہ کی روح تک پہنچ سکیں تو ہمیں مقصد کربلا بھی سمجھ آجائے گا۔

اس لئے کہ یہ دوسجدے ایک ہی سلسلے کے دو حلقے ہیں ایک ہی نظام کے دو حصے ہیں، دونوں سجدے ایک ہی مقصد کے لئے ادا کئے ہیں، پوری دعائے عرفہ دعائے نورانی ہے پوری کی پوری دعا بڑی باعظمت ہے معرفت ہی معرفت ہے، عرفان ہی عرفان ہے، پوری دعا علم ہی علم ہے لیکن اگر انسان اس دعا کے ایک ایک جملہ کو سمجھنا چاہے تو یہ محتاج تفسیر ہے صرف پڑھ لینے سے صرف زبان پر الفاظ دہرا لینے سے، اس دعا کا مقصد پورا نہیں ہوتا، اس کیلئے درس کی ضرورت ہے کلاس کی ضرورت ہے اور معلم کی ضرورت ہے، اس دعا کے ایک ایک جملہ کو تشریح اور تفسیر کی ضرورت ہے۔

۳۔ دعا پڑھنے کا کوئی معین وقت نہیں

بعض مخصوص ایام میں مخصوص دعائیں پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے جیسے نویں ذی الحجہ (یوم عرفہ) کو امام حسین علیہ السلام سے منقول دعائے عرفہ پڑھنا مستحب ہے لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ہم سال بھر منتظر رہیں کہ وہ دن آئے پھر اس دعا کو ہاتھ لگائیں۔ اسی طرح دعائے کمیل کے بارے میں بھی۔ یہ کہ اس کو شبِ جمعہ پڑھیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ جمعرات کے علاوہ اس کو ہاتھ تک نہ لگائیں۔

شاید بعض مومنین کے دلوں میں تصور آجاتا ہے کہ اگر ہم نے جمعرات کے علاوہ دعائے کمیل کو پڑھا تو معاذ اللہ کوئی نقصان نہ ہو جائے، کوئی گناہ نہ ہو جائے، ایسا نہیں ہے بلکہ اس طرح کی دعائیں روزانہ پڑھنی چاہیے، صبح و شام کسی وقت بھی ان دعاؤں کو پڑھ سکتے ہیں ان کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے، ہاں فضیلت کے اوقات ذکر کئے گئے ہیں لیکن اوقاتِ فضیلت کے علاوہ بھی یہ دعائیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ نویں ذی الحجہ کے منتظر رہیں بلکہ آپ چاہیں تو اپنے ہر دن کو روزِ عرفہ بنا سکتے ہیں۔

کل یوم عاشورا و کل ارض کربلا یعنی یہ تمہاری اختیاری چیزیں ہیں اگر تم نہ چاہو تو عاشورہ کا دن بھی عاشورا نہیں ہوگا، کربلا کی سرزمین بھی تمہارے لئے کربلا نہیں ہوگی، یہ ان کیلئے کربلا ہوگی کہ جن کے اندر روح کربلا پیدا ہو جائے، ان کیلئے عاشورا ہوگا جن کے اندر روحِ عاشورا پیدا ہو جائے، روحِ عاشورا سے اگر عاشورا بنتا ہے تو ہم جس دن کو چاہیں عاشورا بنا سکتے ہیں۔

۴۔سرزمین توحید پر ولادت ، شکر کا مقام

دعائے عرفہ بہت ہی عالی شان مضامین پر مشتمل ہے، اس دعائے مبارکہ کا ایک جملہ ذکر کرتے ہیں، جہاں پر امام حسین علیہ السلام نے خدا کی بارگاہ میں جن بعض نعمتوں کا شکر کرتے ہوئے فرمایا ہے، پروردگارا! میں تیری بارگاہ میں ان نعمتوں پر بھی شکر ادا کرتا ہوں جو میری ولادت سے پہلے تو نے مجھے عطا کی ہیں اور ان نعمتوں پر بھی تیری بارگاہ میں شاکر ہوں جو میری ولادت کے دوران تو نے مجھے عطا کی ہیں اور میں ان نعمتوں پر بھی تیرا شکر گزار ہوں جو ولادت کے بعد میرے شامل حال ہوئی ہیں ان نعمتوں میں سے ایک نعمت جو حضرت امام حسین علیہ السلام کیلئے شکر کا باعث بنی جس کا تذکرہ دعائے عرفہ میں کیا ہے آپ فرماتے ہیں: خداوندا! میں تیری بارگاہ میں شکر کرتا ہوں کہ تو نے میری ولادت سے پہلے میری سرزمین ولادت کو پاک و پاکیزہ کیا، شرک اور کفر سے اس دھرتی کو صاف کیا اور پھر میری ولادت کا اہتمام کیا میں تیرے اس اہتمام پر شاکر ہوں۔

امام علیہ السلام دعائے عرفہ میں اس طرح فرماتے ہیں:

......لَمْ تُخرِجْنی لِرأفتكَ بِیْ ولطفِكَ لی واحسانِكَ اِلیَّ فی دَولَۃ ائمۃ الکفر الذین نَقضوا عھدك و کذّبوا رسلك ، لکنّك اَخرجتنی للذی سَبق لی من الھدیٰ الذی له یَسّرْتَنیْ وفیه انشأتنی ومن قبل ذالكَ رؤفتَ بی بجمیل صُنعِك وسَوابغ نِعَمك...... (۱)

خدایا میرے ساتھ جو تیری مہربانی ،لطف اور احسان تھا اس کی وجہ سے مجھے آئمہ کفر کی حکومت میں

(۱)۔ مفاتیح الجنان ص ۴۷۵، اردو ترجمہ، ذیشان حیدر جوادی

پیدا نہیں کیا، جنہوں نے تیرا عہد توڑا اور تیرے پیغمبروں کی تکذیب کی لیکن تو نے مجھے اس وقت پیدا کیا جب میری ولادت سے پہلے میرے لئے ہدایت کا انتظام کر دیا تھا اس زمانہ ہدایت میں مجھے پروان چڑھایا، اس سے پہلے بھی تیری مہربانی اور رأفت میرے شامل حال تھی تو نے مجھے زیبا خلق کیا اور اپنی سرشار نعمتوں سے نوازا......۔

یہ شکر کا مقام ہے امام حسین علیہ السلام خدا کی بارگاہ میں فریضہ شکر انجام دے رہے ہیں یعنی امام علیہ السلام پاک ہستی ہے، حسین علیہ السلام اس پاک انسان کا نام ہے کہ جس نے اتنا بھی پسند نہ کیا کہ سرزمین کفر پر اس کی ولادت ہو، سرزمین شرک پر اس کی ولادت ہو بلکہ ولادت سے پہلے ذاتِ خدا نے مدینے کی سرزمین کو شرک وکفر سے پاک کیا پھر حسین علیہ السلام کی ولادت ہوئی، اس پر امام حسین علیہ السلام شاکر ہیں یعنی امام علیہ السلام کیا کہنا چاہتے ہیں کہ دیکھو شرک کی سرزمین پر پیدا ہونا بھی پسند نہ کرو، روح حسینی اگر پیدا کرنا چاہتے ہیں اور واقعاً حسینی بننا چاہتے ہیں تو پھر شرک کی سرزمین پر پیدا ہونا اپنے لئے پسند نہ کرو اگر چہ تمہاری اپنی ولادت تو تمہارے اختیار میں نہیں لیکن تمہاری اولاد کی ولادت تمہارے اختیار میں ہے اگر تم کسی قضائے الٰہی سے، کسی قدر الٰہی سے، کسی سرنوشت وتقدیر کے فیصلے میں آ کر سرزمین شرک وکفر، فسق وفجور پر پیدا ہو گئے ہو تو اپنی اولاد کیلئے کم از کم اس سرزمین کو پاک کر دو تا کہ وہ پاک سرزمین پر پیدا ہو۔

جب امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ جو سرزمین کفر وشرک کی آلودگیوں سے خدا نے پاک کی تھی دوبارہ فسق وفجور سے آلودہ ہو رہی ہے دوبارہ فساد سے آلودہ ہو رہی ہے اگر چہ حکومت کا مرکز اب مدینہ نہیں رہا بلکہ حکومت کا مرکز شام بن گیا ہے، لیکن شام کا شرک مدینے میں سرایت کر رہا ہے

پوری سلطنتِ اسلامیہ میں یہ فسق و فجور اور فساد سرایت کر رہا ہے تو ایسے حالات میں امام علیہ السلام نے قیام کیا اور فرمایا:

......وانّی لم اخرج اشرا ولا بطرا ...... (۱)

میں باغی، شر پھیلانے والا، ظالم اور مفسد بن کر نہیں نکل رہا ہوں، بلکہ میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔

میں سرزمین اسلامی پر فساد کو پھیلنے سے روکنے کیلئے نکل رہا ہوں، یہاں پر جو قدر امام علیہ السلام نے متعارف کروائی اور جس سے ہمیں آشنا کروایا جو عاشورائی قدر بن گئی، اس کا نام عہد اور ذمہ داری ہے۔

۵۔ حسینی اقدار سے ہی حسینی بننا ممکن ہے

فقط زبان سے کربلا کا تذکرہ کرنے سے انسان کربلائی نہیں بن سکتا اور عاشورا کے تذکرہ سے عاشورائی نہیں بن سکتا، اسی طرح صرف زبان سے امام حسین علیہ السلام کا ذکر کرنے سے انسان حسینی نہیں بن جاتا بلکہ جب تک حسینی قدریں ہمارے اندر وجود میں نہ آجائیں جب تک عاشورائی اور کربلائی قدریں ہمارے وجود کا حصہ نہ بن جائیں ہم اس وقت تک حسینی نہیں بن سکتے۔

---

(۱)۔ وانی لم اخرج اشرا ولا بطرا ولا مفسدا، ولا ظالما، وانّما خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدی، ارید ان أمر بالمعروف و انھی عن المنکر، واسیر بسیرة جدّی وابی علی بن ابی طالب علیہ السلام......

موسوعۂ کلمات امام حسین علیہ السلام ص ۲۹۰، ۲۹۱۔

روحِ عاشورا جب اندر آجائے تو اس وقت ہم عاشورائی، کربلائی اور حسینی بن سکتے ہیں، ورنہ اس وقت بہت سارے لوگ زمینِ کربلا پر زندگی بسر کر رہے تھے جب امام حسین علیہ السلام تشریف لے گئے تو آس پاس کچھ قبائل آباد تھے کربلا میں رہنے والوں کو کربلائی کہتے ہیں لیکن وہ جو فقط اس خاک پر رہنے سے کربلائی ہو جائے اور وہ جو اپنے اندر روحِ کربلا پیدا کر کے کربلائی ہو جائے تو ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

روحِ عاشورا، روحِ حسین علیہ السلام اور کربلا کو سمجھنے کے لئے ہمیں پہلے ان قدروں کو پہچاننا ہوگا جن کو امام حسین علیہ السلام نے عاشور کے دن کربلا میں زندہ کیا ہے۔

۶۔کیا واقعہ کربلا بیعت کے مطالبہ کا ردِّ عمل ہے؟

یہاں ہم ایک سوال آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں اس لئے نہیں کہ آپ فقط پڑھ لیں یا ہم ابھی آپ کو اس کا جواب دینگے بلکہ یہ سوال اس غرض سے آپ کے سامنے اٹھا رہے ہیں کہ آپ اس پر غور و فکر کریں نہ فقط آج ہی غور و فکر کریں بلکہ ہر وقت، ہر لحہ سوچتے رہیں جب تک آپ زندہ ہیں اس سوال کے بارے میں سوچتے رہیں شاید بہتر نتائج پر پہنچ سکیں اور وہ سوال یہ ہے کہ کیا واقعہ کربلا بیعت کے مطالبہ کا ردِّ عمل ہے؟

یعنی یہ ظاہری حالات جو تاریخ نے ہمارے لئے نقل کیے ہیں، یہ رونما نہ ہوتے، یزید برسرِ اقتدار تو آجاتا، لیکن اپنے باپ کی طرح مطالبہ بیعت نہ کرتا تو مدینہ سے نکلنے کی ضرورت نہ تھی اور کوفہ والوں کی طرف بھی اپنے سفیر (مسلم ابن عقیل رضی اللہ عنہ) کو بھیجنے کی ضرورت بھی نہ تھی اور کوفہ

والے بے وفائی نہ کرتے اور امام علیہ السلام کو تنہا نہ چھوڑتے ...... تو اس صورت میں حسینیوں سے سوال یہ ہے کہ جو بچپن سے حسین علیہ السلام حسین علیہ السلام کرتے آرہے ہیں، جنہوں نے آنکھ کھولی تو شبیہ حسین علیہ السلام کی زیارت کی، جنہوں نے سننے کی ابتدا نام حسین علیہ السلام سے کی، جن کی ساری زندگی حسین علیہ السلام حسین علیہ السلام کرتے گذر گئی، اب ذرا حسین علیہ السلام کی شناخت ہے اور حسین علیہ السلام سے آگاہی ہے تو پھر سوچو کہ اگر یہ سب کچھ نہ ہوتا تو کیا واقعہ کربلا رونما ہوتا یا نہ ہوتا؟

ممکن ہے کسی کے ذہن میں آئے کہ ہمیں کیا معلوم کہ واقعہ کربلا رونما ہوتا یا نہ ہوتا؟ ہم تو تاریخ پڑھ کر یہی سمجھے ہیں کہ ان حالات کی وجہ سے واقعہ رونما ہوا، یزید نے مطالبہ بیعت کیا، کوفہ والوں نے خط لکھے اور پھر بے وفائی کی، لہٰذا اس کے نتیجے میں یہ سب کچھ رونما ہوا، ورنہ ہمیں نہیں معلوم کہ اگر یہ حالات رونما نہ ہوتے تو واقعہ کربلا رونما ہوتا یا نہ ہوتا؟ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو پہچانا ہی نہیں، وہ اصل میں حسین علیہ السلام آشنا نہیں ہیں لیکن جو حسین علیہ السلام کو جانتا ہے جو روحِ حسینی سے آشنا ہے، جس کے اندر روحِ عاشورا اور روحِ کربلا موجود ہے جو حقیقتاً عزادار ہے وہ یہ ہرگز نہیں کہتا کہ ہمیں کیا معلوم؟ بلکہ وہ یہ جواب دے گا کہ یہ واقعہ ہونا ہی تھا ممکن ہے سر زمین کربلا پر نہ ہوتا ممکن ہے دسویں محرم کو نہ ہوتا بلکہ پہلے یا بعد میں ہو جاتا لیکن ضرور رونما ہوتا۔

خود امام حسین علیہ السلام جب مدینہ سے روانہ ہو رہے تھے اور لوگوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ نہ جائیں، تو امام علیہ السلام نے یہی فرمایا: کہ اس واقعہ کو ہو کے رہنا ہے آج نہیں تو کل ہو کے رہے گا کل نہیں تو پرسوں ہو کے رہے گا، اس سر زمین پر نہ سہی کسی دوسری سر زمین پر ہو کے رہے گا۔

یہ واقعہ ہو کے رہے گا۔(۱)

اگر چہ تاریخ نے ہمیں بتایا ہے کہ اس واقعہ میں پہل یزید نے کی، اس نے عمل دکھایا جبکہ امام حسین علیہ السلام نے اس کا ردّ عمل دکھایا، تو ظاہری بات ہے اگر عمل نہ ہوتو اس کا ردّ عمل بھی نہیں ہوتا، اگر یزید عمل نہ کرتا، مطالبہ بیعت نہ کرتا، تو حسین علیہ السلام بھی ردّ عمل نہ دکھاتے، اس کا مطلب ہے کہ ہم نے ابھی تک حسینیت کو نہیں پہچانا ہے یہ حسین علیہ السلام ہیں جنہوں نے عمل دکھایا اور یزید نے ردّ عمل دکھایا، جو یہ کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کو تنہائی میں گھیر کے لے گئے یہ وہ ظاہری تاریخ پڑھ کر کہتے ہیں، حسین علیہ السلام کو پہچانے بغیر کہتے ہیں، جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کو پہچانا ہے انہیں معلوم ہے کہ تاریخ میں کیا رونما ہے، ظاہراً تو امام حسین علیہ السلام کو گھیر کر کربلا لے گئے ہیں لیکن یہ حسین علیہ السلام ہیں جو پوری یزیدیت کو گھیر کر کربلا لے گئے ہیں۔ یہ حسین علیہ السلام ہیں جو بہانہ کے منتظر تھے، یہ حسین علیہ السلام ہیں جو رصد میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ کسی دن یزیدیت میرے چنگل میں آجائے، تو اس کا میں قلع قمع کروں، کس دن منکرات کا خاتمہ کروں، کس دن معروف کی حکومت برپا کروں، کس دن مجھے اقدار کی جنگ کا موقع ملے گا۔

کیا واقعۂ کربلا بیعت کے مطالبہ کا ردّ عمل ہے؟

---

(۱)۔ فقال لامّ سلمة : یا امّاه ! وانا و اللّٰه اعلم ذالك و انی مقتول لا محالة ، ولیس لی من هذا بُدّ......

ام سلمہؓ سے فرمایا: اے اماں جان! خدا کی قسم مجھے یہ علم ہے کہ میں مارا جاؤں گا اور میرے پاس اس کے سوا کوئی چارا نہیں ہے

موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص۲۹۲۔

۷۔ صحیح جواب کی دلیل

یزید کا باپ بڑا مکار اور چالاک انسان تھا، اس کی مکاری یہ تھی کہ ہمیشہ امام حسین علیہ السلام کے چنگل سے نکل جاتا تھا، یعنی جب بھی اس کے بارے میں کوئی اقدام سوچا جاتا وہ اپنی مکاری کی وجہ سے نہ صرف امام حسین علیہ السلام کی ضرب سے بچ نکلتا بلکہ امام حسن علیہ السلام اور امام علی علیہ السلام کی ضربوں سے بھی بچ نکلتا، تین اماموں کی ضربت سے بچ نکلا۔ تاریخ میں دو بڑے مکار انسان گزرے ہیں، یزید کا باپ اور دوسرا اس کا مشاور (۱)

---

(۱) عمرو ابن عاص کے متعلق امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں، ..... فاذا کان عند الحرب فای زاجر و امر هو، مالم تاخذ السیوف ماخذها ، فاذا کان ذالک کان اکبر مکیدته ان یمنح القِرمَ سبته ...... (نہج البلاغہ خطبہ ۸۲، ص ۲۵۳)

جنگ کے موقع پر بڑی شان سے بڑھ بڑھ کر ڈانٹتا اور حکم چلاتا ہے، مگر اسی وقت تک کہ تلواریں اپنی جگہ پر زور نہ پکڑ لیں اور جب ایسا وقت آتا ہے تو اس کی بڑی چال یہ ہوتی ہے کہ اپنے حریف کے سامنے عریاں ہو جائے۔

مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ اس خطبہ کے ذیل میں لکھتے ہیں فاتح مصر عمرو عاص نے اپنی عریانی کو سپر بنا کر جو جوانمردی دکھائی تھی اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب میدانِ صفین میں امیر المومنین علیہ السلام سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تو اس نے تلوار کی زد سے بچنے کیلئے اپنے کو برہنہ کر دیا، امیر المومنین علیہ السلام نے اسکی اس ذلیل حرکت کو دیکھا تو منہ پھیر لیا، اور اس کی جان بخش دی۔ عرب کے شاعر فرزدق نے اس کے متعلق لکھا ہے۔

لا خیر فی دفع الاذی بمذلة   کما ردها یوما بسوأته عمرو

کسی ذلیل حرکت کے ذریعے گزند کو دور کرنے میں کوئی خوبی نہیں ، جس طرح عمرو نے ایک دن برہنہ ہو کر اپنے سے گزند کو دور کیا۔

عمرو کو اس قسم کی ادنیٰ حرکتوں میں اجتہادِ فکر نصیب نہ تھا بلکہ ان میں بھی دوسروں کا مقلد تھا، کیونکہ سب سے پہلے جس شخص نے یہ حرکت کی تھی وہ طلحہ بن ابی طلحہ تھا، جس نے احد کے میدان میں امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے برہنہ ہو کر اپنی جان بچائی تھی اور اسی نے دوسروں کو بھی یہی راستہ دکھایا تھا، چنانچہ عمرو کے علاوہ بسر ابن ابی ارطات نے بھی حضرت علی علیہ السلام کی تلوار کی زد پر آ کر یہی حرکت کی اور جب یہ کارنمایاں دکھانے کے بعد معاویہ کے پاس گیا، تو اس نے عمرو ابن عاص کے کارنامے کو بطور سند پیش کر کے اس کی خجالت کو مٹانے کیلئے کہا: اے بسر! کوئی مضائقہ نہیں اب یہ لجانے شرمانے کی بات کیا رہی جبکہ تمہارے سامنے عمرو کا نمونہ موجود ہے۔

اس کے مشیر کا جنگِ صفین میں جب حضرت علی علیہ السلام سے سامنا ہوا تو کس طرح اپنی جان بچائی اور کیا جملہ کہا اتنا غلیظ اور پلید جملہ کہا کہ جسے ہم تحریر میں لانے سے قاصر ہیں۔ اس نے بتایا کہ کس طرح علی علیہ السلام کی تلوار سے بچ کے آگیا ہوں۔ یہی مکاریاں اور چالاکیاں تھیں جو بار باران کو محفوظ رکھ رہی تھیں۔ یوں نہیں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے صلح کر کے اپنی جان بچائی، بلکہ اس کے نتیجے میں معاویہ کی جان بچ گئی، امام حسن علیہ السلام نے یہ قصد کر لیا تھا کہ اس فتنے کو یہیں پر مٹا دیا جائے، ان فتنہ بازوں کا یہیں پر قلع قمع کر دیا جائے، لیکن مکار دشمن تو ہمیشہ بازی لے جاتا ہے محض اپنی مکاری کی وجہ سے اپنی جان بچالیتا ہے۔

لیکن یزید یہ مکاری نہ دکھا سکا اور وہی فرصت جس کے امام حسین علیہ السلام منتظر تھے کہ کبھی موقع ہاتھ آجائے تا کہ اس پورے نظام کا قلع قمع کر کے اس کی ریشہ کنی اور بیخ کنی کر دوں وہ فرصت یزید کی نادانی کی وجہ سے امام حسین علیہ السلام کو میسر آگئی، یعنی یوں نہیں ہے کہ یزید نے عمل دکھایا اور امام حسین علیہ السلام نے اس کا ردِ عمل دکھایا، بلکہ اس نے حماقت کی اور امام حسین علیہ السلام کو فرصت مل گئی اور ہمیشہ کیلئے یزیدیت کا خاتمہ کر دیا۔

پس ایسے نہیں کہ اگر تاریخ میں مذکورہ حالات رونما نہ ہوتے تو امام حسین علیہ السلام قیام نہ فرماتے۔ یہ جملہ جو بھی کہے جان لے کہ دراصل وہ حسین علیہ السلام شناس نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ امام حسین علیہ السلام اس لئے نہیں بیٹھے ہوئے تھے کہ کب مجھ سے بیعت کا مطالبہ ہوتا ہے اور کب میں بیعت سے انکار کرتا ہوں، بلکہ امام حسین علیہ السلام تو اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ کب مجھے موقع ملتا ہے، کب ان سے حماقت سرزد ہوتی ہے اور فرصت میرے ہاتھ میں آجاتی ہے تا کہ میں یزیدیت کا قلع قمع کر دوں۔ اس لئے

کہ امام حسین علیہ السلام ایک ذمہ دار انسان تھے، امام اور امامت نام ہی عہد کا ہے اور عہد کا معنی ذمہ داری ہے۔

۸۔امامت عهد خدا هے

قرآن مجید میں خداوند تبارک وتعالٰی نے منصب امامت کو ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے

واذابتلیٰ ابراهیمَ رَبُّهُ بکلماتٍ فاتمّهن قال اِنّي جاعِلك للنّاس اماماً...... (۱)۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے پروردگار نے آزمائشوں میں ڈالا تو انہوں نے پورا کر دکھایا تب خداوند کا ارشاد ہوا میں تجھے لوگوں کا امام بنا رہا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی کہ میری ذریت میں بھی منصب امامت ہونا چاہیے، تو خداوند کی طرف سے یہ جواب آیا قال لاَ یَنال عَهدِی الظالمین اے ابراہیم امامت میرا عہد ہے اور میرا عہد کبھی بھی ظالموں تک نہیں پہنچ سکتا، یہاں سے معلوم ہوا امامت عہدِ خدا ہے اور عہد کا معنی ذمہ داری ہوتا ہے۔امام کہتے ہی اسکو ہیں جو خدا کی طرف سے ذمہ دار قرار دیا گیا ہو، امام یعنی دین کا ذمہ دار انسان، لوگوں کی ہدایت کا ذمہ دار انسان، ردعمل وہ دکھاتے ہیں جن کو احساس ذمہ داری کسی کام پر نہیں اکساتی بلکہ دوسروں کی چھیڑ چھاڑ کسی کام پر اکساتی ہے۔

حالانکہ ذمہ دار انسان اس وقت تک خاموش تماشائی بن کر بیٹھے نہیں رہتے، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے،

---

(۱)۔ سورۃ بقرۃ آیت ۱۲۴

امامت عہد خدا ہے

لبوں پر تالے ڈالے، نگاہوں کو جھکا کے اور سروں پر پرندے بٹھا کر ایسے لحات کے منتظر نہیں ہوتے ہیں کہ کب ہمیں چھیڑا جاتا ہے تاکہ ہم بھی جواب دے سکیں، بلکہ جو ذمہ دار ہوتا ہے وہ کسی کو چھیڑنے کا موقع نہیں دیتا ہے، وہ ردِّ عمل نہیں بلکہ ہمیشہ عمل دکھاتا ہے۔

۹۔قیام امام حسینؑ کے وقت مدینہ کا ماحول

جب امام حسینؑ نے قیام کا آغاز کیا تو اس وقت آپ کے علاوہ بھی اسلامی سلطنت کی برجستہ اور نمایاں شخصیات ساری کی ساری مدینے میں رہتی تھیں، فقط شیعہ شخصیات مدینہ میں نہیں تھیں بلکہ پوری اسلامی دنیا کی بڑی بڑی شخصیات وہاں پر موجود تھیں، اسی، نوے سال کے قریب عمر رسیدہ صحابہ بھی مدینہ میں موجود تھے، حتیٰ بعض صحابہ کی عمر تو اس وقت ایک صدی سے بھی گزر چکی تھی، اسی طرح شہداءِ کربلا میں سے بعض اصحاب کی عمریں سو سال سے زیادہ بتائی گئی ہیں، یعنی ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے عہدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا، عہدِ امیر المومنینؑ اور عہدِ امام حسنؑ بھی دیکھا تھا، اور آخر میں سید الشہداءؑ کی خدمت میں حاضر تھے۔

کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ تمام بڑی شخصیات ایک جگہ جمع ہو جاتی ہیں، مثلاً آج کل شیعہ برجستہ شخصیات، ایران کے شہر قم میں موجود ہیں، اسی طرح مدینہ میں صحابہ، صحابہ کی اولاد، بلکہ بڑے فاضل اور عالم، بڑے پڑھے لکھے لوگ بھی موجود تھے۔

عبداللہ بن عباس جیسے فقیہ، مفسر اور محدث، جیسی نمایاں شخصیات کہ جو شیعہ اور سنی دونوں کیلئے قابل قبول ہیں مدینہ میں موجود تھے اس وقت مدینہ کی بڑی شخصیات میں عبداللہ بن زبیر بھی تھا

جس کے بارے میں معاویہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اس کی طرف سے ذرا ہوشیار رہنا۔

عبداللہ بن عمر، خلیفہ دوّم کے بیٹے، عبدالرحمٰن ابن ابی بکر خلیفہ اول کے بیٹے بھی مدینہ میں موجود تھے، ایسے میں یزید تخت سلطنت پر آ بیٹھتا ہے، یہاں امام حسین علیہ السلام نے سب سے پہلے جو قدر متعارف کروائی اور جو رہتی دنیا تک حسینی قدر بنی وہ عہد اور ذمہ داری ہے۔ یزید جونہی بر سر اقتدار آتا ہے امام حسین علیہ السلام سے اور اسی طرح دوسروں سے بھی مطالبہ بیعت کرتا ہے لیکن دوسروں کے ساتھ یہ مسئلہ کسی نہ کسی طرح حل ہو گیا، عبداللہ بن عمر نے مدینہ کے باہر خیمہ لگایا اور عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گیا کہ نہ اس کا کسی سے سروکار ہو گا نہ اسے کوئی چھیڑے گا اور نہ ہی وہ کسی کو چھیڑے گا، عبداللہ بن زبیر بھی چپکے سے رات کو مدینہ سے (وہ بھی بے راہے سے) بھاگ کر مکہ پہنچ گئے اور کعبہ میں پناہ لی اس لئے کہ وہ حرم کی سرزمین ہے وہاں کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔

عبداللہ بن عباس تو ویسے بھی ایک معلم، فقیہ اور بزرگ تھے انہوں نے اپنا درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا ان کی کلاس میں شاگرد باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے اور وہ اس کام میں مشغول رہے۔

۱۰۔ امام حسین علیہ السلام کی منطق اور طرز فکر

امام حسین علیہ السلام نے نہ خیمہ عبادت برپا کیا اور نہ ہی درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور نہ ہی جا کر کعبہ

اور حرمِ خدا میں پناہ لی، بلکہ تمام خاندان، بچوں، جوانوں اور خواتین کو جمع کیا، اعوان وانصار کو جمع کر کے اپنے ساتھ لیا اور مدینہ سے باہر نکلے، لوگوں نے مشورے دینے شروع کیے کہ آپ بھی عبداللہ بن زبیر کی طرح اصل راستہ سے ہٹ کر، معمول کا عام راستہ چھوڑ کر ویرانے سے، کسی بیاباں سے جائیں تاکہ آپ دیکھے نہ جاسکیں، پہچانے نہ جائیں، اس صورت میں کوئی بھی آپ کا تعاقب نہ کر سکے گا اور آپ محفوظ رہیں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہرگز ایسا نہیں کروں گا (۱) میں تو اسی راستے سے جاؤں گا کہ جو معمول کا راستہ ہے جو کاروانوں کا راستہ، میں چھپ کر ان لوگوں کی طرح نہیں جاؤں گا کہ جو صرف اپنی جان بچانے کیلئے اصل راستوں سے ہٹ کر ان اندھے اور ان جانے راستوں پر چل نکلتے ہیں تا کہ کوئی انہیں نہ دیکھ پائے بلکہ میں وہی راستہ اختیار کروں گا جس پر سب کا آنا جانا ہے۔

مشورے دینے والوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ اعلان کر دیں کہ آپ ان لوگوں (یزیدی گروہ) کو کچھ بھی نہیں کہیں گے، ان سے کوئی سروکار نہیں ہوگا نہ وہ آپ کو چھیڑیں اور نہ ہی آپ انہیں چھیڑیں۔ کچھ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور امام علیہ السلام کو بھی یہی مشورے دے رہے تھے کچھ لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ آپ رات کی تاریکی میں نکل کر یمن چلے جائیں، اسی طرح کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ

---

(۱)۔ قال له مسلم بن عقيل بن ابی طالب، يا ابن بنت رسول الله: لو عدلنا عن الطريق و سلكنا غير الجادة، كما فعل عبد الله بن زبير، كان عندي الرأی، فانا نخاف ان يلحقنا الطلب، قال له الحسين لا و الله يا بن عمی: لا فارقت هذا الطريق ابداً۔ مسلم ابن عقیل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے فرزند رسول خدا اگر ہم اصلی راستے کو چھوڑ کر عبداللہ ابن زبیر کی طرح کسی اور راستے سے جائیں تو بہتر ہوگا مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ ہمارے تعاقب میں آئیں گے امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے بھیا! میں ہرگز اس راستے سے ہٹ کر نہیں جاؤں گا۔　　موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۲۹۹

ان سب کے مشوروں کے باوجود امامؑ نے ثابت کر دیا کہ ذمہ دار کون ہوتا ہے اور غیر ذمہ دار کون شخص ہوتا ہے؟ کس طرح سے عہد نبھایا اور کس طرح سے ذمہ داری ادا کی جاتی ہے۔ آپ نے ثابت کیا کہ عاشورائی کون ہوتا ہے؟ عاشورائی وہ نہیں ہوتا کہ جس کو چھیڑا جائے اور تنگ آ کر اس کے جواب میں کوئی حرکت کرے، کوئی عکس العمل دکھائے، بلکہ عاشورائی وہ ہوتا ہے جو فرصت کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے جونہی فرصت میسر آئے وہ میدان میں آ جاتا ہے اس لئے امامؑ نے سب کے مشوروں کو سننے کے بعد فرمایا:

وانّی لم اخرج اشرا ولا بطرا ولا مفسدا ، ولا ظالما ، انما خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدی ، ارید ان امر بالمعروف وانهیٰ عن المنکر......(۱)

---

(۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسینؑ، ص ۲۹۱

امام حسینؑ کو مشورہ دینے والے: ۱۔ مسور بن مخرمۃ نے آپ کی طرف خط بھیجا: ایاك ان تغتر بکتب اهل العراق ، ویقول لك ابن الزبیر ، الحق بهم فانهم ناصروك ، ایاك ان تبرح الحرم ، فانهم ان کانت لهم بك حاجة سیضربون الیك آباط الابل حتی یوافوك فتخرج فی قوة وعدّة اہل عراق کے خطوط پر دھوکہ نہ کھائیے، ابن زبیر جو آپ سے کہہ رہا ہے کہ ان کے ساتھ ملیں، بیشک وہ آپ کے مدد کرنے والے ہیں، آپ مکہ میں حرم الٰہی سے باہر کہیں نہ جائیں اگر ان لوگوں کو آپ کی ضرورت ہوئی تو وہ خود اونٹوں کو ایڑ لگا کر آپ کے ساتھ ملنے کیلئے دوڑ آئیں گے پھر آپ بڑی قوت اور تعداد کو لیکر قیام کریں۔ امام حسینؑ نے مسور بن مخرمۃ کیلئے دعائے خیر کی اور فرمایا: استخیر الله فی ذالك میں اس امر میں اللہ تعالیٰ سے طلب خیر کروں گا۔ (سابق مصدر، ص ۲۵۹)

۲۔ محمد بن حنفیہ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: یااخی ، انت أحبُّ الخلق الیّ ، واعزّهم علیّ...... وجعلك من سادات اهل الجنة......الیٰ ان قال: تخرج الی مکة ، فان اطمانت بك الدار بها فذاك ، وان تکن الاخریٰ خرجت الی بلاد الیمن......ولاوسع النّاس بلادا ، فان اطمأنت بك الدار ، والا لحقت بالرّمال و شعوب الجبال ، وجزت من بلد الی بلد ، حتی تنظر ما یؤول الیه امر الناس ویحکم الله بیننا و بین القوم الفاسقین، فقال الحسینؑ یااخی والله لو لم یکن فی الدنیا ملجأً ولا مأوی ، لما بایعت یزید بن معاویه فقطع محمد بن الحنفیة الکلام وبکی فبکیٰ الحسینؑ معه ساعة ، ثم قال یا اخی ، جزاك الله خیرا ، لقد نصحت و اشرت بالصواب ، وأنا عازم علی الخروج الیٰ مکة،

یعنی امام حسین علیہ السلام یہ کہنا چاہتے تھے کہ تم نمازوں کو بہانہ قرار دے کر اور تم کعبہ میں پناہ لے کر اپنی ذمہ داریوں سے جان چھڑانا چاہتے ہو، اس لئے کہ ایک فاسد حکمران برسرِ اقتدار آ گیا ہے اور جب فساد اس طرح سے برپا ہو جائے تو ذمہ دار انسانوں کیلئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ میدان میں آئیں نہ کہ اپنی جان بچائیں۔

امام حسین علیہ السلام فرمانا چاہتے تھے کہ مجھے مکہ کا راستہ معلوم ہے، میں بھی کعبہ میں پناہ لے سکتا ہوں، مجھے بھی عبادت کے نام پر اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونا معلوم ہے، لیکن خدا نے مجھے امام بنایا ہے اور امامت عہدِ خدا ہے، یعنی خدا کی طرف سے سونپی ہوئی ذمہ داری ہے۔ دین کی حفاظت کی

← وقد تهيّأت لذلك انا و اخوتي ، وبنو اخي و شيعتي ، وامر هم امري ، ورأيهم رأيي ، و امّا انت يا اخي فلا عليك ان تقيم بالمدينة ، فتكون لي عيناً عليهم ، ولا تُخفِ عنّي شيئاً من امورهم ۔ (سابق مصدر ص ۲۸۹)

محمد بن حنفیہ آپ سے کہنے لگے، اے میرے بھائی آپ مجھے سب سے پیارے اور عزیز ہیں خدا کی قسم، میں لوگوں میں سے کسی کیلئے بھی اپنی نصیحت کو ذخیرہ نہیں کرتا، اس لئے کہ آپ سے زیادہ کوئی اس کا حقدار نہیں، آپ کا مجھ سے خونی رشتہ ہے، آپ کا میری آنکھوں، میرے نفس اور میری روح کے ساتھ تعلق ہے، آپ وہ ہیں جس کی اطاعت مجھ پر واجب ہے، اس لئے کہ اللہ نے آپ کو شرف دیا ہے اور اہل جنت کے سیدوں میں سے قرار دیا ہے...... یہاں تک کہ کہا آپ مکہ چلے جائیں، اگر وہاں مطمئن رہے تو ٹھیک ہے ورنہ یمن تشریف لے جائیں، اس لئے کہ اہل یمن، آپ کے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے باپ کی مدد کرنے والے تھے وہ بڑے مہربان اور نرم دل لوگ ہیں ان کے شہر بڑے ہیں، اگر وہاں پر قیام پذیر ہوئے تو درست ہے ورنہ آپ صحراؤں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں پناہ لے لیں، اسی طرح ایک شہر سے دوسرے شہر جاتے رہیں اور لوگوں کی عاقبت کے منتظر رہیں تا کہ خدا خود ہی ہمارے اور اس فاسق قوم کے درمیان فیصلہ کرے۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: میرے بھائی، خدا کی قسم اگر دنیا میں میرے لئے پناہ گاہ اور کوئی امن کی جگہ نہ بھی ہو تو پھر بھی یزید بن معاویہ کی بیعت نہیں کروں گا۔

محمد بن حنفیہ نے کلام قطع کیا اور رونے لگے، امام حسین علیہ السلام بھی ان کیساتھ کچھ روئے، پھر فرمایا: اے میرے بھائی، خدا آپ کو جزائے خیر دے تم نے میری خیر خواہی کی اور صحیح راستے کی نشاندہی کی حالانکہ میں نے مکہ جانے کا ارادہ کیا ہے اس کیلئے تیاری بھی کی ہے میرے بھائی، بھتیجے اور میرے شیعہ کہ جن کی رائے میری رائے ہے جن کا امر ہی میرا امر ہے وہ بھی میرے ساتھ جا رہے ہیں لیکن اے بھائی! تم مدینہ میں ٹھہر کر ان پر میری طرف سے نظارت کرنا اور ان کے امور میں سے کسی امر کو بھی مجھ سے نہ چھپانا۔

ذمہ داری میری گردن پر ہے میں کس طرح سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم اپنی حکومت کرو اور میں اپنی عبادت کروں گا، اگر تم مجھے نہ چھیڑو تو میں بھی تمہیں نہیں چھیڑوں گا، یہ معاملہ کیسے کرسکتا ہوں، یہ ایک غیر ذمہ دار انسان کی منطق اور طرز تفکر تو ہوسکتا ہے لیکن حسین بن علی علیہ السلام کی منطق ہر گز نہیں ہے

ان حالات میں سب سے پہلی قدر جو امام حسین علیہ السلام نے زندہ کی وہ عہد اور احساس ذمہ داری ہے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر خود ایک ذمہ داری کا نام ہے اور یہ فریضہ خداوند نے امت کے ہر فرد کے کندھے پر ڈالا ہے۔

وَلتکُن مِنکم امةٌ یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینهون عن المنکر...... (۱)

کنتم خیر اُمّة اخرجت للناس،تأ مرون بالمعروف و تنهون عن المنکر...... (۲)

لوگوں کو امر و نہی کرو، یہ نہیں کہا گیا ہے کہ وعظ و نصیحت کرو، اگر چہ وعظ و نصیحت بھی اپنی جگہ درست ہے وعظ بھی کریں تعلیم بھی دیں، تدریس بھی کریں، تقریریں بھی کریں، کتابیں بھی لکھیں، یہ سب اپنی جگہ اچھے کام ہیں لیکن یہ امر بالمعروف نہیں ہے امر بالمعروف اور چیز ہے، اس فریضہ کو خداوند نے امت کے فرد فرد کی گردن پر ڈال دیا ہے تا کہ انسانوں کے اندر ایک قدر پیدا ہو جائے گویا انسان سے یہ کہا گیا کہ جب تک یہ قدر پیدا نہیں ہوتی، تم اپنے مقصد تک نہیں پہنچ سکتے اور وہ یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرد کو اپنے عہد اور اپنی ذمہ داری کو نبھانا چاہیے، ہر انسان کو ذمہ دار ہونا چاہیے، یہ نہ ہو کہ جب دین خدا اور دینی قدریں پامال ہو رہی ہوں اور حدود الٰہی پر

---

(۱)۔ سورۂ آل عمران آیت ۱۰۴۔

(۲)۔ سورۂ آل عمران آیت ۱۱۰

حرف آرہا ہو تو تم تماشائی بن کر یہ کہو کہ مجھے کیا، اور جب تم کسی غلط راستے پر چل نکلو اور کوئی تمہیں روکے تو اس کے جواب میں یہ کہو کہ تجھے کیا، تجھے کیا اور مجھے کیا غیر ذمہ دار افراد کی منطق ہے۔

جو دین کو پائمال ہوتے دیکھے اس کی زبان پر یہ الفاظ ہوں کہ مجھے کیا، میں اپنی عبادت کر رہا ہوں اور جب خود غلط کام کرے، کوئی آکر اس کو ٹوکے وہ جواب دے تجھے کیا یہ میرا ذاتی فعل ہے خدا ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا بلکہ جب دیکھو کہ دین پر کوئی آنچ آرہی ہے تو حسین بن علی علیہما السلام سے درسِ ذمہ داری سیکھو، جس طرح سے امام حسین علیہ السلام نے اپنی ذمہ داری نبھائی تم بھی اسی راستہ پر چل پڑو۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری   کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری (۱)

کیا امام حسین علیہ السلام کے پاس اپنی جان بچانے کیلئے جائز اور شرعی راستے موجود نہ تھے؟ سارے طریقے معلوم تھے لیکن یہاں پر مقصد جان بچانا نہیں تھا، اس لئے کہ ذمہ دار انسان کا فریضہ جان بچانا نہیں ہوتا بلکہ اس کا فریضہ اپنی ذمہ داری ادا کرنا ہے اس فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو خداوند نے اس لئے فرد فرد پر عائد کیا ہے کہ تم ذمہ دار انسان بنو، میرے اعمال کا آپ کو اور آپ کے اعمال کا مجھے ذمہ دار بنا دیا ہے، یعنی میرے لئے آپ کو اور آپ کے لئے مجھے امر کرنا واجب ہے۔

یعنی میں آپ کے معروف کا ضامن ہوں اور آپ میرے معروف کے ضامن ہیں آپ مجھے منکرات سے منع کریں اور میں آپ کو منع کروں اور یہ واجب فریضہ ہم نے ترک کر دیا تو پوچھا جائے گا کہ تم نے کیوں اس فریضہ پر عمل نہیں کیا۔

---

(۱)۔ کلیات اقبال، ارمغان حجاز، ص ۶۸۰۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے،

كلكم راع و كلكم مسؤل عن رعيته (۱)

تم میں سے ہر ایک ذمہ دار اور اپنی رعیت کا جواب دہ ہے۔

ہر ایک فرد مسئول ہے ہر فرد سے اپنی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا، خداوند نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ فرد فرد پر عائد کر کے ہر ایک کو امیر، حاکم اور نہی کرنے والا بنا دیا ہے تم میں سے ہر ایک امر کرے، امر کرنا اور چیز ہے جبکہ وعظ ونصیحت اور چیز ہے۔

یوں نہیں کہ جو غلط کام کرتا ہے بس اسی سے پوچھا جائے گا بلکہ دوسروں سے بھی پوچھا جائے گا کہ تم نے اس کو کیوں نہیں روکا؟ کیا تمہیں امر کرنے کا حکم نہیں دیا تھا کیا تمہیں منع کرنے کی اتھارٹی نہیں دی گئی تھی، یعنی امت کے فرد فرد کو خداوند نے ذمہ دار بنایا اور ان سے ذمہ داری کی ادائیگی کے متعلق پوچھا جائے گا، اب کوئی اپنی ذمہ داری کو ادا نہ کرے اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے عہدہ برآ نہ ہو، کیا وہ کہہ سکتا ہے کہ روح حسینی اس کے اندر موجود ہے، اس لئے کہ حسین علیہ السلام کسی لاتعلق، خاموش تماشائی انسان کا نام نہیں، حسین علیہ السلام کسی جھکی ہوئی گردن یا جھکی ہوئی نگاہوں کا نام نہیں، بلکہ جب بھی امت کو فساد دامن گیر ہو جائے، کوئی بیعت کا مطالبہ کرے یا نہ کرے وہ میدان میں حاضر ہوتا ہے۔ حسین علیہ السلام اور حسینی وہ ہوتا ہے جو خود میدان میں آجائے، یہی حسین علیہ السلام کی منطق اور موقف ہے یہی وہ قدر ہے جس کو امام حسین علیہ السلام نے متعارف کروایا، لہذا سب سے پہلی چیز جو

(۱)۔ بحار انوار، جلد ۷۵، باب الانصاف والعدل، ص ۳۸۔

عاشورائی اقدار نے ہمیں سمجھائی وہ احساسِ ذمہ داری ہے، ان لوگوں کی طرح نہ بن جانا جو دین کو بہانہ بنا کر، اپنے سجدوں، اپنے درس و بحث، اپنی بیوی بچوں، اپنے دفاتر اور ملازمتوں کو بہانہ بنا کر اپنی ذمہ داریوں کو ادا نہیں کرتے ہیں۔ غیر ذمہ دار انسان کبھی بھی ذمہ دار انسان کا مقتدی نہیں ہوسکتا امامت ذمہ داری کا نام ہے، غیر ذمہ دار کبھی بھی ذمہ دار انسان کے ساتھ نہیں چل سکتا۔

۱۱۔ اللہ کی طرف سے لوگوں پر عائد ذمہ داریاں

اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں پر عائد ذمہ داریاں کون سی ہیں؟ خدا نے جو ذمہ داریاں ہماری گردن پر ڈالی ہیں، قرآن کریم اٹھا کر معلوم کیا جائے کہ ہماری ذمہ داریاں کیا بنتی ہیں؟

ہم سیرتِ معصومین علیہم السلام پڑھ کر اپنی ذمہ داریاں معلوم کرسکتے ہیں ہماری ذمہ داریاں اپنے بچوں کا پیٹ پالنا، ان کا تن ڈھانپنا، صبح کو شام اور شام کو صبح میں تبدیل کرنا......، صرف یہی ہماری ذمہ داریاں نہیں ہیں سب سے بڑی ذمہ داری جو قرآن کریم نے بیان کی ہے اور امام حسین علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ میں یہ ذمہ داری ادا کرنے جا رہا ہوں، وہ فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔

أُرِیدُ انْ آمر بالمعروفِ وَأنهیٰ عنِ المنکر......

اسی لئے تو زیارت نامہ میں شہادت دیتے ہیں۔

اَشْهَدُ انّكَ...، و امَرْتَ بالمعروف و نَهَيْتَ عن المنكر...... (۱)

---

(۱)۔ مفاتیح الجنان، زیارت وارثہ

ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے امر بالمعروف کیا اور نہی عن المنکر کیا، یعنی آپ نے معروف کے نام پر اقدار کو زندہ کیا اور منکرات کے نام پر منفی اقدار کو مٹا کر ختم کر دیا اور قیامت تک حسین علیہ السلام کے نام سے یہ عاشورائی اقدار زندہ رہیں گی۔

۱۲۔ غیر ذمہ دار افراد کا انجام

الف۔ عبداللہ بن زبیر

اسلام کی تاریخ میں زبیر بن عوام کا بیٹا عبداللہ بن زبیر اس وقت کی بڑی نمایاں اور برجستہ شخصیات میں سے، بہت ہی پیچیدہ اور عجیب وغریب کردار کی حامل شخصیت ہے، زبیر بن عوام حضرت علی علیہ السلام کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔

زبیر کے متعلق حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: زبیر ہمیشہ اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ رہا۔ (۱)

---

(۱)۔ مازال الزبیر منّا اهل البیت ، حتی شب ابنه عبدالله تشریح: جب عبداللہ جوان ہوا تو اس نے اپنے باپ کی راہ میں بہت سی رکاوٹیں ڈالیں یہاں تک کہ جب زبیر نے جنگ جمل میں واپس جانے کا ارادہ کیا تو عبداللہ نے اس سے کہا ......ولکنك فرقت سیوف ابن ابی طالب...... ابن ابی طالب علیہ السلام کی تیز تلواروں سے ڈر کر جا رہے ہو، تو زبیر نے کہا مالك اخزاك الله من ولد اما اشأمك تجھے کیا ہوا ہے تو کتنا رسوا اور بدبخت بیٹا ہے۔ یہی جملہ حضرت عائشہ نے بھی زبیر سے کہا ہے، فقالت له: یا ابا عبدالله انّك فرقت سیوف ابن ابی طالب ، انها والله سیوف حداد، معدّة للجلاد تحملها فتة انجاد ولئن فرقتها لقد فرقها الرجال قبلك ، قال کلا ، ولکنه ماقلت لك اے ابوعبداللہ (زبیر) ابو طالب کے بیٹے کی شمشیروں سے بھاگ رہے ہو خدا کی قسم بہت تیز دھار تلواریں ہیں کھال اتارنے کے لئے تیار ہیں اور بہت بہادر اور دلیر گروہ نے انہیں اٹھایا ہوا ہے اگر تم ان کے ڈر سے بھاگ رہے ہو تو کوئی بڑی بات نہیں ہے اس سے پہلے بھی کئی مردان کے خوف سے بھاگے ہیں، زبیر نے جواب دیا ہرگز ایسے نہیں ہے بلکہ جو وجہ میں نے تمہیں بتائی ہے وہی درست ہے۔ (ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد ۲، ص ۱۶۶، ۱۶۷ چاپ دوم)

غیر ذمہ دار افراد کا انجام

جب تک اس کا بیٹا عبداللہ بن زبیر پیدا نہیں ہوا تھا اس کے جوان ہونے سے پہلے زبیر بن عوام نے ہمیشہ حضرت علی علیہ السلام کا ساتھ دیا، اس پر تاریخی شواہد بھی موجود ہیں۔

(۱)۔ جب لوگ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے گھر پر آگ لگانے کی غرض سے آئے اور انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کو باہر طلب کیا اس وقت تنہا آدمی جو حضرت علی علیہ السلام کے دفاع میں ننگی تلوار لے کر نکلا وہ زبیر ہی تھا، لیکن ان کو دہشت گرد گروہ سے پٹوا دیا گیا، دہشت گردی کی تاریخ بہت پرانی ہے، جو صدر اسلام سے جاری ہے۔

دہشت گردوں نے اپنی دہشت گردی کا مظاہرہ کیا، سیدہ سلام اللہ علیہا کے گھر پر آگ لگانا دہشت گردی تھی، امیر المومنین علیہ السلام کو زبردستی گھر سے نکالنا دہشت گردی تھی اور تیسری دہشت گردی یہ تھی کہ حکم دیا گیا کہ زبیر بن عوام کو پیٹا جائے، خالد بن ولید نے ان کی تلوار لے کر پتھر پر مارنا شروع کر دی، اس قدر پتھر پر ماری کہ وہ کند ہوگئی اور پھر زبیر کو وہاں پر لوگوں کے سامنے پٹوایا، یہ وہ مسلم حقائق ہیں جو اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہیں۔

(۲)۔ خلیفۂ دوم نے اپنے بعد کے لئے شوریٰ بنائی اور اس میں خلیفہ کی نامزدگی کیلئے کچھ نام تجویز کیے، اس شوریٰ میں خلیفہ دوم نے زبیر کو بھی رکھا تھا، چھ آدمیوں پر مشتمل شوریٰ کی جب میٹنگ شروع ہوئی سب سے پہلے زبیر بولا کہ میں علی علیہ السلام کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں اور میرا ووٹ علی علیہ السلام کے ساتھ ہے تنہا ووٹ جو علی علیہ السلام کے حق میں تھا وہ زبیر کا ووٹ تھا۔

(۳)۔ تیسری شہادت اس مطلب کیلئے کہ زبیر نے عبداللہ کے جوان ہونے سے پہلے ہمیشہ حضرت علی علیہ السلام کا ساتھ دیا جب حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی رحلت ہوئی تو رحلت سے پہلے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ میں کچھ وصیتیں کرنا چاہتی ہوں میری وصیت کو سنیں اور میری وصیت پر عمل بھی کریں لیکن حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو حضرت علی علیہ السلام کی مجبوریوں کا علم تھا، لہذا ساتھ یہ بھی فرمایا: اے علی علیہ السلام اگر آپ کیلئے میری وصیت پر عمل کرنا ممکن نہ ہو تو میں زبیر بن عوام کو اپنا وصی مقرر کرتی ہوں پس یہ ایسا انسان تھا کہ جس کو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنی وصیت کیلئے منتخب کیا تھا۔

یہ تاریخی شواہد دلالت کرتے ہیں کہ زبیر راہِ حق پر چلنے والا بلکہ راہِ حق پر قربانی دینے والا شخص تھا لیکن جونہی اس کا بیٹا عبداللہ بن زبیر جوان ہوا اس نے باپ کو راہِ حق سے ہٹا دیا یہاں تک کہ جنگِ جمل میں حضرت علی علیہ السلام کے مدمقابل تلوار لے کر آ گیا۔

ایسی بھی اولاد ہوتی ہے جو والدین کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے، آج ہم بھی تو یہی کام کرتے ہیں اپنے بیٹے کو پڑھایا، اس کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا، پھر محنت مزدوری کر کے کس طرح سے اپنی اولاد کو پالا، جوان کیا، پھر کوشش کروا کے، سفارش کروا کے، منت سماجت کروا کے، کسی بھی ذریعہ سے باہر کسی یورپی ملک بھیج دیا، پھر اس بیٹے نے کیا کیا بجائے اس

کے کہ وہ ہماری سیرت پر چلتا، والدین کو بھی ویزا بھیج دیا، اب یہ داڑھی والے، مسجد میں پانچ وقت کے نمازی تھے لیکن وہاں پر گئے داڑھی منڈوادی اور اپنے بیٹے کی پیروی شروع کردی کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے والدین کو راہ راست پر لے آتے ہیں جبکہ اس کے برعکس بھی بہت ہیں، یہ کوئی آج کی بات نہیں، حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برجستہ صحابی زبیر بن عوام کی بھی یہی مشکل تھی۔

حضرت علی علیہ السلام نے زبیر کو جنگ جمل میں بلایا اور فرمایا: کیا تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حدیث یاد ہے جس میں آپ نے فرمایا: اما انك تُحارِبهُ وانت له ظالم اے زبیر! تم علی علیہ السلام سے لڑو گے جبکہ تم ظالم ہو گے، زبیر نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون آپ نے وہ چیز یاد دلائی جو گردش زمانہ کی وجہ سے میں بھول گیا تھا آخرکار زبیر جنگ سے منصرف ہو کر چلے گئے راستے میں عمرو بن جرموز نامی شخص کے ہاتھوں قتل ہو گئے اسکی تلوار حضرت علی علیہ السلام کے پاس لائی گئی تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ زبیر کے قاتل کو جہنم کی خوشخبری دو۔(۱)

عبداللہ بن زبیر ایک غیر ذمہ دار انسان تھا جبکہ غیر ذمہ دار انسان کو خدا کبھی بھی معاف نہیں کرتا چاہے اس کے لئے کتنی ہی بھاری قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے، غیر ذمہ دار افراد ہمیشہ ایسی ہی ادا اپناتے ہیں کہ لوگوں کو اور خدا کو دھوکا دے سکیں۔

يُخادِعون اللّٰه والّذين آمنوا وما يَخدَعون اِلّاانفسهم (۲)

یہ لوگ اللہ کو اور مومنین کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں لیکن حقیقت میں خود کو دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں۔

---

(۱)۔ شرح نہج البلاغۃ ابن الحدید جلد ۱ ص ۲۳۳، ۲۳۴۔

(۲)۔ سورہ بقرۃ آیت ۹

غیر ذمہ دار انسان کبھی اپنی عبادت کو بہانہ بنا کر، کبھی اپنی تعلیم کو بہانہ بنا کر اور کبھی اپنی ملازمت کو بہانہ بنا کر خدا کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں حالانکہ یہ لوگ خود ہی دھوکے میں ہیں۔ عبداللہ بن زبیر کا تعلق انہیں افراد سے تھا۔

جب امام حسین علیہ السلام نے خروج کا قصد کیا تو سب سے کہا میرا ساتھ دو، عبداللہ بن زبیر سے بھی کہا کہ میرا ساتھ دو لیکن اس نے امام حسین علیہ السلام کا ساتھ نہیں دیا بلکہ الگ سے اپنا راستہ لیا اور جا کر کعبۃ اللہ میں پناہ لے لی اور پھر منتظر رہا کہ امام علیہ السلام پر کیا گزرتی ہے امام حسین علیہ السلام کے بعد عبداللہ ابن زبیر اپنے آپ کو عالم اسلام کی سب سے بڑی شخصیت سمجھتا تھا وہ بخوبی جانتا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کی موجودگی میں کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں کرنی۔

جب کربلا کا واقعہ پیش آیا تو اس کو بڑی خوشی ہوئی کہ چلو ایک مرحلہ تو طے ہو گیا، وہ سوچ رہا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کے بعد لوگ میری طرف متوجہ ہوں گے، کربلا کے واقعہ کے بعد اس نے اپنی خلافت و امامت کا چرچا کرنا شروع کر دیا، اپنے نمائندے مقرر کئے، اپنی ایک مسند بچھالی اور مکہ کے اندر اچھی خاصی شخصیت بنالی، درس و بحث شروع کیا، امامت شروع کی اور اسی طرح کے دوسرے کام کرنے سے اس کا نام پھیل گیا پاکیزہ ترین جگہ پر غیر ذمہ دار انسان بیٹھ گیا اور اپنی غیر ذمہ داری کو عبادت کے نیچے چھپانا چاہا البتہ کافی عرصہ گزرنے کے بعد جب آخر تک اسے احساسِ ذمہ داری نہ ہو سکا تو خدا نے اس کو ایسا مزہ چکھایا کہ دوسروں کیلئے عبرت بن گیا۔

حجاج بن یوسف نے اس کو پکڑنے کیلئے حملہ کیا، بیت اللہ کے چاروں طرف پہاڑوں پر

منجنیقیں نصب کر کے بیت اللہ پر پتھر پھینکے جس سے کعبہ کو ویران کر کے اس کی عمارت کو گرادیا گیا۔(۱)

ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ جب ابرھہ نے بیت اللہ کو ویران کرنے کیلئے ہاتھیوں کے بڑے لشکر کے ساتھ حملہ کیا تو خداوند نے ابابیل کے لشکر کے ذریعے ان کو نیست ونابود کردیا لیکن جب عبداللہ بن زبیر جیسے غیر ذمہ دار انسان نے بیت اللہ میں پناہ لے رکھی تھی، حجاج بن یوسف منجنیقوں سے پتھر پھینک رہا تھا اور کعبہ ویران ہو رہا تھا لیکن اُس وقت ابابیل کا لشکر نہیں آیا اِس لئے کہ اُس دن کعبہ میں عبدالمطلب علیہ السلام جیسا ذمہ دار انسان تھا لیکن آج کعبہ کے اندر غیر ذمہ دار انسان ہے، غیر ذمہ دار انسان کو ہٹانے کیلئے کعبہ ویران ہو جائے پرواہ نہیں، ورنہ خدا کیلئے کعبہ کو بچانا کوئی مشکل کام نہیں، یہ تاریخی غارت غیر ذمہ داری کا نتیجہ ہے۔

کعبہ میں بیٹھ کر، نمازوں کے سائے میں، احرام پہن کر، عبادتوں کے بہانے سے، حقوق العباد اور خدمتِ خلق کے نام سے، ذمہ داریوں سے جان چھڑانے والوں کیلئے مسجد الحرام بھی امن کی جگہ نہیں ہے، حالانکہ جانوروں کیلئے خدا نے اس سرزمین کو پناہگاہ قرار دیا ہے، لیکن غیر ذمہ دار انسان کیلئے یہ زمین پناہگاہ نہیں بن سکتی، ورنہ خدا تو ابابیل کا لشکر بھیج سکتا ہے لیکن جرم اتنا بڑا ہے کہ

---

(۱)۔ابن ابی الحدید، جعفر محمد بن جریر طبری سے نقل کرتے ہیں، قال ابو جعفر: حصر الحجاج عبداللہ بن زبیر، ثمانیة اشهر، فروی اسحاق بن یحیی عن یوسف بن ماهك قال: رایت منجنیق، اهل الشام برمی به...... ابوجعفر کہتے ہیں کہ حجاج نے عبداللہ بن زبیر کو آٹھ ماہ تک اپنے محاصرہ میں رکھا، اسحاق بن یوسف کہتا ہے کہ میں نے اہل شام کی منجنیقیں خود دیکھیں، جس سے اسکو مارتے تھے جب منجنیق میں پتھر لگا کر مارنا شروع کیا تو آسمان سے رعد و برق کی آواز آئی، اہل شام ڈر گئے، مارنا بند کر دیا، حجاج نے اپنی قباء کو اٹھایا، خود جا کر منجنیق میں پتھر لگایا، کہنے لگا مارو...... اور اتنا مارا کہ عبداللہ بن زبیر بھاگنے پر مجبور ہو گیا، اہلِ مکہ نے بھی حجاج سے امان کا مطالبہ کیا، پھر اس نے زبیر کو مار ڈالا۔

ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ ج ۲۰، ص ۱۱۸، ۱۱۷۔

کعبہ ویران ہونا تو پسند ہے لیکن غیر ذمہ دار کو اپنے جرم کی سزا ضرور ملنی چاہیے، غیر ذمہ داری بہت بڑا جرم ہے خدا اس کو کبھی معاف نہیں کرتا۔

ب۔ مغیرۃ بن شعبۃ

غیر متعہد لوگ خاص طور پر اگر کچھ پڑھے لکھے بھی ہوں اور تھوڑے دیندار بھی ہوں تو اپنی غیر ذمہ داریوں کیلئے اپنی غلطیوں کی توجیہ اور انہیں درست بنا کر پیش کرنے کیلئے آیتیں تلاش کرتے ہیں اور احادیث بھی گھڑتے ہیں، پڑھے لکھے وعلماء میں اور ان پڑھ لوگوں میں اس لحاظ سے فرق ہے کہ ان پڑھ لوگوں کو اپنی غیر ذمہ داریوں اور غلط کام کرنے کے بعد آیات وروایات پیش کرنا نہیں آتا جبکہ پڑھے لکھے لوگ یہ کام بھی کر لیتے ہیں۔

تاریخ اسلام میں اس کا ایک نمونہ مغیرۃ بن شعبہ ہے، بہت پڑھا لکھا آدمی تھا، خلفاء کے مشیروں میں سے تھا، سرکار کی طرف سے ان کو مشاورت کا باقاعدہ وظیفہ ملتا تھا، جب علی علیہ السلام خلیفہ چہارم کے طور برسر اقتدار آئے تو مغیرہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ یہ والی شام اچھا آدمی نہیں ہے آپ سے ان کی ازلی دشمنی ہے، ہماری دیرینہ آرزو تھی کہ ان کو ولایت کے عہدے سے ہٹا دیا جائے، حضرت علی علیہ السلام سے کہتا ہے کہ آپ سب سے پہلا کام یہ کریں کہ والی شام کو اس کے عہدے سے برخاست کر دیں، حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو میرا پہلے سے ہی ارادہ تھا کہ اگر تم نہ بھی کہتے تو بھی میرا یہی ارادہ تھا، لیکن نہ اس وجہ سے جو تمہارے ذہن میں ہے بلکہ میرے ذہن میں کچھ اور ہے ۔

لہٰذا امیر المومنین علیہ السلام نے خلافت کے بعد سب سے پہلا اقدام یہ کیا کہ امیر شام کو اس کے

غیر ذمہ دار افراد کا انجام

منصب سے سبکدوش ہونے کا حکم نامہ جاری کر دیا اور فرمایا کہ میری حکومت میں کوئی بھی ظالم ایک دن کیلئے بھی اپنے منصب پر باقی نہیں رہ سکتا۔

کچھ دن بعد یہ سرکاری مشاور دوبارہ آیا اور آ کر پھر مشورہ دیا، امیر المومنین علیہ السلام سے کہنے لگا آپ نے سیاسی نقطۂ نگاہ سے اچھا کام نہیں کیا اس لیے کہ ابھی مرکز میں آپ کے قدم اتنے مضبوط نہیں ہیں ابھی خلیفہ کا قتل ہوا ہے، مدینے کے اندر حالات بحرانی ہیں، افراتفری، ہرج و مرج کا سماں ہے، ایسے حالات میں پہلے مرکز کو مضبوط کرنا چاہیے تھا جب مرکز مضبوط ہو جاتا پھر آپ دوسروں سے ٹکر لیتے لیکن آپ نے خلیفہ بنتے ہی مرکز میں قدم مضبوط کیے بغیر شام جیسے صوبے کے والی کو برخاست کر دیا ہے، یہ سیاسی حوالے سے اچھا کام نہیں ہے۔ چند روز کے فاصلے سے یہ سرکاری مشیر دو مختلف قسم کے مشورے دیتا ہے، ہٹانے سے پہلے کہتا ہے کہ اس کو فوراً ہٹا دینا چاہیے ہٹانے کے بعد کہتا ہے یہ قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔

ایک دن اس سیاسی مشیر کا حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے سامنا ہوا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کسی مسئلہ میں بحث کرتے ہوئے اس سے الجھ گئے، امیر المومنین علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی کہ عمار مغیرہ سے بحث میں الجھ گئے ہیں، تو امیر المومنین علیہ السلام نے عمار کو بلا کر منع کیا اور فرمایا: ''دعه یا عمار'' اے عمار اس کو چھوڑ دو، اس کے ساتھ نہ الجھا کرو، اس کے ساتھ بات چیت اور مناظرہ نہ کیا کرو تو عمار کہنے لگے، اے امیر المومنین علیہ السلام وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پڑھ کر سناتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت بیان کرتا ہے، قرآنی آیات پڑھ کر مسئلے بیان کرتا ہے اور لوگوں کو ورغلاتا ہے تو اب مجھ پر بھی لازم ہے کہ میں اس کے ساتھ بحث کروں تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: عمار اس کو چھوڑ دو، وہ قرآن کی تفسیر جانتا ہے،

وہ سنتِ رسول ﷺ سے آشنا ہے، وہ احادیث سے آشنائی رکھتا ہے، وہ قرآن کا حافظ اور احکامِ الٰہی سے واقف ہے لیکن اس نے قرآن، احادیث، دین اور شریعت کو اپنی غلطیوں کی توجیہ اور تاویل کرنے کا ذریعہ بنایا ہے، وہ اس طریقے سے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دیتا ہے۔(۱)

غیر متعہد افراد بہت ہی پیچیدہ اور عجیب وغریب کردار والے ہوتے ہیں لیکن غیر ذمہ داری وہ جرم ہے جس کو خدا کبھی معاف نہیں کرتا۔

۱۳۔ فرزند منٰی یزید کے دربار میں

حضرت امام حسین علیہ السلام کو فقط عمر بن سعد کا سامنا نہیں تھا بلکہ عبداللہ بن زبیر جیسے، بہت سے غیر متعہد افراد کا سامنا بھی تھا، صرف ان کو نہ دیکھا جائے جنہوں نے خنجر اور تلواریں چلائیں، ان کو بھی دیکھا جائے جنہوں نے امام علیہ السلام کی روح پر زخم لگائے، کربلا میں وہ لوگ تھے جنہوں نے امام علیہ السلام کے بدن پر زخم لگائے جبکہ مکہ اور مدینہ میں بھی ایسے لوگ تھے جنہوں نے امام علیہ السلام کی روح پر خنجر چلائے، یہ لوگ بھی قاتلین کے زمرے میں آتے ہیں، انھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا جبکہ اُنھوں نے حسینیت کو قتل کیا اور مقصدِ حسین علیہ السلام کو شہید کیا، یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دینے کی بجائے، حج کے بہانے منٰی کا رخ کیا وہی منٰی جس میں قربان گاہ بھی ہے جو یادگارِ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہے

---

(۱)۔ وقال علیہ السلام لعمار بن یاسر: وقد سمعه يراجع المغيرة بن شعبة كلاما دعه يا عمار فانه لم يا خذ من الدين الا ماقاربه من الدنيا وعلى عمد لبس على نفسه ليجعل الشبهات عاذرا لسقطاته۔ (نہج البلاغہ حکمت ۴۰۵)

امام علیہ السلام نے جب عمار بن یاسر کو مغیرہ سے سوال جواب کرتے ہوئے سنا تو ان سے فرمایا: اسے چھوڑ دو، اس نے دین سے بس وہ لیا ہے جو اسے دنیا سے قریب کرے اور اس نے جان بوجھ کر اپنے کو اشتباہ میں ڈال رکھا ہے تا کہ ان شبہات کو اپنی لغزشوں کیلئے بہانہ قرار دے سکے

یہ غیر متعہد لوگ احرام باندھ کر منیٰ میں بھیڑ بکریوں کی قربانی دینے میں مشغول تھے۔

امام حسین علیہ السلام میدانِ عرفات سے نکل کر عراق کا رخ اختیار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو ہمارے ساتھ قربانی دینے کیلئے اور لقاء اللہ کیلئے آمادہ ہے وہ ہمارے ساتھ چل پڑے۔(۱) یعنی ابھی حج کرنے اور بھیڑ بکریوں کو ذبح کرنے کا موقع نہیں بلکہ ابھی حج بچانے اور منیٰ کو زندہ رکھنے کا موقع ہے، حج کرنے میں اور حج و منیٰ بچانے میں بڑا فرق ہے اگر کوئی حج کرے تو بھیڑ بکری کی قربانی دیتا ہے لیکن جو حج اور منیٰ بچاتا ہے اس کو اپنی اولاد قربان کرنا پڑتی ہے۔

لہٰذا جب امام زین العابدین علیہ السلام نے یزید کے دربار میں اپنا تعارف کروایا تو ایک انوکھے طریقے سے کروایا حالانکہ سب کو معلوم تھا کہ آپ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، علی علیہ السلام کے بیٹے ہیں، حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد میں سے ہیں، لیکن پھر بھی اپنا تعارف اس انداز سے کروایا اور فرمایا:

ایها النّاس...... من عرفنی فقد عرفنی و من لم یعرفنی أنبأته بحسبی، ایها الناس انا بن مکه و منی و انا بن زمزم و الصفا......(۲)

اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے سو وہ پہچانتا ہے اور جو مجھے نہیں پہچانتا تو میں اپنا حسب ونسب بتاتا ہوں اور میرا حسب نسب یہ ہے کہ میں مکہ اور منیٰ کا بیٹا ہوں، میں زمزم وصفاء کا فرزند ہوں۔

آپ ہی منیٰ کے وارث ہیں، آپ ہی منیٰ کے بیٹے ہیں، منیٰ کا وارث وہ نہیں ہوتا جو منیٰ جا کر بھیڑ بکری ذبح کر کے قربانی پیش کرے بلکہ مکہ اور منیٰ کا وارث وہ ہوتا ہے جو اپنی اولاد کی قربانی پیش

---

(۱)۔ من کان باذلاً فینا مهجته و موطّناً علی لقاء الله نفسه، فلیر حل معنا...... موسوعۃ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۳۲۸

(۲)۔ مجموعہ زندگانی چہاردہ معصوم علیہم السلام (حسین عمادزادہ) ناشر طلوع۔

کرے، جو اپنے بھائیوں کی قربانی پیش کر سکے، جو خون دے سکے، جو اپنے بھائی قربان کر کے منیٰ کا شرف بچاتا ہے، وہی منیٰ کا بیٹا ہے، وہی مکہ اور صفاء کا بیٹا ہے، فرماتے ہیں کہ یہ صفا اور مروہ، یہ مکہ اور منیٰ تمہارے نہیں یہ میرے ہیں۔

منیٰ کا فرزند، قربان گاہ کا فرزند اور زم زم کا فرزند کیسے بنا جاتا ہے؟ جو جا کر زم زم کا پانی پی لے وہ زم زم کا بیٹا نہیں بن سکتا، زم زم اور منیٰ کا فرزند وہ بن سکتا ہے جو زم زم اور منیٰ کا شرف بچا سکے، جو حج کا تقدس بچا سکے۔

امام سجاد علیہ السلام کو مقررین نے جس طرح پیش کیا ہے وہ حقیقت سے دور تصویر ہے۔ خطیبوں نے آپ کو کربلا کا مریض پیش کیا ہے، لیکن آپ کی شجاعت کا تذکرہ نہیں کرتے، غور کریں، وہی امام سجاد علیہ السلام جب یزید کے دربار میں جاتے ہیں گلے میں بھاری طوق پڑا ہوا ہے، پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، پھوپھیاں اور بہنیں سر ننگے دربار میں کھڑی ہیں، یزید بولنے لگا، یہ کون ہیں، کیا چاہتے ہیں؟

امام سجاد علیہ السلام اٹھ کر فرماتے ہیں: اے یزید! تو یہ گمان کرتا ہے کہ میرے گلے میں طوق پہنا کر تو نے میری روح کو بھی طوق پہنا دیا ہے، تو نے میری زبان پر بھی طوق پہنا دیا ہے، خدا کی قسم صرف میرے ہاتھ میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ہیں مگر میری زبان تو کھلی ہوئی ہے، میرے لب تو کھلے ہوئے ہیں، لہٰذا وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس سے یزیدیت ہمیشہ کیلئے رسوا ہوگئی۔

ستم ناپذیر ہونا

دوسری قدر

۱۔ ظلم سب سے بڑا منکر

۲۔ ستم ناپذیری عاشورائی قدر

۳۔ ستم ناپذیری کربلا کا درس

۴۔ امام حسین علیہ السلام وارث انبیاء علیہم السلام

۵۔ مسیحیت محرّفہ اور ستم پذیری

۶۔ انبیاء علیہم السلام کا مصدق و مبشر ہونا

۷۔ مسیحیت محرّفہ کی تعلیمات کا مسلمانوں پر اثر

۸۔ ستم پذیری گناہِ کبیرہ

۹۔ ظلم کے عوامل

الف۔ انبار پر حملہ

ب۔ یمن پر حملہ

۱۰۔ ظلم کے اندرونی اور بیرونی اسباب

۱۱۔ مستضعَف اور مستضعِف میں فرق

۱۲۔ کربلا ستم ناپذیری کا راستہ

۱۔ظلم سب سے بڑا منکر

ظلم نہ کرنا ایک بہت اہم انسانی قدر ہے جبکہ ظلم منکرات میں سے ایک عظیم منکر ہے، ظلم کی قباحت پر تمام عقلاءِ عالم کا اتفاق ہے، شریعت میں بھی ظلم منکرات میں سے بہت بڑا منکر شمار ہوا ہے۔ ظلم بری چیز ہے یہ سب کو معلوم ہے حتیٰ کہ ظلم کرنے والے کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ ظلم بری چیز ہے لہٰذا کبھی بھی ظلم کے نام پر ظلم نہیں کرتا، بلکہ کوشش کرتا ہے اپنے ظلم کو کوئی اچھا اور پسندیدہ نام اور عنوان دے، اپنے مظالم کو اس اچھے عنوان کے ذریعے سے چھپانے کی کوشش کرتا ہے، اس لئے ظلم کی قباحت اور برائی سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا، انسان کی یہ خصلت اور مہارت ہے کہ اپنے غلط کاموں کو بہت حسین اور دلربا ناموں سے مزین کرتا ہے۔

اس کا سب سے بڑا نمونہ آج کل عراق اور افغانستان میں موجود ہے، امریکا کبھی جمہوریت کے نام پر، کبھی آزادی کے نام پر اور کبھی دہشت گردی سے مقابلہ کے نام پر، بے گناہ مسلمانوں کو حتیٰ چھوٹے چھوٹے بچوں اور عورتوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنا رہا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ عراق کے مسلمانوں پر کیا گزر رہی ہے۔ کربلا، کوفہ، نجف، بغداد کی سڑکیں اور گلیاں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے رنگین ہوگئی ہیں، ہر روز مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے، مسلمان عورتوں کی آبروریزی ہو رہی ہے، زندانوں میں جو مظالم اور ستم انھوں نے ڈھائے ہیں ان کو بیان کرنے سے زبان عاجز ہے، یہ ایسے مظالم ہیں جو پوری دنیا دیکھ رہی ہے۔

دہشت گردی سے مقابلہ کے نام پر جنگوں میں مسلمانوں پر کتنا ظلم وستم ہوا، کتنے کتنے ٹن وزنی بم ان کے سروں پر گرائے گئے، ان سب مظالم کو انھوں نے جمہوریت کی ترویج، آزادی، دہشت

گردی کے خاتمہ جیسے اچھے اچھے عناوین کے تحت چھپایا ہوا ہے۔

لیکن حقیقت کچھ اور ہے اگر امریکا دہشت گردی سے مقابلہ کرتا تو صدام تو بیس سال پہلے بھی دہشت گرد اور ظالم تھا، اس وقت اس کا راستہ کیوں نہیں روکا؟ بلکہ صدام کو تو انھوں نے ہی مسلح کیا، اسے ہمیشہ سے شاباش دیتے رہے کہ تم مظالم کرتے رہو ہم تمھاری حمایت کرتے رہیں گے۔

لہٰذا ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے، کبھی ان خوبصورت ناموں کے جھانسے میں نہ آجائیں، بری صفات اور برے اعمال کیلئے اچھا نام رکھنے سے وہ اچھے اعمال اور اچھی صفات نہیں ہوجاتیں، برا کام برا ہی رہتا ہے، اچھا نام رکھنے سے اس کی واقعیت تبدیل نہیں ہوتی۔



انسان کی یہ عجیب مکارانہ خصلت اور مہارت ہے کہ اپنی برائیوں کو اچھائیوں کی صورت میں پیش کرتا ہے، حتیٰ بعض پڑھے لکھے، علم دین، علم تفسیر، علوم قرآن اور علومِ اسلامی سے آشنائی رکھنے والے لوگ بھی اس مکارانہ خصلت کا شکار ہوجاتے ہیں، اپنے غلط کاموں کو صحیح نام دیتے ہیں، پھر لوگ بھی ان کے دھوکے میں آجاتے ہیں۔

لہٰذا ظلم اور ستم کو اگر کوئی اچھا سا نام دیا جائے تو وہ ظلم ہی رہتا ہے، نام بدلنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، بزدلی کو دوراندیشی کہنے سے اچھی صفت نہیں بن جاتی بزدلی، بزدلی ہی رہتی ہے۔ بلی یا کسی گیدڑ کا نام شیر رکھنے سے شیر کی روح اور شجاعت اس میں نہیں آجاتی ہے، رکشہ کا نام ''ایف ۱۶'' رکھنے سے وہ ''ایف ۱۶'' طیارہ نہیں بنتا، پاکستان ایئر فورس کو ''ایف ۱۶'' طیارے چاہیے ہوں تو وہ رکشہ نہیں خریدتے، اس لئے کہ انھیں یہ شناخت ہے، وہ ان ناموں کے جھانسے میں نہیں آتے ہیں، لہٰذا ہمیشہ کیلئے ہوشیار رہنا چاہیے، اگر ستم پر عدل کا عنوان چڑھ جائے، تو ستم، ستم ہی رہتا ہے،

عدل کا عنوان اس کو عدل میں تبدیل نہیں کر سکتا۔

اسی طرح جہالت کو معرفت اور عرفان کا نام دینے سے وہ علم نہیں بنتا، جہالت پھر بھی جہالت ہی رہے گی پس انسان کی روح ظلم پہچان لیتی ہے، اگر انسان پر ظلم ٹھونسا بھی جائے تو بھی فطرت انسانی کے خلاف ہے۔

۲۔ ستم ناپذیری عاشورائی قدر

عاشورا کے معرکہ حق و باطل میں امام حسین علیہ السلام نے جن اقدار کو زندہ کیا، ان اقدار میں سے ایک اہم ترین عاشورائی قدر ستم ناپذیری اور ستم قبول نہ کرنا ہے۔اس کے مقابلے میں ستم پذیری، جو بہت ہی بری صفت ہے اسے ہمیشہ کیلئے واضح کر دیا، ستم پذیری منکرات میں سے ہے لیکن بعض اوقات انسان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ستم پذیری منکرات میں سے ہے یا کوئی اچھی صفت ہے چونکہ بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ تصور موجود ہے کہ مظلوم بن جانا اچھی صفت ہے اور بعض مذاہب نے اس کی تعلیم بھی دی ہے بعض منبروں اور کتابوں سے یہ تلقین بھی کی جاتی ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے جب اقدار کی جنگ میں ان تمام اقدار اور عالی صفات کو فتح کر لیا جو انسان کے شایان شان و کرامت و شرفِ انسانی کیلئے مفید اور روحِ انسانی کے ساتھ سازگار ہیں تو ان اقدار کے مجموعے کا نام حسینیت پڑ گیا، ان کے مقابلے میں منفی اقدار اور صفات جن کو منکرات کہا جاتا ہے جو انسان کے شایانِ شان نہیں ان کو شکست دی تو ان کے مجموعہ کا نام یزیدیت پڑ گیا، یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یزیدیت کو شکست ہوئی اور حسینیت کو فتح ہوئی، ستم ناپذیری کا نام حسینیت ہے، ستم پذیری کا نام یزیدیت ہے۔

۳۔ ستم ناپذیری کربلا کا درس

ہم یہ نعرہ لگاتے ہیں ہے ہماری درسگاہ، کربلا کربلا، یہ بہت ہی اچھا نعرہ اور شعار ہے لیکن یہ نعرہ نعرے کی حد تک ہی رہتا ہے، صرف شعار ہی رہتا ہے، شعور میں تبدیل نہیں ہوتا، نعرے اور شعار کی اہمیت اس وقت ہوتی ہے جب وہ شعور میں بدل جائے یعنی کربلا واقعاً درسگاہ اور مدرسہ بن جائے واقعاً لوگ اس سے کچھ سیکھیں چونکہ کربلا عمل کا نام ہے، کربلا ایک عظیم درسگاہ ہے، حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحابِ باوفا، تمام شہداء اور تمام اسراء اس درسگاہ کے معلم ہیں۔ تمام حسینی مدرسہِ کربلا کے شاگرد اور طالب علم ہیں کربلا کے معلمین اقدار عاشورا کا درس دے رہے ہیں۔





ایک ایک منکر کی نشاندہی کر رہے ہیں امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

اُرید ان آمر بالمعروف وانھی عن المنکر ہم امر بالمعروف کرنے آئے ہیں معروف کو زندہ کرنے آئے ہیں اور منکرات کو مارنے کے لیے آئے ہیں اس عظیم درسگاہ سے ہمیں ایک یہ درس بھی ملتا ہے کہ ستم ناپذیری مثبت اقدار کا حصہ ہے جبکہ ستم پذیری کا شمار بری صفات میں ہوتا ہے۔

کربلا کے معلمین نے عملاً ثابت کر دیا کہ ستم پذیری ظلم سے بھی بدتر ہے بلکہ ظلم کے عوامل میں سے ہے، اگر مظلوم ستم قبول نہ کرے تو ظلم کا راستہ روکا جا سکتا ہے۔

۴۔ امام حسین علیہ السلام وارث انبیاء علیہم السلام

حضرت امام حسین علیہ السلام کیلئے زیارتِ وارثہ میں آیا ہے۔ السلام علیك یا وارث آدم صفوۃ اللّٰہ،

السلام عليك يا وارث ابراهيم خليل الله ، السلام عليك يا وارث نوح نبي الله ، السلام عليك يا وارث موسیٰ كليم الله ، السلام عليك يا وارث عيسیٰ روح الله (۱)

اے آدم علیہ السلام کے وارث، اے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے وارث، اے موسیٰ کلیم اللہ کے وارث، اے عیسیٰ روح اللہ کے وارث تم پر درود وسلام ہو۔

یہ کونسی وراثت ہے جو امام حسین علیہ السلام نے انبیاء علیہم السلام سے پائی حالانکہ انبیاء علیہم السلام کے پاس املاک، جائیداد، اموال، باغات اور محلات وغیرہ نہیں تھے، جسے امام حسین علیہ السلام کیلئے ارث میں چھوڑا ہو۔ انبیاء علیہم السلام نے امام حسین علیہ السلام کیلئے جو ارث چھوڑا، وہ وہی عالیشان اقدار ہیں جن کے احیاء کیلئے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے، انبیاء علیہم السلام نے ان عالی اقدار کو لوگوں کے درمیان متعارف کروایا، حق کے راستے میں طرح طرح کی مشکلات برداشت کیں۔

ان عالی اقدار کے مقابلے میں منکرات کے خلاف جہاد کیا انھیں ختم کر کے انسانی معاشرہ کو نجات دی امام حسین علیہ السلام نے انہی عالی اقدار کے احیاء اور منکرات کے خلاف جہاد، انبیاء علیہم السلام سے ارث میں پایا، اس لئے آپ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔

آپ نے ہر نبی سے ایک خاص چیز ارث میں پائی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک خاص صفت ارث میں پائی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک خاص صفت ارث میں پائی ہے، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک الگ خصلت ارث میں پائی ہے آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ستم

(۱)۔ مفاتیح الجنان، ص ۸۱۵۔

گری اور ستم پذیری کے ساتھ مقابلہ اور جہاد ارث میں پایا، جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نظام اقدار کی اصلاح ورثہ میں ملی۔

جب بنی اسرائیل فرعون کے ظلم وستم میں پس رہے تھے، تو خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فقط فرعون کے ساتھ مقابلے کیلئے نہیں بھیجا بلکہ بنی اسرائیل کی خصلتوں کے خلاف مقابلے کے لئے بھی بھیجا اس وقت دونوں طبقات موجود تھے ایک ستم گر، اور دوسرا ستم پذیر فرعون ستم گر تھا اور بنی اسرائیل ستم پذیر، ان دونوں کے اندر منکرات موجود تھے اِذْهَبْ اِلیٰ فرعون انه طغیٰ (۱) فرعون کی طرف جاؤ وہ طغیان کرنے لگا ہے، اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ صرف فرعون کے پاس جاؤ وہ ظلم کر رہا ہے بلکہ اے موسیٰ علیہ السلام! تم بنی اسرائیل کے پاس بھی جاؤ وہ بھی مجرم ہیں ان کا جرم یہ ہے کہ ستم سہہ رہے ہیں۔

اے موسیٰ علیہ السلام! فرعون کے خلاف جہاد کرو اور بنی اسرائیل کے منکرات کے خلاف بھی جہاد کرو، یعنی ظلم اور ظلم پذیری کا خاتمہ کردو، لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آکر ان اقدار کی جنگ لڑی، اقدار کے مجاہد نے فرعون کی ستم گری اور بنی اسرائیل کی ستم پذیری کو روکا، بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائی، پھر انھیں سکھایا کہ ستم پذیر نہ رہنا، اسی لیے تو فرعون تمہارے اوپر مسلط ہو چکا تھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت کم عرصہ میں بنی اسرائیل میں نظامِ اقدار بدل گیا، انھوں نے طیبات کو اپنے لئے حرام قرار دیا، اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام قراد دینے لگے، حتیٰ کہ بعض واجبات کو

---

(۱)۔ سورۃ طہٰ، آیت ۲۴

محرمات میں سے اور بعض محرمات کو واجبات میں سے شمار کرنے لگے۔ جب اقدار کا نظام تبدیل ہوجاتا ہے تو ایسا ہی ہوتا کہ معروف منکر اور منکر معروف بن جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا:...... كيف بكم اذا رأيتم المعروف منكرا و المنكر معروفا (۱)

اس وقت تم کیا کروگے جب معروف منکر اور منکر معروف بن جائے گا یہ عمل ہمیشہ تکرار ہوتا رہے گا لیکن جب بھی نظام اقدار بدلتا ہے تو اللہ تعالیٰ کسی انسان کو مبعوث کرتا ہے جو اقدار کی جنگ لڑتا ہے، منکرات کے نام پر پچھلی اقدار کو مٹادیتا ہے، اسی طرح جب بنی اسرائیل کے اندر اقدار کا نظام بگڑ گیا، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اصلاح نظام کیلیے اقدار کی جنگ لڑی، اس نظام کو دوبارہ راہِ راست پر لائے، قرآنِ کریم میں اس اصلاح نظام کا تذکرہ آیا ہے اَلْيَومَ اُحلّ لكم الطيبات ......(۲) فبظلم من الذين هادوا حرّمنا عليهم طيبات احلت لهم وبصدهم عن سبيل الله كثيرا، واخذهم الربوا وقد نهوا عنه واكلهم اموال الناس بالباطل وأعتدنا للكافرين منهم عذابا اليما(۳)

ترجمہ: پس ان یہودیوں کے ظلم کی بناء پر (ہم نے جن پاکیزہ چیزوں کو حلال کررکھا تھا ان پر حرام کردیا) اور ان کا بہت سے لوگوں کو راہِ خدا سے روکنے کی بناء پر اور سود لینے پر جس سے انھیں روکا گیا تھا اور ناجائز طریقہ سے لوگوں کا مال کھانے کی بناء پر جن پاکیزہ چیزوں کو ان کیلیے حلال کیا تھا ہم نے ان پر حرام کردیا اور ہم نے کافروں کیلیے بڑا دردناک عذاب مہیا کیا ہے۔

---

(۱)۔ وسائل الشیعہ ج ۱۶، ص ۱۲۲ حدیث ۱۲ باب ۱، از ابواب امر بالمعروف ونہی المنکر۔

(۲)۔ سورۃ المائدہ، آیت ۵۔

(۳)۔ سورۃ النساء، آیت ۱۶۰، ۱۶۱۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آکر دوبارہ ان کو حلال قرار دے دیا چونکہ جو واجبات کو ترک کر رہے تھے ان کو دوبارہ واجبات کا پابند بنا دیا۔ لہٰذا قرآنِ کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ترکہ اور سرمایہ، نظام اقدار کی اصلاح بیان کیا ہے۔ یہ جو ہم کہتے ہیں:

السلام علیك یاوارث عیسی روح اللّٰه ، السلام علیك یاوارث موسیٰ کلیم اللّٰه (۱)

اس کے معنی روشن ہو گئے کہ امام حسین علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرعونیت کے خلاف ٹکرانا اور بنی اسرائیل کو ستم ناپذیری سکھانا ارث میں پایا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بدلی ہوئی اقدار کو دوبارہ اصلاح کے ذریعے اپنے مقام پر لے آنا ارث میں پایا ہے بے شک آپ وارث انبیاء علیہم السلام ہیں۔

۵۔مسیحیت محرّفہ اور ستم پذیری

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نورانی تعلیمات کے باوجود مسیحیت تحریف کا شکار ہوئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی راہ سے لوگوں کو دور کر دیا گیا، مسیحیت کے اندر اقدار کا نظام پھر سے بگڑ گیا وہی طیبات جو بنی اسرائیل نے پہلے حرام قرار دی تھیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آکر ان کو طیب اور حلال قرار دیا تھا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد مسیحیت محرّفہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سرے سے مسخ کر دی گئیں۔

جسکا ایک نمونہ یہ ہے کہ مسیحیت نے یہ تعلیم دینا شروع کی کہ ستم پذیری اور ظلم سہنا بڑی اچھی

---

(۱)۔ مفاتیح الجنان، ص ۸۱۵۔

انسانی خصلت ہے، حضرت مسیح سے منسوب تعلیمات کے نام پر لوگوں کو سکھایا گیا کہ ستم پذیری عالی اقدار میں سے ہے، اسے معروف کے طور پر متعارف کروایا، ان کو بتایا گیا کہ جب کوئی تمہارے دائیں گال پر تھپڑ دے مارے تو تم بایاں گال بھی آگے کر دو تا کہ وہ اس پر بھی ایک تھپڑ رسید کر دے، اگر کوئی تمہیں گالی دے تو طمانچے کیلئے تیار رہو، اگر کوئی ستم کرے تو تم اگلے ستم سہنے کیلئے تیار رہو، لیکن یہ مسیحیت محرّفہ ہے۔

قرآنِ کریم نے ان کی اس خصلت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ لوگ ہر چیز میں تحریف کر دیتے ہیں......وَیُحَرِّفُونَ الکَلِمَ عَن مواضِعه ......(۱) اپنے مواضع سے تعلیمات الٰہی اور آیات الٰہی کو ہٹا دیتے ہیں۔

۶۔انبیاء علیہم السلام کا مصدق و مبشر ہونا

قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کیلئے ایک ضابطہ، قانون اور اصل ذکر کی ہے کہ جو نبی بھی آئے گا وہ دو کام کرے گا، ایک یہ کہ آنے والے نبی کی بشارت دے گا اور دوسرا گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کریگا لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی یہی ہے۔ وَاذقَال عیسیٰ ابنُ مَریم علیہما السلام، یٰبنی اِسرائیل اِنّی رسولُ اللهِ اِلیکم ، مُصدِّقا لِما بین یدیّ مِن التّورٰۃ ، ومُبشّراً برسولٍ یأتی مِنْ بعدِی اسمُهُ احمد......(۲) جب عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں اللہ کی طرف سے رسول

(۱)۔ سورۃ النساء، آیت ۴۶۔

(۲)۔ سورۃ الصف، آیت ۶۔

بن کرتمہارے پاس آیا ہوں،توراۃ کی تصدیق کرتا ہوں، میرے بعد ایک نبی آنے والا ہے جس کا نام احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے میں اس کے آنے کی بشارت دیتا ہوں...

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی آنے والے کی بشارت دی اور گزرے ہوئے نبی کی تصدیق کردی جب آنے والے نبی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کی تعلیمات کی بھی بشارت دی جاتی ہے اسی طرح گذشتہ نبی کی تصدیق سے اس کے سارے اعمال اور تعلیمات کی تصدیق ہوجاتی ہے لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام نے تمام قرآنی تعلیمات کی بشارت دی ہے، اگر کسی نے مسیحیت کو سمجھنا ہے تو مسیحیوں سے نہیں پوچھنا چاہیے کہ مسیحیت کیا ہے، اس لیے کہ وہ روح مسیحیت سے آشنا نہیں، بلکہ قرآن کریم سے پوچھنا چاہئے۔ حضرت مسیح کے اندر دو صفات تھیں، ایک یہ کہ مبشرِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، دوسری یہ کہ مصدقِ موسیٰ علیہ السلام تھے، تو اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور تعلیمات کو دیکھیں تو مبشر اور مصدق کی تعلیمات خود بخود معلوم ہوجائیں گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے ٹکرا گئے، تو مصدقِ موسیٰ علیہ السلام بھی فرعونیت کے خلاف ہوگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ستم پذیری کے خلاف جہاد کیا، تو مصدق موسیٰ علیہ السلام یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ستم پذیری کے خلاف جہاد کرنے والوں میں ہوں گے۔

اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوجہل، ابوسفیان وغیرہ سے ٹکرا گئے تو مبشرِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ابوجہل جیسوں سے ٹکراجائے گا یہ تو نہیں ہوسکتا ہے کہ بشارت تو دے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے اور تعلیمات سے انکار کرے، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کردے لیکن انکی تعلیمات کے خلاف ہو، یہ تہمت ہے، یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر افتراء ہوگی، معاذ اللہ کبھی بھی حضرت

عیسیٰ علیہ السلام نے ستم پذیری کی دعوت نہیں دی۔

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبشر اور مصدق نبی ہیں، پہلے اور بعد میں آنے والے نبی نے ستم گری اور ستم پذیری دونوں کے خلاف جہاد کیا ہے تو مصدق اور مبشر بھی اسی طرح کا مجاہد ہوگا۔ ستم پذیری روحِ مسیحیت کے خلاف ہے اس لئے کہ روحِ قرآن کے خلاف ہے، جو قرآنی تعلیمات سے آشنا ہو جائے تو وہ تورات وانجیل کی تعلیمات سے بھی آشنا ہوگا۔

۷۔ مسیحیت محرّفہ کی تعلیمات کا مسلمانوں پر اثر

مسیحیت محرفہ نے انکساری، فروتنی اور تواضع کے نام پر لوگوں کو ستم سہنے کی تعلیم دی ہے، ان کے پادریوں اور ارباب کلیسا نے ان کو تعلیم دی ہے کہ اگر کوئی ایک تھپڑ تمہارے گال پر لگا دے تو دوسرا گال آگے کر دو۔ مسیحیت کی اس تعلیم کا سب سے زیادہ اثر مسلمانوں پر ہوا، وہ انکساری اور تواضع جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائی تھی اس کو لوگ بھول گئے، جبکہ مسیحیت کی بتائی ہوئی انکساری اور تواضع کو اپنانے لگے حالانکہ خود مسیح کے پیروکاروں نے عملاً اس تعلیم (ستم پذیری) کو قبول نہیں کیا۔

اگر کوئی مسیحیت کے ایک گال پر تھپڑ مار دے تو کیا دوسرا گال پیش کرتی ہے؟ یا سو دو سو سال تک اس تھپڑ کا انتقام لیتی رہتی ہے۔

اس کا ایک نمونہ گیارہ ستمبر کا حادثہ ہے، جب گیارہ ستمبر کا حادثہ پیش آیا تو امریکی صدر نے فوراً کہا کہ اب ہم پھر سے صلیبی جنگیں شروع کریں گے، مسلمانوں سے اس کا انتقام لیں گے، انھوں نے ایسا ہی کیا، چند کھڑکیوں کے شیشے توڑنے پر افغانستان اور عراق کے مسلمانوں کا بے دردی سے

خون بہایا، خدا جانتا ہے ان دو جنگوں میں کتنے بے گناہ مسلمان مارے گئے، حالانکہ دہشت گردی تو ہر جگہ پر ہوتی رہی ہے پاکستان میں دہشت گردی عروج پر ہے، تو امریکا نے ان دہشت گردوں کا راستہ روکنے کے بجائے ہمیشہ ان کی حمایت کی، افغانستان اور عراق میں خود دہشت گردوں کی تربیت کی، پھر ان کے بہانہ سے بے گناہ مسلمانوں کا خون بہا کر دو بڑی اسلامی مملکتوں پر قبضہ کرلیا۔

آج کی مسیحیت ایک تھپڑ کا انتقام سالوں تک لیتی رہتی ہے لیکن آج مسلمانوں کو دیکھو کتنے تھپڑ ان کے ہاتھوں کھا چکے ہیں لیکن ہر تھپڑ کے بعد اپنا گال پھر آگے کر دیتے ہیں۔ اگر مسلمان ستم پذیری نہ اپناتے، تو آج قدس پر اسرائیل قابض نہ ہوتا، آج کشمیر میں مسلمانوں کا خون نہ بہایا جاتا، آج کشمیر میں مسلمان عورتوں کی بے حرمتی نہ ہوتی یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ مسلمانوں نے ستم پذیری جیسی بری صفت اپنائی ہے۔

حالانکہ مسیحیت اور یہودیت نے ستم پذیری کو مسترد کر دیا ہے، آج تک کسی نے سنا ہے کہ جب حزب اللہ نے اسرائیل کو ایک تھپڑ مارا تو اسرائیل نے دوسرا گال بھی آگے کر دیا ہو مسیحیت کی دنیا نے ہمیں تواضع سکھاتے ہوئے ستم پذیری کی تلقین کی ہے کہ اگر حقوق بشر کا خیال رکھنا ہے اگر مہذب قوم بننا ہے اگر دور اندیش رہنا ہے تو ستم سہنا سیکھو یہ ان کی تعلیمات ہیں لیکن قرآن کی تعلیمات میں ستم پذیری بہت بڑا جرم ہے۔

۸۔ستم پذیری گناہ کبیرہ

ظلم کرنا گناہ کبیرہ ہے تو ظلم سہنا بھی گناہ کبیرہ ہے، انبیاء علیہم السلام نے جس طرح سے ظلم کے خلاف جہاد کیا اسی طرح ستم پذیری کے خلاف بھی جہاد کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آ کر فرعون سے کہا تم ستم گری چھوڑ دو، تو بنی اسرائیل سے بھی کہا تم ستم پذیری چھوڑ دو۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مشرکین مکہ، ابولہب، ابوجہل اور ابوسفیان سے یہی کہا کہ تم ستم گری نہ کرو، مظلوموں سے کہا تم ان کے مظالم سہنا چھوڑ دو، اس لئے کہ یہ دونوں گناہِ کبیرہ ہیں، ستم سہنا، ظلم کرنے کے برابر ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں ستم ناپذیری کا درس دیا اور امت کو ستم پذیری سے نجات دلائی۔

امام حسین علیہ السلام کو علم تھا کہ میں کربلا جا کر شہید ہو جاؤں گا، اس کے باوجود امام حسین علیہ السلام نے اقدار کی جنگ کا آغاز کیا، امت کی اصلاح کی خاطر اپنی جان، اپنے اصحاب اور اپنی اولاد کی قربانی پیش کی...... وانما خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدی ......(۱) اُمت کی اصلاح کی ضرورت تھی اس لئے کہ ایک فساد امت کو بھی لاحق ہو گیا تھا، جب حکمران فاسد اور ستم گر تھے تو امت بھی ستم پذیر بنی ہوئی تھی، امام حسین علیہ السلام نے ان دونوں کے خاتمہ کیلئے فرمایا:

لا واللّٰہ لَا اعطیکم بِیَدی اعطاءُ الذلیل ولَا اقِرُّ فرار العبیدِ (۲) ہرگز نہیں، خدا کی قسم میں ذلیلوں کی طرح اپنے ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہیں دوں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح تم سے فرار اختیار کروں گا۔

---

(۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۲۹۱۔

(۲)۔ مناقب آل ابی طالب علیہ السلام ج ۲، ص ۲۲۴۔

لہٰذا ستم پذیری، ستم گری سے بھی بڑا جرم ہے امام حسین علیہ السلام نے سکھا دیا کہ تم ستم گر بھی نہ بنو اور ستم پذیر بھی نہ بنو اس لیے کہ ستم پذیری، ستم گری کا باعث ہے، جو ستم قبول کرتا ہے وہ حقیقت میں ستم گر کو ظلم کی دعوت دیتا ہے اور اس کے اس جرم میں برابر کا شریک ہے۔ اگر یہ ستم پذیر ظلم نہ سہتا تو وہ ظلم کرنے کی جرات نہ کرسکتا۔

۹۔ظلم کے عوامل

ہر واقعہ کے پیچھے بیرونی اور اندرونی عوامل کارفرما ہوتے ہیں، ذیل میں ہم چند جنایتکاروں کی جنایتوں کا تذکرہ کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے جن کی جنایتوں کے پیچھے اندرونی عوامل کی نشاندہی کی ہے، ان اندرونی عوامل میں سے ایک عامل ستم پذیری اور ظلم پر خاموش رہنا ہے۔

ظلم کے عوامل

الف۔ انبار پر حملہ

جنگ صفین کے بعد امیر شام کے کارندوں نے امیر المومنین علیہ السلام کے زیر حکومت شہروں میں دہشت گردی کا سلسلہ جاری رکھا، بسر ابن ابی ارطاۃ اور سفیان ابن عوف غامدی جیسے درندہ صفت سالاروں نے مختلف شہروں پر حملے کیے، بے گناہ اور بے دفاع شہریوں کو ڈرایا دھمکایا، ان کے گھروں میں گھس کر لوٹ مار، قتل و غارت کا بازار گرم رکھا انبار، ہیت (۱) اور مدائن پر حملہ کرنے کیلئے امیر شام نے سفیان ابن عوف غامدی کو چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا، وہ پہلے تو ہیت پہنچا مگر اسے خالی پا کر انبار کی طرف بڑھ نکلا، یہاں پر امیر المومنین علیہ السلام کی طرف سے پانچ سو سپاہیوں کا ایک دستہ

---

(۱)۔ ایک شہر کا نام ہے۔

حفاظت کیلئے مقرر تھا مگر وہ معاویہ کے اس جرار لشکر کو دیکھ کر جم نہ سکا، صرف سو آدمی اپنے مقام پر جمے رہے اور انھوں نے جہاں تک ممکن تھا ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر دشمن کی فوج نے مل کر ایسا سخت حملہ کیا کہ ان کے بھی قدم اکھڑ گئے اور رئیس لشکر حسان ابن حسان بکری تیس آدمیوں کے ساتھ شہید کردیئے گئے جب میدان خالی ہوگیا تو دشمنوں نے پوری آزادی کے ساتھ انبار کو لوٹا اور شہر کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔(۱)

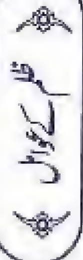
امیرالمومنین علیہ السلام کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا جو خطبۂ جہاد کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے فرمایا:

......ألا وانّي قَدْ دَعوتُكم اِلىٰ قِتالِ هؤلآء القوم ليلاً و نهاراً ، و سِرّاً و اِعلَاناً ، وقُلتُ لكُمْ، اُغزوهُمْ قَبل ان يغزوكُمْ ، فواللهِ ماغُزِيَ قوم و قطّ فی عُقرِ دارِهِم الّا ذَلُّوا فتَوَاكَلتُم وتَخاذَلتُم حَتّى شُنَّت عليكم الغاراتُ ومُلِكَتْ عَليكم الْاَوطانُ وهٰذا اخوغامدٍ وَقد وَرَدتْ خَيلُهُ الانبار وقد قَتَلَ حسان بن حسان البَكرىّ ، وأزَالَ خَيلَكم عن مَسالِحِها ، ولقَدْ بلغني انّ الرّجل مِنهم كَانَ يدخُلُ على المَراَةِ المُسلِمة ، والاُخرىٰ المُعاهدةِ فينتزع حِجْلَها و قُلبها و قَلائدها و رعائها ماتمتنع منه الّا بالاسترجاع والاسْتِرحام ثمّ انْصرَفُوا وافِرِيْن مانال رجلاً مِنهم كَلمٌ، ولَا اُرِيقَ لَهم دَمٌ ، فلوانّ امرأً مسلماً مات مِنْ بعد هذا أسفاً ماكان به مَلوماً، بل كان به عندی جديراً......(۲)

---

(۱)۔ ترجمہ و شرح نہج البلاغہ ص ۱۶۲ خطبہ جہاد ۲۷ کے ذیل میں شرح ملاحظہ فرمائیں۔
(۲)۔ نہج البلاغہ خطبہ ۲۷، ص ۱۶۶۔

''میں نے اس قوم سے لڑنے کیلئے رات بھی اور دن بھی، علانیہ بھی اور پوشیدہ بھی، تمہیں پکارا اور للکارا اور تم سے کہا کہ قبل اس کے کہ وہ جنگ کیلئے بڑھیں، تم ان پر دھاوا بول دو، خدا کی قسم! جن افراد پر ان کے گھروں کے حدود کے اندر ہی حملہ ہو جاتا ہے وہ ذلیل و خوار ہو جاتے ہیں لیکن تم نے جہاد کو دوسروں پر ٹال دیا اور ایک دوسرے کی مدد سے پہلو بچانے لگے، یہاں تک کہ تم پر غارت گریاں ہوئیں اور تمہارے شہروں پر زبردستی قبضہ کر لیا گیا۔ اسی بنی غامد (سفیان بن عوف) کے آدمی کو ہی دیکھ لو کہ اس کی فوج کے سوار (شہر) انبار کے اندر پہنچ گئے اور حسان ابن حسان بکری کو قتل کر دیا اور تمہارے محافظ سواروں کو سرحدوں سے ہٹا دیا اور مجھے تو یہ اطلاعات بھی ملی ہیں کہ اس جماعت کا ایک آدمی مسلمان اور ذمی (۱) عورتوں کے گھروں میں گھس جاتا تھا اور ان کے پیروں سے کڑے، ہاتھوں سے کنگن اور گلوبند اور گوشوارے اتار لیتا تھا اور ان کے پاس اس سے حفاظت کا کوئی ذریعہ نظر نہ آتا تھا سوائے اس کے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہوئے صبر سے کام لیں، یا خوشامد کر کے اس سے رحم کی التجا کریں، وہ لدے پھندے ہوئے پلٹ گئے، نہ کسی کے زخم آیا نہ کسی کا خون بہا، اب اگر کوئی مسلمان ان سانحات کے رنج و ملال سے مر جائے تو اسے ملامت نہیں کی جا سکتی بلکہ میرے نزدیک ایسا ہی ہونا چاہیے۔''



دہشت گرد ایک یہودی عورت کے پاؤں سے پازیب نکال کے لے گیا، وہ مسلمان نہیں تھی، بلکہ علی علیہ السلام کی عادلانہ حکومت میں رہتی تھی، تو علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان یہ خبر سن کر مر جائے تو اسے ملامت نہیں کی جا سکتی۔

(۱)۔ ذمی وہ غیر مسلم طبقہ ہے جو اسلامی حکومت میں جزیہ دے کر رہ رہا ہو۔

آیا علی علیہ السلام کے پیروکاروں کے دور میں یہودن تو کیا، مسلمان عورتوں کی عزتیں محفوظ ہیں؟ آیا شیعوں کی عزتیں محفوظ ہیں؟ حضرت علی علیہ السلام نے ان سارے سانحات کے عوامل کی طرف اشارہ کیا:

"فیا عجبا" واللّٰہ یمیت القلب ویجلبُ الھَمّ من اجتماع ھؤلآء القوم علی باطلھم، وتفرقکم عن حقکم فقُبحاً لکم و تَرَحاً حین صِرتم غرضاً یُرمیٰ یُغار علیکم ولا تغیرون وتُغزون ولا تَغزون ویعصی اللّٰہ وترضون فاذا امرتکم بالسّیر الیھم فی ایام الصیف قلتم ھذہٖ حمارّة القیظ أمْھِلنا یُسبّخ عنا الحَر، واذا امرتکم بالسّیر الیھم فی الشتاء قلتم ھذہٖ صبارّة القُرّ، امھلنا یَنْسلِخُ عَنّا البردُ کل ھذا فرار من الحرّ والقرّ فانتم واللّٰہ من السیف افر یاأشباہ الرجال ولا رجال حلومُ الاطفال عقول ربّاتِ الحجال لودِدتُ انّی لم ارکم ولَم اعرفکم معرفة واللّٰہ جرت ندما واعقبت سدما قاتلکم اللّٰہ لقد ملاتم قلبی قیحاًوشحنتم صدری غیظاً وجرعتمونی نغب التّھمام انفاسا وافسدتم علیّ رأیی بالعصیان والخذ لان حتیٰ قالت قریش ان ابن ابی طالب رجلٌ شجاعٌ ولکن لا علم له بالحرب ـ للّٰہ ابو ھم وھل احد منھم اشد لھا مراسا واقدم فیھا مقاما منّی لقد نھضت فیھا وما بلغت العشرین وھا انا ذا قد ذرّفت علی السّتّین ولکن لارأي لمن لا یطاع۔(۱)

العجب ثم العجب، خدا کی قسم ان لوگوں کا باطل پر ایکا کر لینا اور تمہاری جمعیت کا حق سے منتشر

---

(۱)۔ نہج البلاغہ خطبہ ۲۷، ص ۱۶۷۔

ہو جانا، دل کو مردہ کر دیتا ہے، اور رنج واندوہ کو بڑھا دیتا ہے۔ تمہارا برا ہو، تم غم وحزن میں مبتلا رہو، تم تو تیروں کا از خود نشانہ بنے ہوئے ہو، تمہیں ہلاک وتاراج کیا جا رہا ہے مگر تمہارے قدم حملے کے لئے نہیں اٹھتے، وہ تم سے لڑ بھڑ رہے ہیں اور تم جنگ سے جی چراتے ہو، اللہ کی نافرمانیاں ہو رہی ہیں اور تم راضی ہو رہے ہو۔ اگر گرمیوں میں تمہیں ان کی طرف بڑھنے کا کہتا ہوں تو تم یہ کہتے ہو کہ یہ انتہائی شدت کی گرمی کا زمانہ ہے، اتنی مہلت دیجئے کہ گرمی کا زور ٹوٹ جائے اور اگر سردیوں میں چلنے کا کہتا ہوں، تو تم یہ کہتے ہو کہ کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا ہے، اتنا ٹھہر جائیے کہ سردی کا موسم گزر جائے یہ سب سردی اور گرمی سے بچنے کیلئے باتیں ہیں جب تم سردی اور گرمی سے اس طرح بھاگتے ہو تو پھر خدا کی قسم! تم تلواروں کو دیکھ کر اس سے کہیں زیادہ بھاگو گے، اے مردوں کی شکل وصورت والے نامردو! تمہاری عقلیں بچوں کی سی اور تمہاری سمجھ حجلہ نشین عورتوں کی مانند ہے، میں تو یہی چاہتا تھا کہ تم کو نہ دیکھتا، نہ تم سے جان پہچان ہوتی، ایسی شناسائی جو ندامت کا سبب اور رنج واندوہ کا باعث بنے، اللہ تمہیں مارے، تم نے میرے دل کو پیپ سے بھر دیا ہے اور میرے سینے کو غیظ وغضب سے چھلکا دیا ہے، تم نے مجھے غم وحزن کے جرعے پے در پے پلائے، نافرمانی کر کے میری تدبیر ورائے کو تباہ کر دیا، یہاں تک کہ قریش کہنے لگے کہ علی علیہ السلام ہے تو مرد شجاع لیکن جنگ کے طور طریقوں سے واقف نہیں، اللہ ان کا بھلا کرے کیا ان میں سے کوئی ہے جو مجھ سے زیادہ جنگ کی مہارت رکھنے والا ہو اور میدانِ کارزار میں میرے پہلے جیسے کارنمایاں کیے ہوئے ہو، میں تو ابھی بیس برس کا بھی نہ تھا کہ حرب وضرب کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اب تو ساٹھ سال سے اوپر ہو گیا ہوں، لیکن اس کی رائے ہی کیا جس کی بات نہ مانی جائے۔



مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ اس خطبہ کے ذیل میں فرماتے ہیں امیر المومنین علیہ السلام کو جب اس حملے کی اطلاع ملی تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو دشمن کی سرکوبی کیلئے ابھارا اور جہاد کی طرف دعوت دی، مگر کسی طرف سے صدائے لبیک بلند نہ ہوئی، تو آپ پیچ وتاب کھاتے ہوئے منبر سے نیچے اتر آئے اور اس عالم میں پیادہ پا دشمن کی طرف چل کھڑے ہوئے، جب لوگوں نے یہ دیکھا تو ان کی غیرت وحمیت بھی جوش میں آئی اور وہ بھی پیچھے پیچھے ہو لئے، جب وادی نخیلہ میں پہنچ کر حضرت نے منزل کی، تو ان لوگوں نے آپ کے گرد گھیرا ڈال دیا، اور باصرار کہنے لگے کہ امیر المومنین علیہ السلام آپ پلٹ جائیں، ہم دشمن کی فوج سے نمٹنے کیلئے کافی ہیں، جب ان لوگوں کا اصرار حد سے بڑھا تو آپ پلٹنے کیلئے آمادہ ہو گئے اور سعید بن قیس آٹھ ہزار لشکر لیکر ادھر روانہ ہوئے، مگر سفیان بن عوف کا لشکر جا چکا تھا اور سعید بن قیس بغیر لڑے واپس ہوئے، جب سعید کوفہ پہنچے تو ابن ابی الحدید کی روایت کی بناء پر حضرت رنج واندوہ کے عالم میں باب السدہ پر آ کر بیٹھ گئے اور ناسازی طبیعت کی وجہ سے یہ خطبہ لکھ کر اپنے غلام سعد کو دیا کہ وہ پڑھ کر سنا دے، مگر مُبرّد نے ابن عائشہ سے روایت کی ہے کہ حضرت نے یہ خطبہ مقام نخیلہ میں ایک بلندی پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا اور ابن میثم نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔(۱)

آپ نے اصحاب کو جنگ کی ترغیب دلاتے ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے حالات کا تذکرہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب، مہاجرین اور انصار کی قربانیوں کو یاد دلایا، وہ

---

(۱)۔ نہج البلاغہ خطبہ ۲۷، ص ۱۶۹ و شرح ابن ابی الحدید ج ۲، ص ۸۵۔۹۰۔

نبی اکرم ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے، جو بہت کم تھے اور اہل عراق تم تو آج بہت زیادہ بھی ہو، تم میں سستی اور ضعف ہے...... تو ایک لمبے قد والا آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا، یا امیر المومنین علیہ السلام تم تو محمد ﷺ نہیں ہو اور نہ ہم وہ انصار ہیں، آپ نے فرمایا: اچھی طرح سن لیا کرو اور تمہاری مائیں تم پر روئیں، تم میرے غم و حزن میں اضافہ کرتے ہو، کب میں نے کہا کہ میں محمد ﷺ ہوں اور تم انصار ہو، میں نے تو ایک مثال دی ہے، وہ تمہارے لیے اسوہ تھے۔

ان مظالم کے پیچھے سب سے بڑا عامل جو کار فرما تھا وہ ستم پذیری تھا، خود کو دوسروں کے تیروں کا نشانہ بنانا، سستی اور کمزوری دکھا کر ظالموں کے تعاقب میں نہ نکلنا، ان جیسی باتوں سے ظالموں کو ظلم کرنے کی جرأت ملتی ہے، اگر کوئی قوم ستم پذیری کو قبول نہ کرے، خود کو دوسروں کے تیروں کا نشانہ نہ بننے دے تو کسی دہشت گرد کی جرأت نہیں ہوتی کہ وہ آ کر ظلم و بربریت کا بازار گرم کرے۔



ب۔ یمن پر حملہ

بسر بن ارطاۃ نے یمن پر حملہ کیا، مدینہ پر بھی دھاوا بولا، منبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر اصحابِ رسول ﷺ کو گالیاں دیں، گھروں کو جلایا، پھر وہاں سے نکل کر مکہ پر حملہ کیا، اسی طرح کرتا ہوا یمن تک جا پہنچا، اس وقت یمن میں عبیداللہ بن عباس حضرت علی ﷺ کی طرف سے عامل تھے، بُسر نے یمن میں ظلم و بربریت کو انتہا تک پہنچایا، یہاں تک کہ عبیداللہ بن عباس کے دو کمسن بچوں کو ان کی ماں کے سامنے ذبح کر دیا۔ عبیداللہ بن عباس اپنے بیٹوں کے ذبح ہونے کی خبر لے کر کوفہ آ گئے، تا کہ حضرت علی علیہ السلام کو بسر کی جنایتوں کی خبر دیں، ان جنایتوں کا ایک نمونہ اس کے دو بیٹوں کی موت ہے یعنی ان کا وہ بہیمانہ قتل تھا، عبیداللہ کو یہ توقع تھی کہ علی علیہ السلام مجھے بٹھائیں گے، میرے بیٹوں کیلیے

فاتحہ پڑھیں گے۔

حالانکہ امیر المومنین علیہ السلام نے یہ خبر ملتے ہی کوفہ کی مسجد میں لوگوں کو جمع کیا اور خطبہ ارشاد فرمایا:

وقد تواترت عليه الاخبار بأستيلاء اصحاب معاوية على البلاد وقدم عليه عاملاه على اليمن وهما عبيدالله ابن العباس وسعيد ابن نَمران لمّا غلب عليهما بسرابن ابي ارطاة فقام علیہ السلام الى المنبر ضجراً بتاقل اصحابه عن الجهاد ومخالفتهم له في الرأي فقال: ماهي الا الكوفة اقبضها وابسطها اِن لم تكوني الا انت تهبُ أعاصيرك فقبّحك الله (وتمثّل بقول شاعر):

لعمر ابيك الخير يا عمروانّني　　　　على وضرٍ من ذا الاناء قليل

(ثم قال علیہ السلام) انبئت بسراً قد اطّلع اليمن وانّي والله لا ظُنّ انّ هؤلاء القوم سيدالون منكم با جتماعهم على باطلهم وتفرّقكم عن حقّكم وبمعصيتكم امامكم في الحقّ وطاعتهم امامهم في الباطل وبادآئهم الامانة الى صاحبهم وخيانتكم وبصلا حهم في بلادهم و فَسادِكُم فلوا ئتَمنتُ اَحَدَكُم على قعبٍ لخشيت ان يذهب بعلاقته......(۱)

جب امیر المومنین علیہ السلام کو پے در پے یہ اطلاعات ملیں کہ معاویہ کے اصحاب (آپ کے زیرِحکومت) شہروں پر تسلط جمارہے ہیں اور یمن کے عامل عبیداللہ بن عباس اور سپہ سالارِ لشکر سعید ابن نمران، بسرابن ابی ارطاۃ سے مغلوب ہوکر حضرت کے پاس پلٹ آئے تو اپنے اصحاب کی جہاد میں سستی اور رائے کی خلاف ورزی سے بددل ہوکر منبر کی طرف بڑھے اور فرمایا: کوفہ کا یہ عالم ہے، جس کا انتظام میرے ہاتھ میں ہے (اے شہرِ کوفہ) اگر تیرا یہی عالم رہا کہ تجھ میں آندھیاں چلتی

(۱)۔ نہج البلاغہ خطبہ ۲۵، ص ۱۶۲۔

رہیں تو خدا تجھے غارت کرے، پھر آپ نے شاعر کا شعر بطور تمثیل پڑھا اے عمرو! تیرے اچھے باپ کی قسم، مجھے تو اس برتن سے تھوڑی سی چکناہٹ ملی ہے (جو برتن کے خالی ہونے کے بعد اس میں لگی رہ جاتی ہے)، پھر آپ نے فرمایا: مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ بسر یمن پر چھا گیا ہے، بخدا میں تو اب ان لوگوں کے متعلق یہ خیال کرنے لگا ہوں کہ وہ عنقریب سلطنت و دولت (حکومت) کو تم سے ہتھیا لیں گے، اس لئے کہ وہ باطل پر متحد و یکجا ہیں اور تم حق سے پراگندہ اور منتشر ہو، تم امر حق میں اپنے امام کے نافرمان ہو، وہ باطل میں بھی اپنے امام کے مطیع ہیں، وہ اپنے ساتھی (معاویہ) کے ساتھ امانت داری کے فرض کو پورا کرتے ہیں اور تم خیانت کرتے ہو، وہ اپنے شہروں میں امن بحال رکھتے ہیں اور تم شورشیں برپا کرتے ہو، اگر میں تم میں سے کسی کو لکڑی کے ایک پیالے کا بھی امین بناؤں تو یہ ڈر رہتا ہے کہ وہ اس کے کنڈے کو توڑ کے لے جائے گا۔(۱)



حضرت علی علیہ السلام نے اس جنایتکار (بسر ابن ابی ارطاۃ) کو مخاطب قرار نہیں دیا کہ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے بلکہ اپنے اصحاب کو مخاطب قرار دیا کہ تمہاری وجہ سے اس جنایتکار کو جرأت ملی ہے کہ وہ شام سے چلا، تمہاری بستیوں سے گزر کر یمن تک جا پہنچا، عبید اللہ ابن عباس اور سعید ابن نمران کو جو کہ یمن کا سپہ سالار تھا ان کو بھی بہت ڈانٹا، تمہارے پاس بھی تو لشکر تھا، تم نے کیسے

---

(۱)۔ نہج البلاغہ خطبہ ۲۵، ص ۱۶۲، ۱۶۳ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ اس خطبے کے ذیل میں فرماتے ہیں جب تحکیم کے بعد معاویہ کے قدم مضبوطی سے جم گئے تو اس نے اپنا دائرہ سلطنت وسیع کرنے کے لئے امیر المومنین علیہ السلام کے مقبوضہ شہروں پر قبضہ جمانے کی تدبیریں شروع کر دیں اور مختلف علاقوں میں اپنی فوجیں بھیج دیں تا کہ وہ جبر و تشدد سے امیر شام کیلئے بیعت حاصل کریں، چنانچہ اس سلسلہ میں بسر ابن ابی ارطاۃ کو حجاز روانہ کیا، جس نے حجاز سے لے کر یمن تک ہزاروں بے گناہوں کا خون بہایا، قبیلوں کے قبیلے زندہ جلا دیئے اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو قتل کیا، یہاں تک کہ عبید اللہ بن عباس والی یمن کے دو کمسن بچوں قثم اور عبد الرحمٰن کو ان کی......

اپنے بیٹوں کا ذبح ہونا قبول کیا، تم نے بسر کا مقابلہ کیوں نہیں کیا، آپ نے فرمایا: خدا کی قسم مجھے تو یقین ہو گیا ہے کہ اب یہ جنایتکار عنقریب تم سے حکومت چھین لیں گے، اگر تم اسی طرح سستی اور نااہلی دکھاتے رہے وہ ظلم کرنے سے کبھی باز نہیں آئیں گے۔

وہ کیوں تم پر ظلم کر رہے ہیں اس کے چار عوامل ہیں:

۱۔تم میں تفرقہ ہے۔
۲۔تم امام حق کی اطاعت نہیں کرتے اور معصیت کار ہو۔
۳۔تم خیانت کرتے ہو۔
۴۔تم اپنے ملکوں کو آباد نہیں کرتے ہو۔

ظلم کے عوامل

ان جنایتکاروں میں بھی چار صفات پائی جاتی ہیں جو تمہاری صفات کے بالکل برعکس ہیں۔

۱۔وہ اپنے باطل پر متحد ہیں۔
۲۔وہ خیانت نہیں کرتے ہیں۔
۳۔وہ اپنے امام باطل کے مطیع ہیں۔
۴۔اپنے ملکوں کو آباد کرتے ہیں۔

......ماں حوریہ بنت خالد کے سامنے ذبح کر دیا۔ امیر المومنین علیہ السلام کو جب ان سفاکیوں اور خونریزیوں کا علم ہوا تو آپ نے اس کی سرکوبی کیلئے لشکر روانہ کرنا چاہا مگر پیہم جنگ آزمائیوں کی وجہ سے لوگ جنگ سے جی چھوڑے بیٹھے تھے اور سرگرمی کے بجائے بددلی ان میں پیدا ہو چکی تھی حضرتؑ نے جب ان کو جنگ سے پہلو بچاتے ہوئے دیکھا تو یہ خطبہ ارشاد فرمایا: جس میں انھیں حمیت وغیرت دلائی ہے اور دشمن کی باطل نوازیوں اور ان کے مقابلے میں ان کی کوتاہیوں کا تذکرہ کر کے انھیں جہاد پر ابھارا ہے آخر جاریہ ابن قدامہ نے آپ کی آواز پر لبیک کہی اور دو ہزار کے لشکر کے ساتھ اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور اس کا پیچھا کر کے اسے امیر المومنین علیہ السلام کے مقبوضہ علاقوں سے نکال باہر کیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس واقعہ کے اندرونی اسباب کی نشاندہی فرمائی حالانکہ بیرونی اسباب کا بھی حوالہ دیا جا سکتا تھا لیکن آپ نے فرمایا: جنایتکاروں کا کام ہی جنایت کرنا ہے، اس سے بڑا گناہ تم کر رہے ہو کہ تم نے جنایتکاروں کو جنایت کا موقع دیا۔ تم نے ان کو ظلم کرنے کی دعوت دی چونکہ تمہارا آپس میں تفرقہ اور اختلاف، ظالموں کو دعوت دینے کے مترادف ہے، جب تم اپنے فرائض میں امانتداری نہیں کرو گے تو یوں سمجھو کہ ظلم کرنے والوں کو جنایت کی دعوت دے رہے ہو، جب تم اپنے مراکز کو آباد نہیں کرو گے، اپنی مسجدوں اور امام بارگاہوں کو آباد نہیں کرو گے جب تک یہ ویران رہیں گے یہ ویرانیاں جنایتکاروں کیلئے دعوت نامہ بنی رہیں گی۔

لہٰذا آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یمن میں جو کچھ ہوا وہ ستم گروں کی ستم گری کا نتیجہ تھا بلکہ فرمایا یہ سب کچھ تمہاری ستم پذیری، تمہارے اختلافات اور تمہاری خیانتوں کا نتیجہ تھا۔

۱۰۔ ظلم کے اندرونی اور بیرونی اسباب

ہر حادثے کے پیچھے دو قسم کے عوامل ہوتے ہیں، کچھ داخلی اور اندرونی جبکہ بعض خارجی اور بیرونی، انہی عوامل کی وجہ سے وہ حادثہ وجود میں آتا ہے مثلاً کربلا کا حادثہ پیش آیا تو اس کے کچھ اندرونی عوامل تھے اور کچھ بیرونی عوامل تھے۔ ہمارے ملک میں اس وقت یہ دہشت گردی اور قتل و غارت، جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس کے کچھ اندرونی عوامل ہیں، کچھ بیرونی عوامل ہیں، بیرونی عوامل سب کو نظر آجاتے ہیں، ہندوستان اور پاکستان میں جب کوئی حادثہ پیش آتا ہے، اگر خرابی اندرونی ہو تو پھر بھی بعض اوقات اس کو چھپا کر، اس حادثہ کو باہر کے اسباب و عوامل کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

یہ ہر ملک کی پالیسی ہے کہ جب بھی داخلی حالات خراب ہوجائیں تو فوراً بیرونی عوامل اور خارجی دشمنوں کے گلے ڈال دیتے ہیں، اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو باہر والوں کی گردن پہ ڈال دیتے ہیں، انسان انفرادی زندگی میں بھی ایسا ہی ہے، انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کے اندر موجود ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔

اعدیٰ عدوّك نفسك التی بین جنبیك......(۱)

تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلو میں ہے۔

لیکن جب بھی انسان کوئی غلط کام کرتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ شیطان نے کروایا ہے، انسان کے اندر یہ خصلت موجود ہے کہ اپنی غلطیوں کو دوسروں کی گردن پہ ڈالنا چاہتا ہے حالانکہ غلط کام انسان سے اس کا اپنا نفس کرواتا ہے۔......انّ النفس لأمّارةٌ بالسّوءِ ......(۲) شیطان صرف وسوسہ کرتا ہے اور برے اعمال کو مزین اور خوبصورت بنا کر انسان کے سامنے پیش کرتا ہے(۳) پھر انسان کا نفس امارہ اسے کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

انسان اندرونی عوامل کی طرف توجہ نہیں کرتا بلکہ اس سے چشم پوشی کرتا ہے، حالانکہ اندرونی عوامل، بیرونی عوامل سے زیادہ مؤثر ہوتے ہیں اگر کہیں پر ظلم زیادہ ہوتا ہے تو اس کے اندرونی عوامل میں سے ایک، بہت ہی قوی عامل، ستم پذیری ہے اگر لوگ ستم پذیر نہ ہوتے اور اپنے آپ کو کمزور اور ضعیف نہ بناتے تو ظلم واقع نہ ہوتا۔

---

(۱)۔ عدۃ الداعی، ابن فہد حلی ص ۳۱۴۔

(۲)۔ سورۃ یوسف آیت ۵۳۔

(۳)۔ سورۃ نحل آیت ۶۳۔ تاللّٰہ لقد ارسلنا الی امم من قبلك فزین لھم الشیطن اعمالھم......

قرآن کریم میں جہنمیوں کا ایک مکالمہ ذکر ہوا ہے، دو قسم کے جہنمی ہوں گے، کچھ ستم پذیر اور کمزور قسم کے جہنمی ہوں گے تو کچھ ظالم اور ستم گر ہوں گے، جب اس کمزور اور ستم پذیر طبقہ سے پوچھا جائے گا کہ تم کیوں جہنم میں آئے؟ قال ادخلوا في امم قد خلت من قبلكم من الجن والانس في النار كلما دخلت امة لعنت اختها حتى اذا اداركوا فيها جميعاً قالت اخراهم لاولهم ربنا هؤلاء اضلونا فاتهم عذاباً ضعفاً من النار قال لكل ضعف ولكن لاتعلمون ☆ وقالت اولاهم لاخراهم فما كان لكم علينا من فضل فذوقوا العذاب بما كنتم تكسبون (۱) ارشاد ہوگا کہ تم سے پہلے جو جن وانس کی مجرم جماعتیں گزر چکی ہیں تم بھی انہیں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ، حالت یہ ہوگی کہ ہر داخل ہونے والی جماعت دوسری پر لعنت کرے گی اور جب سب اکٹھا ہو جائیں گے تو بعد والے پہلے والوں کے بارے میں کہیں گے کہ پرودگار انہوں نے ہمیں گمراہ کیا ہے لہٰذا ان کے عذاب کو دوگنا کر دے ارشاد ہوگا کہ سب عذاب دو گنا ہے صرف تمہیں معلوم نہیں ہے۔ پھر پہلے والے بعد والوں سے کہیں گے کہ تمہیں ہمارے اوپر کوئی فضیلت نہیں ہے لہٰذا اپنے کیے کا عذاب چکھو۔

یعنی ہم ان ستم گروں کی وجہ سے جہنم میں آئے، یہ ہمارے آقا بنے، ہمارے وڈیرے اور سردار بنے، یہ ہم سے معصیتیں بھی کرواتے تھے، ہم سے جرم بھی کرواتے تھے، اور ہم پر ڈنڈے بھی چلاتے تھے، انھوں نے ہم پر ظلم وستم روا رکھا تھا۔ ظالم، متکبر اور ستم گر بول پڑیں گے یہ لوگ غلط بیانی کر رہے ہیں، بلکہ ہم ظالموں نے جو مظالم ان پر ڈھائے تو صرف ان کی وجہ سے، یہ اتنے کمزور اور ناتوان بنے ہوئے تھے کہ ہمارا جی چاہتا تھا کہ ان پر ظلم کریں اگر یہ ستم پذیر نہ ہوتے، تو ہم بھی

(۱)۔ سورۃ اعراف آیت ۳۸،۳۹۔

ان پر ظلم نہ کر سکتے، انھوں نے خود ہمیں دعوتِ ظلم دی لہذا ہم ان کی وجہ سے جہنم میں آئے ہیں، اگر ایسے ستم پذیر، ظلم قبول کرنے کے عادی نہ ہوتے تو ہم یہ مظالم نہ ڈھاتے، اور اب ہمارا ٹھکانہ جہنم نہ ہوتا، جواب آئے گا تم دونوں مجرم ہو، ستم گری بھی جرم ہے اور ستم پذیری بھی جرم ہے، سورۃ احزاب میں آیا ہے۔

یوم تقلّب وجوھھم فی النّار یقولون یلیتنا اطعْنا اللّٰہ و اطعْنا الرّسولا ☆

وقالوا ربّنا انّا اطعنا سادتنا و کبرآء نا فاضلّونا السّبیلا (۱)

جس دن انکے چہرے جہنم کی طرف موڑ دیئے جائیں گے اور یہ کہیں گے کہ اے کاش! ہم نے اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی اور کہیں گے کہ ہم نے اپنے سرداروں اور بزرگوں کی اطاعت کی تو انھوں نے راستے سے بہکا دیا۔

۱۱۔ مستضعَف اور مستضعِف میں فرق

مستضعَف وہ ہوتا ہے کہ جس کو دوسرے ضعیف اور کمزور بنا دیں، دوسرے اس پر ظلم وستم کریں۔ جبکہ مستضعِف وہ ہوتا ہے کہ جو خود ضعیف بنے، جو اپنے آپ میں ضعف اور کمزوری پیدا کرے، اس میں طاقت ہو لیکن ستم پذیر بن کر اپنی کمزوری دکھاتا رہے، قرآن کریم نے مستضعفین کی نجات کا وعدہ دیا ہے۔

ونرید انْ نمنّ علی الّذین اسْتُضْعِفوا فی الْارض و نجْعلھم ائمۃً ونجْعلھم الْوارِثین (۲)

---

(۱)۔ سورۃ احزاب آیت ۶۶، ۶۷۔

(۲)۔ سورۃ القصص آیت ۵۔

ترجمہ: اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کو زمین میں کمزور بنادیا گیا ہے ان پر احسان کریں اور انہیں لوگوں کا پیشوا بنائیں اور زمین کا وارث قرار دیں۔

یعنی ہم مستضعفین کو نجات دیں گے، ایک منجی بشریت، مہدی آخر الزماں کو بھیجیں گے جو مستضعفین کو نجات دے گا، جن کو دوسروں نے کمزور بنادیا ہے، جن پر ظلم وستم ہورہا ہے ان کی نجات کیلئے امام مہدیؑ آئیں گے، لیکن جو مستضعِف ہیں، جو خود کو دوسروں کے تیر کا نشانہ بنارہے ہیں جو ظلم وستم سہنے کے عادی ہوچکے ہیں، ان کیلئے کوئی منجی نہیں آئے گا بلکہ وہ ستم گروں کے ہاتھوں مٹ جائیں گے اس لئے کہ طبیعت کا قانون ہے کہ ضعف اور کمزوری ہمیشہ طاقتور کو دعوتِ خونخواری دیتی ہے، ذرا جنگل میں جا کر دیکھیں، خرگوش کا وجود درندے کو دعوت دیتا ہے کہ آؤ اور آکر مجھے کھا لو۔ ہر ضیعف جانور اپنے وجود سے اور اپنی کمزوری کے ذریعہ دعوت نامہ بھیج رہا ہوتا ہے کہ آؤ مجھے ہڑپ کرلو، آؤ مجھے صفحِ ہستی سے مٹادو، شاعر نے اس قانونِ طبیعی کی خوب ترجمانی کی ہے۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات (۱)

قرآن کی نگاہ میں ضعیفی بہت بڑا جرم ہے، اس سے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ بلکہ ظالم اور ظلم قبول کرنے والا دونوں جہنم میں جائیں گے۔ جیسا کہ ان دونوں کے مکالمہ کا ذکر پہلے ہوچکا ہے۔

---

(۱)۔ کلیات اقبال (اردو) بال جبرئیل، ص ۱۵۷۔

۱۲۔ کربلا ستم نا پذیری کا راستہ

ستم پذیری کو لوگوں نے معروف کے طور پر تسلیم کر لیا تھا، جیسا کہ مسیحیت محرّفہ نے اسے عالی اقدار میں قرار دے کر اس کی ترویج کی ہے لیکن امام حسین علیہ السلام نے ستم ناپذیری کا وہ درس دیا جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا اور لوگوں کو ستم ناپذیری کا راستہ ہمیشہ کے لئے دکھا دیا، اُمت اس وقت ستم پذیر بن کے بیٹھی ہوئی تھی، بنی امیہ کے مظالم سہنے کی عادی ہو چکی تھی۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

اريد ان امر بالمعروف وانهى عن المنكر

میں اقدار کو زندہ کرنے اور منکرات کو مٹانے کیلئے آیا ہوں، ستم پذیری منکرات میں سے ہے جو اس وقت لوگوں کیلئے زینت بنی ہوئی تھی، آپ نے امت کی اصلاح کی کہ تم ستم پذیر نہ رہو، یزید ستم گر ہے لیکن تم یزیدی امت نہ بننا، لہٰذا حسینی وہ ہے جو نہ ستم گر ہو اور نہ ستم پذیر۔





جب عاشور کے دن عمر بن سعد کے لشکر میں سے کسی نے آپ سے کہا

انزل علی حکم بنی عمّك یعنی تم بیعت کیوں نہیں کرتے ہو؟ اپنے بنی عم کے حکم کے سامنے تسلیم کیوں نہیں ہو جاتے، اگر تم تسلیم ہو جاؤ تو سارا مسئلہ حل ہے۔ آپ نے فرمایا:

لا واللّٰہ لا اعطيكم بيدی اعطاء الذليل ولا أفرّ فرار العبيد(۱)

ہرگز خدا کی قسم میں ذلت کے ساتھ اپنا ہاتھ تمھارے ہاتھ میں نہیں دونگا اور نہ ہی غلاموں کی طرح فرار کروں گا۔

---

(۱)۔ مناقب آل ابی طالب علیہ السلام ج ۴، ص ۱۸۔

بیشک کربلا میں مظلومیت تھی لیکن ستم پذیری نہ تھی، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ شہادتیں اور اسارتیں ہیں، جو بھی ظلم وستم کو قبول نہیں کرتا وہی شہید ہو جاتا ہے۔ آپؑ کی اور آپؑ کے اصحاب اور اولاد کی شہادتوں نے یہ ثابت کر دیا کہ امام حسین علیہ السلام کا راستہ ظلم سے مقابلہ کرنا ہے، ستم گر کے سامنے ڈٹ کر اس کے ستم کو رد کرنا ہے۔ اس وقت بڑی بڑی شخصیات موجود تھیں، جو شہید بھی نہیں ہوئیں، جن کو گرم ہوا تک نہ لگی، ان کو کسی نے چھیڑا نہیں، بلکہ اپنی عبادتیں کرتے رہے، اپنے درس پڑھاتے رہے چونکہ وہ ستم پذیر تھے۔

بعض اوقات ہمارے شاعر جو نوحے پڑھتے ہیں، اگر چہ ان نوحوں میں ستم گری کی تعلیم تو نہیں ہوتی، لیکن ستم پذیری کی تعلیم دی جاتی ہے، ایسے نوحے نہیں پڑھنے چاہیے، وہ نوحہ لکھا جائے اور پڑھا جائے جس میں نہ درسِ ستم گری ملتا ہو اور نہ ہی درسِ ستم پذیری ملتا ہو، وہ نوحہ لکھا جائے جس سے درسِ شجاعت، درسِ عدالت ملتا ہو۔

عزت

تیسری قدر

۱۔عزت کو زندہ کرنے والا

۲۔حقیقی اور جھوٹی عزت میں فرق

۳۔عزت کا منبع

۴۔ہر ایک کا محبوب واقعی عزیز نہیں

۵۔حسین علیہ السلام امام عزت

۶۔عزت کے معنی

۷۔سب سے باعزت گھرانہ

۸۔کربلا عزت کا راستہ

۹۔راہِ خدا میں عزت قربان کرنا

۱۰۔کاذب عزت کو بچانے والے

۱۔عزت کو زندہ کرنے والا

عاشورائی اقدار میں سے ایک اہم ترین قدر جس کو امام حسین علیہ السلام نے اس جہاد میں فتح کیا اور اس کے بوسیدہ پیکر میں دوبارہ جان ڈالی وہ "عزت و شرف انسانی" ہے۔ مدینہ سے لیکر کربلا تک حضرت امام حسین علیہ السلام کے فرامین میں اگر غور کیا جائے تو جگہ جگہ عزت و شرف کے حصول اور ذلت سے دوری کے اقوال نظر آتے ہیں۔ کربلا کا درس، عزت، شرف اور کرامت انسانی ہے، آئیں کربلا سے سیکھیں کہ عزت کسے کہا جاتا ہے، عزت مند کون ہے اور انسان کو عزت کیسے ملتی ہے؟

اگر عزت سے روح کو نکال دیا جائے تو باقی فقط عزت کا ڈھانچہ رہ جائیگا، جب عزت فقط ایک مردہ اور نحیف جسم کی طرح رہ جائے اس وقت لوگوں کو احساس عزت تو ہونے لگتا ہے لیکن حقیقت میں عزیز نہیں ہوتے، جن کو یہ گمان ہو رہا تھا کہ ہم بڑے عزیز ہیں سید الشہداء علیہ السلام نے انہیں یہ بتادیا کہ تم حقیقت میں ذلت میں مبتلا ہو، تم نے اپنی ذلت کا نام عزت رکھا ہوا ہے۔

اگر عزت کا راستہ پوچھنا چاہتے ہو اور عزت کا مقام معلوم کرنا چاہتے ہو تو آؤ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ عزت کسے کہتے ہیں؟ ویسے تو لوگ بہت خوش تھے کہ ہم ستم گر نہیں ہیں لیکن امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ستم گر تو نہیں ہو لیکن ستم پذیر ضرور ہو چونکہ ستم گری اور ستم پذیری دونوں جرم ہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

الاترون الی الحق لا یعمل به والی الباطل لایتناهی عنه ، لیرغب المومن فی لقاء ربه حقاً حقاً فانّي لا اری الموت الا سعادة والحیاة مع الظالمین الّا برما (۱)

---

(۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص۳۵۶۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل سے منع کرنے والا کوئی نہیں، تو مومن کو چاہیے کہ اپنے پروردگار سے ملاقات کیلئے تیار رہے، میں تو موت کو سعادت اور ظالموں کے درمیان زندگی کو ذلت سمجھتا ہوں۔

زندگی میں نہ ستم گر رہو اور نہ ہی ستم پذیر رہو بلکہ ظالموں کے اندر رہ کر، ان کے زیر سایہ اور ان کی سرپرستی میں ایک دن کی زندگی بھی تمہارے لئے ذلت ہے، زندگی اور عزت و شرف جو خدا نے تمہیں دیا ہے اُس کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دن عزت کی موت مرنا، ظالموں کے سائے میں عمر بھر ذلت کی زندگی بسر کرنے سے بہتر ہے۔

اگر عزت مانگتے ہو، عزت کے دلدادہ ہو اور عزت کی راہ اپنانا چاہتے ہو تو آؤ امام حسین علیہ السلام سے سیکھو کہ عزت کسے کہا جاتا ہے؟

آپ نے حر بن یزید ریاحی رضی اللہ عنہ کے ساتھ گفتگو میں فرمایا:

لیس شانی شان من یخاف الموت، ماهون الموت علی سبیل نیل العز، واحیاءِ الحق، لیس الموت فی سبیل العز الاحیاةً خالدةً ولیست الحیاة مع الذل الا الموت الذی لا حیاة معه، افبالموت تخوفنی، هَیهات طَاش سَهْمك و خاب ظَنّكَ لستُ اخافُ الموتَ، انَّ نفسی لأکبر من ذالك وهمتي لأعلی من ان احمل الضَّیْمَ خوفامن الموت وهل تقدرون علیٰ اکثر من قتلي ؟ مرحبابالقتل فی سبیل الله، ولکنکم لا تقدرون علی هدم مجدي ومحو عزي و شرفي فاذاً لاابالی بالقتل (۱)

---

(۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۳۶۰۔

موت سے ڈرنا میرے شایان شان نہیں ہے، عزت پر فائز ہونے اور حق کو زندہ کرنے کی راہ میں موت کتنی آسان ہے، عزت کی راہ میں موت ابدی حیات کا نام ہے جبکہ ذلت کی زندگی دائمی موت کے علاوہ کچھ بھی نہیں، تم مجھے موت سے ڈراتے ہو، تمہارا تیر خطاء گیا اور تمہارا گمان باطل ہے میں موت سے نہیں ڈرتا، میرا نفس اس سے کہیں زیادہ کریم اور میری ہمت اس سے کہیں زیادہ بلند ہے کہ موت کے خوف سے ظلم برداشت کرتا رہوں، تم مجھے قتل کرنے کے علاوہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اللہ کی راہ میں موت کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں لیکن تم ہرگز میری بزرگواری، میری عزت اور میرے شرف کو ختم نہیں کر سکتے، جان لو کہ مجھے قتل ہو جانے کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

۲۔ حقیقی اور جھوٹی عزت میں فرق

انسان عزت کا بڑا خواہاں ہے، عزت کا بڑا تشنہ اور بھوکا ہے، اسے جان سے بھی زیادہ عزت پیاری ہوتی ہے، حتی اپنی عزت پر آنچ نہ آنے کیلئے بعض اوقات اپنی ذمہ داریاں بھی چھوڑ دیتا ہے اپنی عبادات، اپنے حقوق و فرائض سے روگردانی بھی کرتا ہے۔

جس معاشرے میں اقدار سے روح نکل جائے اور وہ مردہ ہو جائے، وہاں پر اس قسم کے مشاہدات اور مناظر کم نہیں ہوتے، ہر گلی کوچہ میں ہر فرد کو یہ تجربات دیکھنے کو ملتے ہیں، اگر کسی کو کہا جائے آؤ یہ آپ کا شرعی، دینی اور الٰہی فریضہ بنتا ہے جواب میں کہتے ہیں جی ہم بڑے عزت ہیں، معاشرے میں ہماری بڑی عزت ہے، اپنے اور پرائے، دوست اور دشمن سب ہماری نت کرتے ہیں، یہ عزت کا مقام بڑی مشکلوں سے بنایا ہے، مجھے تیس چالیس سال لگے ہیں کہ نے عزت کا مقام بنایا ہے۔

کیا ایک مجلس میں شرکت کر کے یا ایک احتجاج میں شریک ہو کر اپنی ذمہ داری نبھانے سے تیس چالیس سالہ بنی بنائی عزت ساری خاک میں مل جائیگی؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واذا قیل له اتق الله اخذته العزة بالاثم......(۱)

انسان کو تقویٰ الٰہی کی طرف بلایا جائے تو اسے گناہ گارانہ عزت یاد آجاتی ہے۔

وہ اپنی گناہ آلود عزت کے چکر میں پڑ جاتا ہے۔ خداوند فرماتا ہے:

......فللّٰه العزة جمیعاً...... (۲)

عزت وہ نہیں جو تم گناہوں سے حاصل کرتے ہو بلکہ عزت حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کا پتہ ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ عزت ساری کی ساری خدا کے ہاں ہے۔

عزت گلی اور کوچوں میں نہیں ملے گی، عزت دوست اور دشمن سے نہیں ملے گی، بلکہ اگر عزت چاہتے ہو تو اس کا پتہ یہ ہے، ساری کی ساری عزت بارگاہِ خدا میں ہے۔ انسان ہر چیز کو جان پر قربان کر دیتا ہے، اپنا مال ساری زندگی کی کمائی، اپنی ساری پونجی، اپنی جان پر قربان کر دیتا ہے، اپنا مقام اور پوسٹ بھی اگر جان بچانے کیلئے دینا پڑے تو وہ بھی دے دیتا ہے کہتا ہے مجھے ان کی ضرورت نہیں فقط میری جان بچ جائے! ایک چیز اس سے بھی زیادہ قیمتی ہے جس کو بچانے کیلئے اپنی جان بھی دے دیتا ہے وہ انسان کی عزت ہے، جان کو نثار کرنے سے سخت عزت کو نثار کرنا ہے، لہٰذا عزت بچانے کیلئے انسان جان بھی دے دیتا ہے۔

---

(۱)۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۰۶۔

(۲)۔ سورۃ فاطر آیت ۱۰۔

دنیاداروں کو دیکھئے اگر ان کی عزت و ناموس خدانخواستہ خطرے میں پڑ جائے تو اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں، زندگی ہار جاتے ہیں لیکن ان کا تصور اور گمان یہ ہوتا ہے کہ ہم نے اپنی عزت بچالی۔

مختلف ممالک کے درمیان جنگ چھڑ جاتی ہے تو وطن و مملکت اور قوم و ملت کی عزت اسی میں ہوتی ہے کہ اپنی عزتِ اجتماعی کو بچالیں اگر چہ اس راہ میں انسانی جانیں قربان ہو جائیں، عزت کی خاطر جان تک دے دینا انسان کیلئے بہت معمولی بات ہے۔

بڑے اور عظیم لوگ وہ نہیں ہوتے جو اپنی جان بچالیں بلکہ بڑے اور عظیم لوگ وہ سمجھے جاتے ہیں جو عزت کی راہ میں جان کی قربانی پیش کر دیتے ہیں پس معلوم ہوا کہ عزت سب سے قیمتی متاع ہے جو انسان کیلئے سب سے پسندیدہ اور پیاری چیز ہے، عزت و شرف ایک ایسی قدر ہے جو انسان کی مطلوب و مقصود ہے لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ عزت ہے کیا، کہاں سے ملتی ہے اور کیسے بچائی جاتی ہے؟ ان چیزوں کو جاننے کیلئے سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی تعلیمات کا مطالعہ ضروری ہے۔

۳۔ عزت کا منبع

اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ و مبارکہ میں سے ایک اسم عزیز اور صفات عالیہ میں سے ایک صفت عزت ہے جا بجا قرآن، ادعیہ اور مناجات میں یہ اسم عزیز تکرار ہوا ہے، کبھی دوسرے اسماء کے ساتھ ملکر اور کبھی تنہا بیان ہوا ہے، اسی طرح یہ صفت عزت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کیلئے بھی استعمال ہوئی ہے۔

......وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین......(۱)

عزت اللہ کیلئے ہے، عزت رسول ﷺ کیلئے اور مومنین کیلئے ہے، خدا بھی عزیز ہے، رسول ﷺ بھی اور مومنین بھی، وہ کونسی عزت ہے جو اللہ، رسول ﷺ اور مومنین کیلئے ثابت ہے؟

خدا کی عزت کے معنی ہرگز یہ نہیں کہ معاذ اللہ خدا کی اپنی گلی میں بڑی عزت ہے، دوست دشمن، اپنے پرائے سب اللہ کی عزت کرتے ہیں، خداوند کے عزیز ہونے کے معنی یہ بھی نہیں کہ تمام مخلوق اس کے سامنے جھک جائے بلکہ وہ تو ایسا عزیز ہے کہ کوئی اس کی اطاعت کرے تب بھی وہ عزیز ہے اگر کوئی اس کی معصیت کرے تب بھی وہ عزیز ہے؛ اگر فاسق سامنے آجائے تب بھی وہ عزیز ہے، اگر منافق سامنے آجائے تب بھی وہ عزیز ہے۔

خدا کی عزت میں کسی کے کفر ونفاق یا کسی کی معصیت سے کوئی کمی نہیں آتی تو انسانوں کی عزت بھی وہ نہیں جو گلیوں، کوچوں کے لوگ کرتے ہیں، عزت کا منبع یہ لوگ نہیں ہیں، یہ گمان نہ کریں کہ لوگوں نے ہمیں بڑی عزت دے رکھی ہے بلکہ عزت وہ ہے جو خدا کسی کو عطا کرے، عزت کا منبع خدا ہے ......فللہ العزۃ جمیعاً......(۲)

بعض اوقات ہم سوچتے ہیں کہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے سے ہماری عزت خراب ہو جائیگی اس محلے میں بڑی عزت ہے اگر میں نے حق بات کہہ دی تو جس کے خلاف یہ بات جائے گی وہ میری عزت کرنا چھوڑ دے گا، وہ میرا ادب واحترام کرنا چھوڑ دے گا۔

(۱)۔سورۃ المنافقون آیت ۸۔

(۲)۔سورۃ فاطر آیت ۱۰۔

یہ وہی معصیت کارانہ عزت ہے۔

و اذا قیل له اتق الله اخذته العزه بالاثم......(۱)

جب حق کی طرف بلایا جائے تو ان کو گنہگارانہ عزت یاد آجاتی ہے، اپنی معصیت کارانہ عزت بچانے کیلئے شہادتیں چھپالیتے ہیں اور کتمان حق کرتے ہیں۔

حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے بھی یہی دیکھا کہ بڑے بڑے عزت والے مدینے میں بیٹھے ہوئے ہیں فقط اپنی عزت بچانے کیلئے دین کی خاطر آواز تک نہیں اٹھاتے، مکہ میں بھی بہت سارے لوگ ایسے تھے کہ جنھوں نے فقط اپنی عزت بچانے کیلئے سید الشہداء علیہ السلام کا ساتھ نہیں دیا۔

کوفہ میں بھی بڑے بڑے لوگ موجود تھے مگر کسی نے ساتھ نہ دیا، اس لئے کہ عبید اللہ بن زیاد بڑا بے غیرت انسان ہے یہ لوگوں کی عزت کا خیال نہیں رکھتا لہذا اپنی عزت بچانے کیلئے فاطمہ علیہا السلام کے بیٹے کو کربلا میں تنہا چھوڑ دیا، یہ عزت نہیں ہے بلکہ حقیقت میں انھوں نے اپنے لئے ذلت اختیار کی ہے، اس لئے کہ عزت وہی دے سکتا ہے جس کے پاس عزت ہو، جس کے پاس جو چیز موجود ہے وہی دے سکتا ہے، اسی طرح وہ ذلت ہی دے سکتا ہے جس کے پاس ذلت ہو (۲) خداوند نے جب عزت اور ذلت کو تقسیم کر دیا تو فرمایا۔

......ولله العزة ولرسوله وللمومنين...... (۳)

(۱)۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۰۶۔

(۲)۔ اس سے معروف فلسفی قاعدہ کی طرف اشارہ ہے۔ معطی الشی غیر فاقد له۔

(۳)۔ سورۃ المنافقون آیت ۸۔

پس عزت صرف اللہ، رسول اللہ ﷺ اور مومنین کے پاس ہے؛ جو رسول ﷺ کا ساتھ نہیں دیتا، جو مومنین میں سے نہیں وہ منبع ذلت ہے۔

البتہ اصل منبع عزت خداوند تعالیٰ ہے ......فللّٰہ العزۃ جمیعاً...... (۱) تمام عزت خدا کے لئے ہے، اگر رسول ﷺ یا مومنین نے عزت پائی ہے تو اسی منبع سے عزت پائی ہے، لہٰذا عزت کے تین جدا اور مستقل منابع نہیں ہیں، بلکہ اگر رسول ﷺ عزیز ہیں یا مومن عزیز ہیں تو یہ خدا کی طرف سے دی ہوئی عزت ہے۔

۴۔ ہر ایک کا محبوب واقعی عزیز نہیں

بعض لوگ اس پر بہت خوش ہیں اور فخر بھی کرتے ہیں کہ سب ہماری عزت کرتے ہیں گلی کوچہ میں، دفتر میں ہم نے اپنی عزت برقرار رکھی ہے۔ مسلم غیر مسلم، بھنگی، چرسی، شرابی، اچکے، بدمعاش ہر طبقے کے لوگ ہماری عزت کرتے ہیں، ہم بڑے عزیز ہیں ہم پر خدا کا فضل و کرم ہے، یہ عزت خدا نے ہمیں دی ہے اسی لئے تو سب لوگ ہماری عزت کرتے ہیں۔

اس کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ لوگ رشوت اور حرام پیسے سے گھر بنا کر پھر اس کے اوپر لکھ دیتے ہیں ھذا من فضل ربی حرام اور باطل طریقے سے مال حاصل کر کے اس کے اوپر تختی لگا دیتے ہیں کہ یہ فضل پروردگار ہے۔

ہر ایک کا محبوب واقعی عزیز نہیں

---

(۱)۔ سورۃ الفاطر آیت ۱۰۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ کی عزت سب لوگ کیا کرتے تھے؟ کیا رسول خدا ﷺ کافر اور منافق سے بھی اپنی عزت کروالیتے تھے؟ مومن سے بھی عزت کروالیتے تھے رسول ﷺ نے تو ایسی عزت نہیں کروائی، رسول خدا ﷺ کو تو گالیاں تک دی گئیں، رسول ﷺ پر تو لوگوں نے بہتان تک باندھے، انھیں تو معاذ اللہ مجنون تک کہا گیا، گلی کے سارے لوگ تو آنحضرت ﷺ کو سلام نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ آنحضرت ﷺ پر کوڑا کرکٹ پھینکا کرتے تھے جانوروں کی غلاظت بھی پھینکا کرتے تھے راستے میں کانٹے بچھایا کرتے تھے تہمت وافتراء باندھا کرتے تھے۔



ہر ایک کا محبوب واقعی عزیز نہیں



اگر عزت کے معنی یہ ہوں کہ سب کے سب احترام کی نگاہوں سے دیکھیں تو رسول کریم ﷺ ایسے نہیں تھے، لیکن خدا فرماتا ہے،

ان العزة للّٰه ولرسوله وللمومنين

یہی رسول ﷺ جس کو تم بدنام کرتے ہو جس پر لوگ کوڑا کرکٹ پھینک دیتے ہیں اور جنہیں طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی ہیں بہت ہی پیارے نبی ﷺ ہیں بہت ہی عزت والے رسول ﷺ ہیں یہی رسول ﷺ جس کا گلی اور محلے کے لوگ احترام نہیں کرتے، یہ بہت بڑی عزت والے رسول ہیں۔

اگر سارے لوگ رسولِ خدا ﷺ کی عزت کرتے تو مکہ سے ہجرت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ بلکہ مکہ کے لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے احترام کا خیال نہیں رکھا۔ ابوجہل اور ابولہب جیسے بھی اگر رسول خدا ﷺ کا احترام کرنا شروع کردیتے تو یہ عزت نہ ہوتی بلکہ یہ ذلت اور ننگ وعار ہوتی یہ ہرگز نہیں ہوسکتا، کہ جو رسول ﷺ، خدا کو عزیز ہوں وہ دشمن خدا کو بھی عزیز ہوں

دشمن خدا جس کی عزت کرتے ہوں وہ کبھی عزیز نہیں ہوسکتا، وہ کبھی پیارا اور محبوب نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے دل میں ضرور کھوٹ ہے اُس نے مومن کو بھی خوش رکھا ہے اور کافر کو بھی خوش رکھا ہے اس کے دل میں منافقت ہے۔

۵۔حسینؑ امام عزت



کچھ لوگ اس پر فخر کرتے ہیں کہ تمام شرابی، کبابی، فاسق اور فاجر ان کا احترام کرتے ہیں ان کو یہ گمان ہوتا ہے شاید کسی دن سفر پر جانا پڑے تو لوگوں کے ساتھ اتنا رکھ رکھاؤ اور علیک سلیک رکھا ہوا ہے کہ فلاں شرابی، کبابی، وہ بھی میرے گھر کا خیال رکھے گا وہ بھی میری ناموس کے مزاحم نہیں ہوگا، وہ میری ناموس اور میرے گھر کی طرف ٹیڑھی نگاہ سے نہیں دیکھے گا لیکن سوال یہ ہے کہ ان شرابیوں کبابیوں اور فاسقوں، فاجروں نے حسین بن علی علیہ السلام کی عزت کیوں نہیں کی؟ کیا حسین بن علی علیہ السلام ان سے اپنی عزت نہیں کرواسکتے تھے؟ آیا شامِ غریباں کو حسین بن علی علیہ السلام کے خیام میں آگ لگانے والے اتنا نہیں جانتے تھے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں؟ یہ اہل بیت علیہم السلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں؟ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں ہیں؟ یہ فاطمہ سلام اللہ علیہا اور علی علیہ السلام کی بیٹیاں ہیں؟ ہمیں ان کی عزت کرنی چاہیے کیا حسین بن علی علیہ السلام اس مشکل وقت کیلئے اتنا رکھ رکھاؤ لوگوں کے ساتھ نہیں رکھ سکتے تھے کہ جب وہ شہید ہوجائیں تو ان کے تعلقات کی وجہ سے لوگ ان کی ناموس کے مزاحم نہ ہوں؟ لیکن حسین بن علی علیہ السلام نے کبھی جھوٹی عزت لوگوں سے نہیں مانگی چونکہ لوگوں کے پاس عزت ہوتی ہی نہیں ہے عزت خدا کے پاس ہوتی ہے۔

امام حسین علیہ السلام کو یقین تھا کہ مجھے شہید کردیا جائے گا اور یہ صحرائی درندے میرا جنازہ بھی لوٹیں گے، خیام میں بھی آگ لگائیں گے، لیکن امام حسین علیہ السلام نے ان سے یہ نہیں کہا کہ میرے جنازے کی عزت کریں، خیام میں تشریف فرما نبی زادیاں ہیں ان کی عزت کریں، اس لئے کہ امام حسین علیہ السلام کو اپنا منبع عزت معلوم تھا۔

فرمایا میں خدا کی راہ میں نکلا ہوں، اس عزت والے کی راہ میں نکلا ہوں اگر اس نے چاہا تو وہ مجھے اور میری ناموس کو عزت دے گا لیکن جن کی خود عزت نہیں میں ان کے سہارے پر اپنی ناموس کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا، یہ وہ عزت ہے جو حسین بن علی علیہ السلام نے ہمیں سکھائی، عزت والے وہ ہوتے ہیں کہ جہاں پر ذلت ہو وہاں انہیں کوئی ٹکنے نہیں دیتا، جہاں پر عزت کا مقام ہو وہ امام عزت بن جاتے ہیں۔

۲۔عزت کے معنی

عزت جو نہایت ہی گراں قدر اور پسندیدہ قدر ہے جس کیلئے انسان اپنی جان بھی دیتا ہے، اس کے معنی کیا ہیں؟ تا کہ وہی معنی خدا کی ذات میں بھی ہو، وہی معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کیلئے بھی ہو، اس لئے کہ خدا بھی عزیز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی عزیز ہیں اور مومنین بھی عزیز ہیں۔

اگر محلے کی عزت واحترام کو عزت کہا جائے تو خدا کا تو کوئی محلّہ نہیں ہے، محلے کے لوگ تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت نہیں کیا کرتے تھے منافق، کافر اور مشرک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت نہیں کیا کرتے تھے۔

فاسق اور فاجر لوگوں نے تو امام حسین علیہ السلام کی عزت نہیں کی، پس یہ کونسی عزت ہے جو مومن کے اندر بھی ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے بھی ثابت ہے جو خدا کی بارگاہ میں پائی جاتی ہے۔

عزت عربی لغت میں اس سختی، صلابت اور مضبوطی کو کہا جاتا ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے کوئی چیز رخنہ، خلل اور دراڑ نہ ڈال سکے مثلاً اگر آپ لکڑی میں کیل ٹھونکنا چاہیں تو ایک یا دو بار مارنے سے معمولی سے پریشر سے کیل لکڑی میں رخنہ کر کے دھنس جاتی ہے۔ لیکن اسی کیل کو سیمنٹ والی دیوار میں لگانا چاہیں تو ذرا زیادہ زحمت کرنا پڑتی ہے چونکہ سیمنٹ، لکڑی کی نسبت زیادہ سخت ہے جبکہ لکڑی اس کی نسبت نرم ہے۔

یہی کیل جو بڑی زحمت سے سیمنٹ کے اندر دھنس جاتی ہے اگر پتھر کے اندر ٹھونکنا چاہیں تو پتھر کے اندر ہرگز داخل نہیں ہوسکتی، معلوم ہوا کہ پتھر ایک ایسی مضبوط، سخت اور باصلابت چیز ہے کہ جتنی بھی کوشش کریں، جتنی بھی ضربیں لگائیں ممکن ہے پتھر ٹوٹ جائے لیکن کیل کبھی بھی اندر داخل نہیں ہوسکتی۔

جس ذات میں عزت ہو، وہ ذات ایسی ہوتی ہے کہ اس کی طرف کوئی نقص، کوئی عیب، کوئی خرابی، کوئی کمزوری اور کوئی تہمت وافتراء کی نسبت دینا چاہیں تو ہزار دلیلیں بھی دیں، لیکن پھر بھی اس صلابت والی ذات میں یہ چیزیں نہ جاسکیں اور اسکی طرف منسوب نہ ہوسکیں تو اس ذات کو عزت والی ذات کہا جاتا ہے۔

لیکن اگر کسی کی طرف کوئی تہمت وافتراء، کوئی عیب اور خرابی کی نسبت دی جائے اور آسانی سے اس کی طرف منسوب بھی ہوجائے اور ثابت بھی ہوجائے تو اس ذات کو ذلیل کہا جاتا ہے۔

ذاتِ خداوند، ذاتِ عزیز ہے وہ ایسی مستحکم ذات ہے کہ اگر ساری کائنات مل کے اللہ تعالیٰ میں معاذ اللہ کوئی نقص نکالنا چاہے تو نہیں نکال سکتی، خدا کی ذات میں کوئی نقص اور عیب نہیں ہے کسی خرابی یا کمزوری کی اس کی طرف نسبت نہیں دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اتنی معصوم ذات ہے کہ اگر کوئی معاذ اللہ کسی گناہ، کسی عیب ونقص کی نسبت دینا چاہے تو آپ کی ذات میں ثابت نہیں کر سکتا، اگر کوئی تہمت وافتراء لگائے تو وہ پلٹ کر لگانے والے کی طرف آجائے گی، اس پاک ذات میں سرایت نہیں کر سکتی۔

لیکن اگر کسی ذات کی طرف کوئی نقص منسوب کیا جائے، کوئی تہمت لگائی جائے اور آسانی سے اس میں رخنہ کر جائے تو یہ ذلت والی ذات ہے، ذلت عربی کی لغت میں اس نرمی کو کہا جاتا ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے وہ چیز ہر باہر سے آنے والے کو آسانی سے قبول کر لیتی ہے، کہا جاتا ہے فرس ذلول وہ نرم اور رام گھوڑا جو آسانی سے سواری قبول کر لے۔

معلوم ہوا عزت یہ نہیں کہ لوگ جھک جھک کر سلام کریں، بلکہ عزت اس چیز کا نام ہے کہ لوگ جتنی تہمتیں لگائیں تو ایک تہمت بھی اس ذات کی طرف نہ آسکے، مثال کے طور پر جہالت ایک عیب اور نقص ہے، جہالت منکرات میں سے ایک منکر ہے، اگر کسی کے بارے میں کہا جائے کہ وہ بڑا جاہل آدمی ہے، اگر حقیقتاً وہ جاہل ہو تو جہالت کی صفت واقعاً اس میں رخنہ کر کے گھس جائے گی، اس کے علاوہ جہالت کی علامتیں بھی اس میں پائی جاتی ہوں تو یہ آدمی جہالت کے مقابلے میں عزیز نہیں، جہالت کی کیل آسانی سے اس کے اندر چلی جائے گی۔

لیکن اگر کسی فقیہ، مجتہد، عالم اور حقیقتاً پڑھے لکھے انسان کے متعلق کہا جائے کہ وہ بڑا جاہل

عزت کا معنی

آدمی ہے، اس کی طرف جہالت کی نسبت دی جائے تو اس سے پہلے کہ مدنظر شخص کی طرف جائے پلٹ کر نسبت دینے والے شخص کی طرف جائے گی، چونکہ مدنظر شخص کا سب کو علم ہے کہ بہت بڑا عالم اور فاضل آدمی ہے۔

لوگوں نے انبیاء علیہم السلام پر طرح طرح کی تہمتیں لگائیں، حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاذ اللہ شاعر، ساحر اور مجنون تک کہا گیا اسی طرح مختلف قسم کی تہمتیں امیر المومنین علی علیہ السلام پر لگائی گئیں لیکن آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد ان ہستیوں کا دامن پاک کا پاک ہی رہا، ساری تہمتیں پلٹ کر تہمت لگانے والوں کی طرف چلی گئیں، اب ہم یہ دیکھیں کہ کیا ہم بھی عزیز اور صاحبانِ عزت ہیں یا نہیں؟ اگر ہماری طرف کسی نقص کی نسبت دی جائے، وہ ہم پر فٹ آتا ہے یا نہیں اگر جہالت، نادانی، حماقت وسفاہت اور غیر ذمہ دار ہونا ہماری طرف منسوب کیا جائے اور یہ چیزیں ہم میں نہ پائی جائیں تو ہم عزیز ہیں ورنہ عزیز اور باعزت نہیں ہوسکتے عزت والا مومن وہ ہوتا ہے کہ جس کا لوگ احترام کریں یا نہ کریں اس کی ذات میں کوئی خامی، کمزوری اور نقص نہ نکلے، معلوم ہوا عزت سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کیلئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کیلئے ثابت ہے۔

۷۔ سب سے باعزت گھرانہ

اللہ تعالیٰ نے ایک خاندان کو اس طرح پاک و پاکیزہ بنا دیا کہ ساری کائنات مل کے بھی اگر ان کی طرف رجس اور پلیدگی کی نسبت دے تو نہیں دے سکتی، ایسا پاکیزہ گھرانہ جس سے ہر قسم کی برائی اور عیب کو دور رکھا ہے۔

......انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا(۱)

بہت بڑا باعزت گھرانہ ہے ایسا مخلص گھرانہ جہاں شیطان کی رسائی ممکن نہیں حالانکہ شیطان نے قسم کھائی ہے کہ وہ آدم کی اولاد کو گمراہ کرے گا جب خداوند تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلق فرمایا اور ان کو اسماء کی تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا،

وعلم آدم الاسماء کلھا(۲)

حضرت آدم علیہ السلام کی برتری اور فضیلت جن، شیطان اور فرشتوں پر ثابت کردی اور فرمایا:

واذقلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم......(۳)

یہ بات شیطان کو اچھی نہ لگی، وہی کرامت اور شرف جو خدا نے آدم علیہ السلام کو دیا تھا اس قسم خوردہ دشمن نے آکر چھینا اور کہنے لگا،

قال فبعزتك لا غوینھم اجمعین الا عبادك منھم المخلصین (۴)

تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کروں گا مگر تیرے مخلص بندوں تک میری رسائی نہیں ہوسکتی، یعنی جس کی وجہ سے مجھ میں عزت نہ رہی، جس کی وجہ سے میں راندۂ درگاہ حق بن کر نکال دیا گیا، اس کی اولاد سے وہی جوہر جس کی وجہ سے خدا نے اسے مجھ پر برتری دی ہے چھین لوں گا۔ گمراہی ایک نقص اور سب سے بڑا عیب ہے، اگر کسی کی طرف گمراہی کی نسبت دی جائے

---

(۱)۔ سورۂ احزاب آیت ۳۳۔

(۲)۔ سورۂ بقرہ آیت ۳۱۔

(۳)۔ سورۂ بقرہ آیت ۳۴۔

(۴)۔ سورۂ ص آیت ۸۲،۸۳۔

کہ وہ بڑا گمراہ آدمی ہے، وہ حقیقتاً گمراہ بھی ہو، گمراہی کے آثار اور علامتیں اس میں موجود ہوں تو قسم خوردہ دشمن نے اس کی عزت چھین لی ہے اب وہ عزیز نہیں رہا، اس لئے کہ گمراہی اس کی ذات میں داخل ہوگئی ہے اگر انسان گمراہی سے بچ کر اہل بیت اطہار علیہم السلام کے راستے پر آجائے اور اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں میں شامل ہو جائے تو وہ عزیز ہے اور شیطان بھی اس کو گمراہ کرنے سے عاجز ہے اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے مخلص بندے ہیں اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں تک شیطان کی رسائی ممکن نہیں لہٰذا اہل بیت اطہار علیہم السلام ہر قسم کے عیب، نقص اور ضلالت و گمراہی سے پاک و پاکیزہ ہیں پس سب سے زیادہ باعزت ہیں۔

۸۔ کربلا عزت کا راستہ

کربلا عزت کا راستہ ہے اور اس راستے پر چل کر عزت کا معنی اور مفہوم سمجھ میں آتا ہے، امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

ان الدّعیّ ابن الدّعی قد رکز بین اثنتَیْنَ، بین السلة و الذّلة، و هیهات منّاالذّالة، ابی اللّٰه ذالك ورسوله، وجدودٌ طابت و حجور طَهُرتْ، واُنوفٌ حمیة، ونفوس ابیه، لا تُؤثِر طاعة اللّئام علی مصارع الکرام ......(۱)

---

(۱)۔ موسوعہ امام حسین علیہ السلام ص ۴۲۳۔

فرمایا اس نابکار اور نابکار کے بیٹے نے مجھے ذلت اور چمکتی ہوئی ننگی تلوار کے درمیان قرار دیا ہے، ذلت تو ہم سے بہت دور ہے۔ اللہ تبارک وتعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ہمیں ذلت کا راستہ اختیار کرنے سے منع کیا ہے، اسی طرح پاک ماؤں، پاکیزہ نسلوں، باغیرت لوگوں اور ظلم سے انکار کرنے والوں نے ہمارے لئے یہ پسند نہیں کیا کہ بہادری کے ساتھ مقابلہ کے بجائے لئیم و فرومایہ کی اطاعت کریں

عزت کا راستہ شمشیر اور چمکتی ہوئی ننگی تلوار کا راستہ ہے، جبکہ ذلت کے راستے میں آسائش چین، آرام ولوگوں کا احترام وادب ہے

هَیهات منّا الذّلہ ذلت ہرگز ہمارے قریب نہیں آسکتی

خدا نے ہمیں اس طرح پاک وپاکیزہ قرار دیا ہے کہ ذلت ہمارے دامن کو چھو بھی نہیں سکتی امام حسین علیہ السلام نے ہمیں درسِ عزت دیا ہے اگر عزت سیکھنی ہے تو آئیں اس معلمِ عزت سے سیکھیں عزت وہ نہیں جس کی لوگوں سے توقع رکھی جاتی ہے بلکہ عزت شمشیر کے سائے میں ہے۔

کربلا عزت کا راستہ

امام حسین علیہ السلام نے عزت کو ایسا لباس پہنایا، عزت میں ایسی روح پھونک دی کہ اب قیامت تک اگر عزیز بننا ہے تو حسین بن علی علیہما السلام کے راستے پر چل کر عزیز بنا جا سکتا ہے یہی وہ مردہ قدر تھی جسے وارث عیسیٰ علیہ السلام نے مسیحائی کر کے ہمیشہ کیلئے زندہ کر دیا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے درمیان تشریف لائے تو فرمایا کہ میں ولی خدا ہوں میں مبعوث من اللہ ہوں آپ کی ہدایت کیلئے آیا ہوں، عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے جب مردہ جسموں اور لاعلاج مرض میں مبتلا مریضوں کو دیکھا تو فرمایا قُم بِاذن اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مسیحائی فقط اس حد تک

تھی کہ ایک مردہ بدن میں جان ڈال دیں لیکن وارثِ عیسیٰ علیہ السلام نے جب مردہ اور بیمار اقدار کے جنازے دیکھے، جب بیمار امت کو دیکھا تو ایسی مسیحائی کی اور ایسا دم پڑھا کہ اس دم کے پڑھنے سے وہ مردہ اور زمین بوس اقدار کہ جن میں جان اور روح باقی نہیں تھی اٹھ کے کھڑی ہوگئیں، ان میں ایسی جان ڈالی کہ اب قیامت تک یہ عاشورائی اقدار زندہ وتابندہ رہیں گی۔

۹۔ راہ خدا میں عزت قربان کرنا

خداوند تعالیٰ نے قانون مقرر کیا ہے کہ اپنی محبوب ترین چیز راہ خدا میں پیش کرو، اس قانون کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی محبوب ترین چیز کی قربانی خدا کی بارگاہ میں پیش کی، اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں پیش کردیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی راہ میں انفاق کا حکم دیا ہے، کچھ لوگ ایسے ہیں جو خدا کی راہ میں اپنا مال دے دیتے ہیں لیکن جان دینے کیلئے تیار نہیں، کچھ ایسے ہیں جو اللہ کی راہ میں جان تو دیتے ہیں لیکن اپنی عزت بچانے کیلئے راہِ خدا سے فرار اختیار کرتے ہیں لیکن حسین بن علی علیہما السلام نے ہمیں یہ درس دیا کہ اگر خدا کی بارگاہ میں جان دینے کی باری آئے تو جان دینی چاہیے اگر عزت دینے کی باری آئے تو اپنی عزت خدا کی بارگاہ میں پیش کرنی چاہیے، اس لئے کہ وہ منبع عزت ہے۔

اگر ہم اپنی عزت خدا کی بارگاہ میں قربان کردیں تو خدا اور بھی زیادہ عزت دے گا اسی طرح اگر اپنی اولاد کی قربانی پیش کردیں تو قیامت تک اولاد چلتی رہے گی جیسا کہ حسین بن علی علیہما السلام نے کربلا میں اپنی اولاد کی قربانی پیش کی امام حسین علیہ السلام کا صرف ایک ہی بیٹا زندہ بچ گیا، آج دنیا کے

کونے کونے میں امام حسین علیہ السلام کی اولاد موجود ہے آج دنیا سادات سے بھری پڑی ہے، خدا نے اس ایک بیٹے سے نسل حسین علیہ السلام میں اتنی برکت ڈالی کہ پوری دنیا میں اولادِ حسین علیہ السلام موجود ہیں۔

اگر چہ اس نسل طیب کو بھی خیال رکھنا چاہئے کہ کس کی اولاد میں سے ہیں، سیرت وہی اپنائیں کہ دیکھتے ہی پتا چلے کہ امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، امام حسین علیہ السلام نے اپنی اولاد میں سے ایک فرزند اس لئے بچایا تھا کہ قیامت تک امام حسین علیہ السلام کی اولاد کو دیکھ کر آپ کی سیرت کو سمجھتے رہیں انھیں صرف دیکھ کر یہ اندازہ ہو جائے کہ یہ امام زین العابدین علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں، جن لوگوں نے اپنی اولاد بچا کر رکھی، بنی امیہ اور ان کے طرفدار اس معرکہ میں زندہ بچ گئے، لیکن آج پوری دنیا میں ڈھونڈا جائے، شجرہ اٹھا کر دیکھا جائے، اگر کوئی بنی امیہ کی نسل سے ہو بھی تو اپنا شجرہ نصب چھپائے گا، بتائے گا نہیں کہ میں بنی امیہ کی نسل سے ہوں، خدا نے امام حسین علیہ السلام کے دشمنوں کی نسل منقطع کر دی اسی طرح جو اپنی عزت بچا کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اس کو پیش نہیں کرتے خدا عزت کے ایسے ذخیرہ اندوزوں کی عزت خاک میں ملا دیتا ہے۔

لیکن جو اپنی عزت طبقِ اخلاص میں رکھ کر خدا کی راہ میں پیش کر دیتے ہیں تو خدا بھی انھیں قیامت تک عزیز بنا دیتا ہے یہ قانون الٰہی ہے۔

ولئن شکر تم لازیدنکم......(۱)

اگر تم میری نعمتوں کے مقابلے میں شکر اختیار کرو تو میں مزید اضافہ کر دوں گا۔

۱)۔ سورۃ ابراہیم آیت ۷۔

خدا نے جو نعمتیں دی ہیں انھیں خرچ کر دینا چاہئے اس لئے کہ نعمتیں خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتیں بلکہ اور زیادہ بڑھتی ہیں، کنویں اور چشمے میں یہ فرق ہے، چشمہ کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ خرچ کر دیتا ہے جبکہ کنواں جتنا اپنا پانی بچائے رکھے اتنا ہی اس کا پانی بدبودار ہوتا جائے گا۔ اگر چشمہ بھی اپنا پانی بچا کے رکھے یہ اس کے کسی کام نہیں آئے گا بلکہ اس میں جڑی بوٹیاں پیدا ہوں گی بیماریوں کے جراثیم پیدا ہوں گے اور یہ فساد کا موجب بنے گا لیکن اگر چشمہ اپنے پاس موجود قطرے پیش کرتا جائے تو پاک و پاکیزہ رہے گا، خدا بھی اس میں اور اضافہ کرتا جائے گا، یہ بادل، درخت وغیرہ سب ایسے ہی ہیں بادل ہر دم بارش برساتے ہیں لیکن اس میں کمی نہیں ہوتی، درخت اپنا پھل دیتا ہے خدا اس کی جگہ اور لگا دیتا ہے۔

یہ قانون صرف طبیعی موجودات کیلئے نہیں بلکہ اس قانون کو انسان کے لیے بھی بنایا ہے۔

ولئن شکرتم لازیدنکم اگر میری نعمتوں کو صحیح طور پر خرچ کرو گے تو اس کو اور بھی بڑھا دوں گا۔

جنہوں نے اپنی اولاد خدا کی راہ میں پیش کی خدا نے ان کی اولاد بڑھا دی جنہوں نے اپنی اولاد بچا کر رکھی خدا نے ان کی اولاد کا خاتمہ کر دیا، جنہوں نے اپنی عزت کی ذخیرہ اندوزی کی اور خدا کی راہ میں پیش کرنے سے باز رہے وہ ہمیشہ کیلئے ذلیل ہو گئے، کچھ لوگ قحط کے زمانے میں لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں، گندم، چاول وغیرہ کو ذخیرہ کر دیتے ہیں تاکہ جب غلہ مہنگا ہو جائے تو پھر مہنگے داموں بیچا جائے، یہ ذخیرہ اندوزی گناہ کبیرہ ہے، جو لوگ ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں، گندم، چاول، دال وغیرہ کی بوریاں سٹور کر دیتے ہیں یہ لوگ خدا کو پسند نہیں ہیں ان لوگوں کو سزا ملے گی۔

لیکن ان سے بڑے مجرم وہ ہیں جو عزت کے ذخیرہ اندوز ہوتے ہیں جو عزت کی بوریاں بھر بھر کے گھر میں رکھتے ہیں، سمجھتے ہیں عزت کا قحط پڑا ہوا ہے، جو لوگ ذخیرہ اندوز تھے آج ان کا نام لینا بھی ننگ و عار ہے لیکن جنہوں نے اپنی عزت کی بوریاں کھول کے لٹانا شروع کردیں کوفہ اور شام کے بازاروں میں اپنی عزت کو روانہ کردیا خدا نے قیامت تک کیلئے ان کو عزت کا منبع بنا دیا۔

۱۰۔ کاذب عزت کے بچانے والے

کوفہ والوں نے ہزاروں کی تعداد میں خطوط لکھ کر امام حسین علیہ السلام کو بلایا لیکن جب عبید اللہ بن زیاد کوفہ آیا تو انھوں نے احساس کیا کہ یہ عبید اللہ بڑا بے غیرت آدمی ہے اب تو جان سے بڑھ کر عزت خطرے میں پڑ گئی، انھوں نے بے وفائی کی کیونکہ اقدار بگڑی ہوئی تھیں انھیں عزت کا صحیح مفہوم معلوم نہیں تھا، اپنے گمان میں اپنی جھوٹی عزتیں بچالیں، اس لئے کہ انھیں معلوم تھا کہ ابن زیاد شرابی، کبابی، زانی سب کچھ کرسکتا ہے اگر ہم امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دیں تو ہمارے گھروں کو جلا دے گا، ہمارے بچوں کو یتیم کردے گا، اس سے ہماری بہت بے عزتی ہوجائے گی، لوگ ہمارے بارے میں کیا کہیں گے۔

لہٰذا انھوں نے کاذب اور معصیت کارانہ عزت کے تالے اپنے گھروں پر ڈال دیئے اور اندر ہی دبک کر بیٹھ گئے لیکن اتنا زمانہ گزرنے نہیں پایا تھا کہ حسین ابن علی علیہما السلام نے ان پر واضح کردیا کہ یہ ذلت کے تالے ہیں جو انھوں نے اپنے گھروں پر لگائے ہوئے ہیں امام حسین علیہ السلام نے عزت کے مردہ پیکر میں روح ڈال کر عزت کا حقیقی مفہوم روشن کردیا۔

وہ لوگ جو اپنی بہو بیٹیوں کی خاطر اپنے گھروں میں چھپ کے بیٹھ گئے تھے جب انھوں نے امام حسین علیہ السلام کی بہو، بیٹیاں، کوفہ اور شام میں اسیر دیکھیں تو انھیں معلوم ہوا کہ عزت کس کو کہتے ہیں انہیں لوگوں نے چار ہزار(۱) کا لشکر بنایا اور اپنے گھروں سے نکل گئے، جا کر یزید کے لشکر سے اس طرح لڑے کہ چار ہزار کے لشکر میں سے کہا جاتا ہے کہ چار افراد تک بھی باقی نہ بچے، سب کے سب بہادری کے جوہر دکھلاتے ہوئے اس راہ میں قربان ہو گئے لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

عزت کا مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے امام عزت کا ساتھ چھوڑ دیا تھا لیکن جب امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں عزت کے معنی بتا دیے تو اب لوگوں کیلئے گھروں میں بیٹھنا ننگ و عار ہو گیا، ان کو اپنی بہو، بیٹیوں اور یتیموں کا خیال نہ رہا وہ سمجھ گئے کہ یہ زندگی جو ہم نے اختیار کر رکھی ہے ذلت کی زندگی ہے اس سے موت بہتر ہے۔

یہ درسگاہِ کربلا، معلم کربلا ور معلم اقدار کا درس ہے فرمایا:

اريد ان آمر بالمعرف وانهى عن المنكر

میں معروف کو زندہ کرنا چاہتا ہوں اور اقدار کو زندہ کرنا چاہتا ہوں، لوگوں کو منکرات سے دور کرنا چاہتا ہوں، ذلت کی زندگی منکرات کی زندگی ہے، ذلت کی زندگی انسانی زندگی نہیں ہے۔

---

(۱)۔ توابین کا خروج مراد ہے، وہ چار ہزار کا لشکر جو سلیمان ابن صرد خزاعی کی قیادت میں نکلا، کربلا آ کر فرات سے غسل کیا، روتے ہوئے توبہ کی اور آخر کار لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

ذلت کی زندگی میں اگر چہ سلام ہوتا رہے، نوکریاں بھی سلامت رہیں سر بھی سلامت رہیں، گھر بھی سلامت رہیں سب کچھ سلامت رہے لیکن ذلت حیات کا نام نہیں۔

هیهات منا الذلة اگر ذلت اور حسین علیہ السلام ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، تو ذلت اور پیروئے حسین علیہ السلام بھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، وہی عزت کا معنی جو امام حسین علیہ السلام نے سکھایا، حسینی کے اندر بھی وہی عزت موجود ہو، جس طرح امام حسین علیہ السلام نے عزت کو انتخاب کیا اسی طرح حسینی بھی ہمیشہ عزت کو ترجیح دے گا، عزت ذخیرہ اندوزی سے نہیں بنتی بلکہ عزت راہِ خدا میں پیش کرنے سے بنتی ہے، اس لئے جان کے شہید سے شہیدِ عزت زیادہ عزیز ہوتا ہے، امام حسین علیہ السلام شہیدِ جان بھی بنے اور شہیدِ عزت بھی، امام حسین علیہ السلام نے تمام شہادتیں پائیں ہیں، وہی عزت جس کو آج ہم نے سنبھال کر رکھا ہوا ہے امام حسین علیہ السلام نے عزت کی ذخیرہ اندوزی نہیں کی۔

حضرت ام سلمیٰؓ نے آپ کو مشورہ دیا بیٹا اگر تم راہِ خدا میں جانا ہی چاہتے ہو تو مردوں کو لے جاؤ لیکن خواتین کو نہ لے جاؤ، خواتین کا اس سفر میں کیا کام ہے؟ آپ نے فرمایا:

يا اماه شاء الله ان يراني قتيلا۔ شاء الله ان يراهن سبايا(۱)

اماں جان! میں اقتدار کی جنگ لڑنے نہیں بلکہ اقدار کی جنگ لڑنے جا رہا ہوں، اور عزت اور ناموس کے معنیٰ بھی سمجھانا ہیں اور لوگوں کو درسِ عزت بھی دینا ہے۔ ایک تو میں درسِ عزت دوں گا اور اس کے ساتھ ساتھ میرے بیٹے، میرے بھائی، میرے باوفا اصحاب بھی درس عزت دیں گے۔

(۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام ص ۳۲۹۔

کاذب عزت سکھانے والے

لیکن میں بہنوں، بیٹیوں کو بھی لے کر جا رہا ہوں تا کہ وہ بھی لوگوں کو درس عزت سکھائیں کہ عزت کیسے بنتی ہے اور ذلت کیسے، ذلت کن کے دامن گیر ہوتی ہے اور عزت کن کے دامن گیر ہوتی ہے، لہٰذا امام علیہ السلام نے اپنی بہنوں، بیٹیوں کو ساتھ لیا اور اس میدانِ اقدار میں آگئے اقدار کی جنگ لڑی، آپ نے اقدار کو فتح کیا اور منکرات کو شکست دی۔

انفاق

چوتھی قدر

۱۔انفاق تمام فضائل کا سرچشمہ

۲۔انفاق در قرآن

۳۔انفاق عاشورائی قدر

۴۔رابطوں کی اساس

۵۔دین سے رابطوں کی نوعیت

الف۔معیشت کا رابطہ

ب۔ہدایت اور اطاعت کا رابطہ

ج۔دعا کا رابطہ

د۔انفاق کا رابطہ

۶۔حضرت علی علیہ السلام اسوۂ انفاق

۷۔حضرت زہرا سلام اللہ علیہا انفاق کا نمونہ

۸۔غیر معصوم افراد کا تذکرہ

الف۔حضرت خدیجہ مکہ کی مالدار خاتون

۱۔اسلام اپنی حقانیت سے پھیلا

۲۔حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کا انفاق

ب۔انصار کا انفاق

۹۔انفاق کی حدود میں وسعت

۱۰۔امام حسین علیہ السلام انفاق کی عملی تفسیر

۱۔ انفاق تمام فضائل کا سر چشمہ

حضرت امام حسین علیہ السلام نے معرکہ اقدار میں جن عاشورائی اقدار کو فتح کیا، ان میں سے ایک اہم ترین قدر انفاق ہے۔ انفاق یعنی خداوند تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا، خدا کی راہ میں کسی شئے سے گزر جانا انفاق کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تقریباً سو سے زیادہ مقامات پر تاکید فرمائی کہ سب سے بڑھ کر وہ منفقین ہیں جو اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنے نفوس سے گزر جاتے ہیں اور وہ لوگ جو کچھ بھی انفاق نہیں کرتے، ان دو میں تقابل اور موازنہ بھی کیا کہ انفاق کرنے والے اور انفاق نہ کرے والے خدا کے ہاں برابر نہیں ہیں بلکہ جتنی بھی فضیلتیں خداوند تعالیٰ نے انسان کیلئے ذکر کی ہیں انفاق کو اساس اور بنیاد قرار دیا ہے، اگر وصف انفاق اور خصلت انفاق انسان کے اندر موجود ہو تو باقی اقدار و اوصاف کا بھی انسان کو کوئی فائدہ ہے ورنہ اگر انفاق کی صفت سے انسان خالی ہو تو باقی تمام اقدار بے معنیٰ اور بے فائدہ ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لن تنالو البر حتیٰ تنفقو ا مما تحبّون (۱)

جب تک تم اپنے محبوب (خدا کی راہ) میں انفاق نہیں کرتے مقام بر تک نہیں پہنچ سکتے۔

گویا انفاق تمام فضیلتوں کا سر چشمہ ہے۔ علم، حلم، تقویٰ، شجاعت، عدالت، غیرت، عزت......
م انسانی فضائل اس وقت انسان کیلئے فائدہ مند ہیں کہ جب ان سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں چ کیا جائے۔

انفاق تمام فضائل کا سر چشمہ

۱۔ سورۃ آل عمران ۹۲۔

انفاق کے مقابلے میں بخل ہے، بخل ذخیرہ اندوزی کا نام ہے اللہ تعالٰی کی راہ میں خرچ نہ کرنے کو بخل کہا جاتا ہے، دنیا کی محبت انسان کو بخل اور ذخیرہ اندوزی کی طرف دعوت دیتی ہے، حدیث شریف میں آیا ہے۔

حب الدنیا رأس کل خطیئة (۱) دنیا سے محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

۲۔ انفاق در قرآن

جیسا کہ تحریر کر چکے ہیں کہ قرآن کریم میں تقریباً سو سے زیادہ مقامات پر انفاق کا تذکرہ ہوا ہے۔ سب سے پہلے سورہ بقرہ کے آغاز میں ہی جب خداوند تبارک وتعالٰی نے مؤمنین اور متقین کے اوصاف بیان فرمائے، پہلا وصف ایمان بالغیب اور اقامہ صلوٰۃ ہے اور اس کے بعد فرمایا:

ومما رزقنهم ینفقون (۲)

جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اسے راہِ خدا میں خرچ اور انفاق کرتے ہیں۔

اگر قرآن مجید کا آخر تک، دقت اور غور کے ساتھ مطالعہ فرمائیں تو آپ کو انفاق کا مرتبہ ومقام معلوم ہوجائے گا۔

(۱)۔ مثلُ الذین یُنفِقُونَ اَموالَهم فی سَبیلِ اللّٰهِ کَمَثلِ حبّةٍ اَنبَتَتْ سَبعَ سَنابلَ فی کلّ سُنبلةٍ مِائةُ حبّةٍ، وَاللّٰه یضاعِف لمَن یشاءُ واللّٰه واسِع علیم۔ (۳)

---

(۱)۔ اصول کافی، ج ۲ ص ۳۱۵۔

(۳،۲)۔ سورۂ بقرہ آیت ۳، ۲۶۱۔

جولوگ راہ خدا میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں ان کے عمل کی مثال اس دانہ کی ہے جس سے سات بالیاں پیدا ہوں اور پھر ہر خوشے میں سوسو دانے ہوں اور خدا جس کیلئے چاہتا ہے اضافہ بھی کردیتا ہے کہ وہ صاحب وسعت بھی ہے اور علیم ودانا بھی۔

(۲)۔ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ اموالهمُ ابتغِاءَ مَرضاتِ اللّٰهِ و تثبيتاً مِن انفُسِهم كَمثل جَنَّةٍ بِربوةٍ اَصَابَها وابلٌ فَاَتَتْ اُكُلَها ضِعفَين فَان لَّم يُصِبها وَابلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰه بما تعمَلُون بصيرٌ۔(۱)

اور جولوگ اپنے اموال کو رضائے خدا کی طلب اور اپنے نفس کے استحکام کی غرض سے خرچ کرتے ہیں ان کے مال کی مثال اس باغ کی ہے جو کسی بلندی پر ہو اور تیز بارش آکر اس کی فصل کو دوگنا بنادے اور اگر تیز بارش نہ آئے تو معمولی بارش ہی کافی ہو جائے اور اللہ تمہارے اعمال کی نیتوں سے باخبر ہے۔

(۳)۔ يا ايها الذين آمنُوا اَنفِقوا من طَيّباتِ مَا كَسَبْتُم و مِمّا اَخرَجْنَا لَكم من الأرضِ ولا تَيمّمُوا الخبيثَ منه تنفقون ولستُم بآخِذِيهِ الّا اَن تُغمِضوا فيه وَاعلَموا ان اللّٰه غنّى حميدٌ ۔ الشَيطانَ يَعدكم الفقرَ ويأمُرُكم بالفحشآءِ واللّٰه يَعِدكم مَغفِرةً مِنه وفَضلاً واللّٰه واسِع عليم ۔(۲)

اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لئے پیدا کیا ہے سب

(۱)۔سورۂ بقرہ آیت ۲۶۵۔

(۲)۔سورۂ بقرہ آیت ۲۶۷، ۲۶۸۔

میں سے راہِ خدا میں خرچ کرو اور خبردار انفاق کے ارادے سے خراب مال کو ہاتھ بھی نہ لگانا کیونکہ اگر یہ مال تم کو دیا جائے تو آنکھ بند کئے بغیر ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے، یاد رکھو کہ خدا سب سے بے نیاز ہے اور سزاوارِ حمد وثنا ہے۔ شیطان تم سے فقر وفحشا کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ فضل واحسان کا وعدہ کرتا ہے، خدا صاحبِ وسعت بھی ہے اور علیم ودانا بھی۔

(۴)۔......وَمَا تُنفقوا مِن خير فلأَ نفسِكُم وَمَا تُنفِقُونَ الاّ ابتغِاءَ وَجهِ اللّٰه وَمَا تُنفِقُوا مِن خير يُوفَ اِليكُم وَاَنتُم لا تُظلمونَ۔......وَما تنفِقوا مِن خيرٍ فانّ اللّٰه به عليم۔الَّذِين ينفقون أموالهم بالّيل والنّهارِ سِراً و عَلانِيةً فلَهم اَجرُهم عند رَبّهم ولا خوفٌ عليهم ولا هُم يحزنون۔(۱)

اور جو مال بھی تم راہِ خدا میں خرچ کرو گے وہ دراصل اپنے لئے ہی ہوگا اور تم تو صرف خوشنودی خدا کیلئے خرچ کرتے ہو اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ پورا پورا تمہاری طرف واپس آئے گا اور تم پر کسی طرح کا ظلم نہ ہوگا اور تم لوگ جو کچھ بھی انفاق کرو گے خدا اسے خوب جانتا ہے جو لوگ اپنے اموال کو راہِ خدا میں رات میں، دن میں خاموشی سے اور علی الاعلان خرچ کرتے رہیں ان کیلئے پروردگار کے پاس اجر ہے اور انہیں نہ کوئی خوف ہوگا نہ حزن۔

۳۔انفاق عاشورائی قدر

انفاق اور اسی طرح دوسری اقدار عاشورا کی وجہ سے زندہ ہوئیں اس لئے ان کو عاشورائی اقدار کہا جاتا

(۱)۔سورۂ بقرہ آیت ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴۔

ہے ورنہ یوں نہ سوچنا کہ یہ اقدار دوسرے ائمہ معصومین علیہم السلام نے زندہ نہیں کیں یا یہ اقدار دیگر معصومین علیہم السلام کی زندگی میں نہیں تھیں یا ان کا مطمع نظر اور مقصدِ تبلیغ نہیں تھا۔

تمام انبیاء علیہم السلام اور ائمہ علیہم السلام بلکہ تمام اولیاء اور علماء حق کہ جو انبیاء کے وارث ہیں، نے ان تمام اقدار کو لوگوں میں روشناس کرایا لیکن جس طرح سید الشہداء علیہ السلام نے ان اقدار کو روشناس کرایا جس طریقے سے ان اقدار کو زندہ کیا، کسی اور نے ان کو زندہ نہیں کیا اس لئے یہ حق بنتا ہے کہ ان اقدار الٰہی کو ہم عاشورائی اقدار کہیں ان کو اقدار حسینی علیہ السلام کہیں، چونکہ ان اقدار کی جڑوں میں حسین علیہ السلام کا خون ہے، حسین علیہ السلام کی اولاد کا لہو ہے، حسین علیہ السلام نے ان کی جڑوں میں اپنی عزت و آبرو دے کر ان اقدار کو پروان چڑھایا ہے لہٰذا اگر آج لوگ ان اقدار سے متصف ہیں تو یہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے طفیل ہے۔

۴۔ رابطوں کی اساس

لوگوں کا دین سے ایک رابطہ ہے، اور اللہ تعالیٰ سے بھی ایک رابطہ ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور ائمہ علیہم السلام سے لوگوں کے روابط تھے لیکن آیا یہ روابط معروف کی بنیاد پر برقرار تھے یا منکر کی اساس پر برقرار تھے، دیکھئے، ہمارے بھی آپس میں روابط ہوتے ہیں، انسانوں کے بعض روابط کو ہم اچھے جبکہ بعض کو غلط روابط کا نام دیتے ہیں، حتیٰ کہ کنایہ اور مجاز کے طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں کے فلاں کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں، تعلق اور رابطہ تو ہے لیکن تعلق اور رابطہ کی نوعیت کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔

ہر تعلق تو اچھا نہیں ہوتا، ہر رابطہ پسندیدہ نہیں ہوتا، اچھے تعلقات اور روابط وہ ہیں جو معروف

کی اساس پر قائم ہوں ناجائز تعلقات اور روابط وہ ہیں جن کی نوعیت اچھی نہ ہو جن کی بنیاد منکر پر استوار ہو لہذا انسانوں کے آپس میں تعلقات اور روابط اگر شہوت کی بنیاد پر استوار ہو جائیں تو یہ ناجائز تعلقات ہیں اور غضب کی بنیاد پر استوار ہوں تو اس تعلق کو دشمنی کہا جاتا ہے دشمنی، نفرت و کینہ ایک ایسا تعلق جس کی بنیاد غضب ہے، دوستی اچھا تعلق ہے اگر اس کی بنیاد شہوت، لالچ اور طمع نہ ہو انسانوں کے تعلقات ان دو حالتوں سے خالی نہیں ہیں، یا جائز اور صحیح تعلقات ہیں کہ جن کی بنیادیں اچھی ہیں یا ناجائز تعلقات اور روابط ہیں کہ جن کی بنیادیں بری ہیں۔



اسی طرح لوگوں کا اللہ تعالیٰ سے بھی رابطہ ہے، دین سے بھی رابطہ ہے، معصوم سے بھی رابطہ ہے اگر یہ روابط معصومین علیہم السلام کے شایان شان ہوں تو صحیح اور جائز ہیں اگر ایسا نہ ہو تو غلط اور نادرست رابطہ ہے لہذا پیشوا کے ساتھ جیسا رابطہ برقرار کرنا چاہیے اگر ہم نے برقرار کرلیا تو صحیح رابطہ ہے اگر اس رابطہ کو توڑ کر دوسرے ہزار روابط برقرار کرلے تو غلط اور نادرست رابطے ہیں۔



۵۔ دین سے رابطوں کی نوعیت

الف۔ معیشت کا رابطہ

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک اہم خطبہ کے اندر یہ جملہ بیان فرمایا کہ لوگ اس وقت تک دین کے ساتھ ہیں اور ان کی زبانوں پر اس وقت تک کلمہ دین ہے جب تک ان کی معیشت دین سے پوری ہو رہی ہو لیکن جس دن ان کی معیشت دین سے فراہم نہ ہو، ان کی شخصیت اور حیثیت دین سے نہ بنے اس دن آپ دیکھیں گے دین ان کی زبانوں پر فقط ایک تذکرہ اور ترانہ بن کر رہ جائے گا، فقط

ایک جملہ ہوگا جوان کے لب سے ادا ہوگا اوراس کے علاوہ دین نام کی کوئی چیز نہیں ہوگی۔

امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

انّ النّاس عبید الدنیا والدّین لعق علیٰ السِنتِھم یحو طونہ مادرّت معائشھم ، فاذا مخصوابالبلاء قلّ الدیّانون (۱) لوگ دنیا کے بندے (غلام) ہیں۔دین ان کی زبانوں پرفقط ایک کلمہ اور لقلقہ زبانی بن کررہ گیا ہے جب ان کو آزمایا جائے تو دیندار بہت کم رہ جائیں گے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے یہ خطبات نہ صرف تعلیم دے رہے تھے بلکہ امام حسین علیہ السلام نے جب مشاہدہ فرمایا کہ اقتدار کی جنگ پر منکرات کی حکومت قائم ہونے لگی تو آپ نے قیام بھی کیا اور یہ بھی فرمایا کہ لوگ اپنی معیشت کیلئے دیندار بنے ہوئے ہیں لوگ دین سے اپنی معاش کمانے کے چکر میں ہیں لیکن اگرانہیں آزمایا جائے اور معاش کو دین پر قربان کرنے کی نوبت آجائے تو پھر دیکھنا کہ قلّ الدیّانون ...... اس وقت دیندار بہت کم رہ جائیں گے۔

یہ حضرت کا کلام ہے اور کربلا میں جو کچھ ہوا وہ سیرت تھی لہٰذا کردار وگفتار دونوں کے ذریعے سے بتا رہے ہیں کہ دیندار بہت کم تھے حضرت امام حسین علیہ السلام نے مدینہ میں دیکھا کہ کتنے دیندار ہیں مسجد نبوی میں نماز جماعت کی بڑی بڑی صفیں لگتی ہیں آج بھی جا کر دیکھیں تو الحمداللہ! مسجد نبوی معماری کا عالی ترین نمونہ ہے اور فخر کے ساتھ ساری دنیا میں اسکی فلم بھی دکھائی جاتی ہے کہ ہم نے مسجد نبوی کو کیسا عظیم تعمیر کیا ہے عظمت وشکوہِ اسلام کو اس کی معماری سے ثابت کرنا چاہتے ہیں پھر اس کے اندر صف جماعت کو دیکھیں تو اتنی عظیم اور بڑی مسجد بھی نمازیوں کیلئے ناکافی

(۱)۔موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام،ص۳۵۶۔

ہوجاتی ہے لیکن یہی نمازی جو مسجد نبوی میں اتنی لمبی لمبی صفیں باندھ کر نماز پڑھتے تھے، جب ان کو آزمایا گیا، ان کو دین کیلئے بلایا گیا، تو جب تک دین ان کو معیشت دیتا رہا تو مسجد نبوی بھری رہی مسجد نبوی کی رونق باقی رہی لیکن جب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا، کہ وہ دین سے لینے کا وقت تھا اب دین کو دینے کی باری آئی ہے اب امتحان کا وقت آ گیا ہے تو وہی لمبی لمبی صفیں کم ہو کر حضرت کے ساتھ فقط بہتر (۷۲) افراد رہ گئے، اسی طرح مکہ میں امام حسین علیہ السلام نے یہ مشاہدہ فرمایا کہ لوگ حج کیلئے احرام باندھے ہوئے ہیں دین کے اتنے دلدادہ ہیں کہ احرام اتارنے کیلئے تیار نہیں ہیں لیکن جب دین نے ان سے کہا ابھی احرام باندھنے کی بجائے کفن باندھنے کا موقع آیا ہے تو قلّ الدّیانون...... دیندار بہت کم رہ گئے، وہ لوگ جو غنیمت بٹورنے کیلئے، اور دین سے اپنی معاش حاصل کرنے کیلئے حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ چلے تھے، جب وہ کوفہ کے دوراہے پر پہنچے، تو حضرت نے فرمایا کہ اگر تم میرے ساتھ یہاں تک اس لالچ میں آئے ہو کہ حسین علیہ السلام کے صدقے کچھ مل جائے گا تو جان لو کہ ابھی حسین علیہ السلام کے صدقے میں کچھ لینے کی بجائے دینے کی باری ہے۔

من کان باذلا فینا مُهجته ......(۱)

کون ہے جو ہماری خاطر اپنا خون پیش کرے۔ تو آزمائش کی گھڑی میں دیندار بہت کم رہ جاتے ہیں

ب۔ ہدایت اور اطاعت کا رابطہ

زیادہ تر لوگوں کا دین کے ساتھ معیشت کا رابطہ ہوتا ہے تاریخ میں ان کے نمونے فراوان ہیں۔ اسی طرح بہت سے لوگوں نے انبیاء علیہم السلام اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے ساتھ بھی مختلف قسم کے

(۱)۔ موسوعۃ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۳۲۸۔

روابط برقرار کرنے کی کوشش کی چونکہ جب اصل رابطے سے لوگ ہٹ جاتے ہیں، تو دوسرے روابط بڑھانے کے چکر میں لگے رہتے ہیں لہٰذا نبی کریم ﷺ کے ساتھ بھی مختلف قسم کے روابط بڑھانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔

آجکل بھی یہی طریقہ ہے اگر کسی صاحب حیثیت انسان سے کوئی کام نکلوانا ہو تو اس کے ساتھ روابط بڑھانا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی حکمران یا کوئی صاحب منزلت و مقام ہو تو لوگوں کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طریقے سے اس کے ساتھ اچھے تعلقات برقرار کریں تا کہ بوقت ضرورت کام آجائیں، روابط کے ذریعے آگے بڑھنا چاہتے ہیں، روابط سے اپنی مشکلات حل کرنا چاہتے ہیں خدائے تبارک وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا تو لوگوں نے روابط بڑھانا شروع کر دیے، کوئی منہ بولا بیٹا بن گیا، کوئی سسر بن گیا، کوئی داماد بن گیا، کوئی کیا بن گیا اور کوئی کیا بن گیا، کوئی اپنی لڑکی دینے کے چکر میں تھا، کوئی لڑکی لینے کے چکر میں تھا تا کہ اسطرح نبی کریم ﷺ کے ساتھ رابطہ برقرار ہو جائے شاید ضرورت کے دن یہ رابطے ہمیں فائدہ دیں یہ روابط تو استوار کر لئے گئے لیکن جب موقع آیا تو یہ رابطہ کسی کام نہ آیا، اگر صرف اسی بنیاد پر روابط برقرار کر لئے جائیں تو یہ غیر مطلوبہ تعلقات ہیں ہادی کے ساتھ جب رابطہ برقرار کرنا ہو، تو سسر اور داماد کا رابطہ نہیں بلکہ ہدایت اور اطاعت کا رابطہ ہونا چاہیے۔ لہٰذا خداوند نے فرمایا، اگر کعبہ کے ساتھ رابطہ برقرار کرنا چاہتے ہو تو حاجیوں کو پانی پلانے والے اور چابی بردار نہ بنو بلکہ اللہ کی راہ میں انفاق کرو آپ کا کعبہ کے ساتھ رابطہ ہو جائے گا۔

ج۔ دعا کا رابطہ

خداوند تبارک تعالیٰ نے انسان کو ایک بہت بڑی توفیق اور نعمت سے نوازا ہے، وہ نعمت دعا ہے، دعا خدا کے ساتھ ارتباط کا نام ہے، خدا کے ساتھ بہترین رابطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واذا سئلك عبادي عني فاني قريب اجيب دعوة الداع اذا دعان فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي لعلهم يرشدون (۱)

اور اے پیغمبر اگر میرے بندے تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں ان سے قریب ہوں پکارنے والے کی آواز سنتا ہوں، جب بھی پکارتا ہے لہٰذا مجھ سے طلب قبولیت کریں اور مجھ پر ہی ایمان واعتقاد رکھیں کہ شاید اس طرح راہِ راست پر آجائیں۔

اس پکار و دعا کے معنی کیا ہیں؟ ہمارے روابط کی بنیاد عام طور پر یہ ہوتی ہے کہ ان روابط کے ذریعے سے اپنی مشکلات کو حل کریں، روابط کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے ایک مثال یہ ہے، آپ فرض کریں کہ کوئی بہت ہی علمی، دینی، مذہبی سیاسی اور سماجی شخصیت ہیں تو لوگ چاہتے ہیں کہ ایسی شخصیت کے قریب ہو جائیں۔

ویسے بھی جو لوگ بڑی شخصیت کے مالک ہوتے ہیں ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دنیاوی مقام والوں سے روابط بڑھائیں خصوصاً اگر مغربی اقوام سے ایسے لوگ مل جائیں تو یہ اور اچھی بات سمجھی جاتی ہے۔

---

(۱)۔ سورۃ بقرہ آیت ۱۸۶۔

اس پر فخر محسوس کرتے ہیں کہتے ہیں ہمارے فلاں فلاں کے ساتھ اتنے روابط ہیں کہ وہ ہمارے گھر آتے ہیں ہم انکے گھر جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں روابط بڑھانے کا رائج طریقہ یہ ہے کہ ہم القابات سے مزین تعارفی کارڈ کہ جس پر ایڈریس، فون، فیکس اور ای میل نمبرز درج ہوں ایک دوسرے کو دیتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے اگر کسی دن آپ مجھ سے رابطہ کرنا چاہیں تو اس نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں میں یہ کارڈ لے لیتا ہوں، کئی سال گزرنے کے باوجود رابطے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی لہٰذا کسی قسم کا رابطہ نہیں کرتا لیکن اتفاق سے میں کسی مشکل میں پھنس گیا اور نکلنے کے تمام راستے بند نظر آنے لگے، اچانک مجھے یاد آیا فلاں صاحب کا کارڈ میرے پاس کئی سالوں سے پڑا ہے اگر اس کو فون کردوں تو میری مشکل حل کر سکتا ہے لہٰذ فوراً میں نے اس سے رابطہ کیا، پھر اپنی مشکل کا ذکر کیا، وہ بھی بڑا نیک انسان تھا فوراً میری مشکل حل کر دی پھر مجھے دوسری مرتبہ ضرورت پڑی، کسی کو میں نے نوکری دلوانی ہے، ملازمت دلوانی ہے تو اس مہربان آدمی سے رابطہ کیا، انھوں نے یہ مشکل بھی حل کروادی۔

اسی طرح جب بھی مجھے ضرورت پڑتی ہے ویزہ لینا ہوا ان سے رابطہ کیا، ویزہ دلوادیا، کبھی مجھے سکونت کی ضرورت پڑی، انہوں نے مکان دلوادیا، خلاصہ یہ کہ جس بھی ضرورت کیلئے ان سے رابطہ کیا انھوں نے پوری کر دی دیکھئے یہ کارڈ انھوں نے مجھے صرف رابطہ برقرار رکھنے کے لیے دیا تھا لیکن میں نے اس رابطہ کو اپنی ضروریات کی تکمیل، اور اپنی خواہشات تک پہنچنے میں استعمال کیا

حالانکہ رابطہ برقرار کرنے کی غرض صرف یہ تھی کہ تم بھی ایک شخصیت ہو اور میں بھی، لہٰذا دو شخصیتوں کے درمیان رابطہ ہونا چاہئے، لیکن میں نے اس رابطے سے غلط فائدہ اٹھا کر اس کو اپنی

خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنا دیا۔

خدا نے ہمیں اس قابل سمجھا کہ انسان کو اپنا ہم کلام بنائے، لہٰذا خدا نے اپنا رابطہ نمبر دیا کہ اے نبی! جو میرے بارے میں پوچھے اسے کہہ دو کہ میں قریب ہوں۔

و اذا سئلك عبادی عنی فانی قریب......

انھیں کہہ دو کہ جب بھی مجھے پکاریں میں ان کی سن لوں گا۔

......اجیب دعوة الداع اذا دعان!......





لیکن میں نے اپنے اللہ کے ساتھ اس رابطے کو اپنی خواہشات کی تکمیل میں بدل دیا، خدا بھی چونکہ بہت کریم ہے لہٰذا میری ضروریات کی تکمیل کرتا رہا، ایک دن بھی میں نے دعا کے ذریعے سے خدا کو خدا کیلئے نہیں پکارا، جب بھی پکارا، اپنی خواہشات کی تکمیل اور اپنی ضروریات کی تکمیل کیلئے پکارا لیکن اللہ نمبر دے کر منتظر ہے کہ کسی دن مجھے میرا بندہ صرف میرے لئے بلائے میں اس کو ہاں کروں، صرف اللہ کہہ دے اور اس سے پوچھوں، میرے بندے مجھے بلایا ہے، تو کہے فقط اللہ کیلئے، فقط تیرے لئے تجھے بلایا ہے۔

یہ نہ کہے کہ درد کی وجہ سے، یہ نہ کہے کہ پیاس اور بھوک کی وجہ سے، نرمی اور سختی کی وجہ سے، غربت و افلاس کی وجہ سے...... تجھے بلایا ہے تو صرف تجھے ہی بلایا ہے، تیرے لئے ہی بلایا ہے۔ ادھر سے یہ انتظار ہے، لہٰذا اگر بندہ رابطہ برقرار کرنا چاہتا ہے تو اس قسم کا رابطہ ہونا چاہیے، تو یہ جائز تعلقات ہیں اگر چہ خدا، خالق، قدیر اور مالک ہے کسی بھی ضرورت کیلئے اسے پکارا جائے تو پوری کر دیتا ہے۔

اگر آپ کا کسی بڑی شخصیت سے رابطہ ہے، تو وہ بھی تمام ضروریات کو پورا کر دیتی ہے، تو اللہ تعالٰی تو رب ہے رب کا کام ربوبیت ہے آپ مانگیں نہ مانگیں ربوبیت کو اس نے ظاہر کرنا ہی ہے

آجکل ہمارے ملک کی یہ ثقافت بن چکی ہے کہ دفتروں میں جن لوگوں کو جو کام سونپا گیا ہے وہ اپنی ذمہ داریاں اور فرائض پیسہ لے کر سرانجام دیتے ہیں ایک چھوٹا سے دستخط بھی رشوت لیکر کرتے ہیں، اس لئے کہ آجکل یہ کلچر بن چکا ہے۔





لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ رشوت کے بغیر کہیں بھی کام نہیں نکلتا ہے جب تک میں پانچ روپے صدقات کے صندوق میں نہ ڈالوں خدا بھی اپنی ربوبیت انجام نہیں دے گا ایسا ہرگز نہیں تم اپنے پانچ روپے اپنی جیب میں رکھو، تم کافر، منافق اور مشرک بن جاؤ، رب کی ربوبیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس نے تمہیں سب کچھ دیا ہے، اس نے تمہیں بلا مانگے آنکھیں دیں، بغیر مانگے ہاتھ پاؤں دیئے، بن مانگے ساری نعمتیں دیں ہیں، وہ تو اپنی ربوبیت کا مظاہرہ کرتا رہے گا جب تم بیمار ہوتے ہو تو اس ہستی کو نہ بھی پکارو تب بھی وہ شفاء دے گا، اس لئے کہ وہ خالق ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے ہمیں ہستی دی ہے، اس نے ہمیں پیدا کیا ہے، ربوبیت کے معنی یہی ہیں کہ اس نے ہمیں صحت دی ہے لہٰذا جس طرح اس کی خالقیت مشروط نہیں، اس کی ربوبیت بھی مشروط نہیں، اس کی کوئی صفت بھی مشروط نہیں ہے بلکہ مشروط تو ہمارے کام ہیں۔

خدا نے یہ نہیں کہا کہ جب تک میری چاپلوسی نہیں کرو گے میں تمہیں کچھ بھی نہیں دوں گا، ہاں عبادت کا ضرور کہا ہے کہ میری عبادت کرو، لیکن چاپلوسی اور عبادت میں فرق ہے اگرچہ خدا یہ بھی نہیں کہتا کہ جب تک تم میری عبادت نہیں کرو گے میں تمہیں کچھ بھی نہیں دوں گا تم عبادت کرو یا نہ

کر وہ دے گا لیکن عبادت کا فائدہ ہمیں پہنچتا ہے، ہاں یہ ضرور کہا کہ تم میری معرفت حاصل کر کے میری بارگاہ میں جھک جاؤ، میں تمہارے اوپر اپنی ربوبیت نثار کردوں گا، اپنی رحمت نثار کردوں گا۔

د۔ انفاق کا رابطہ

وہ رابطہ جس کی بنیاد فقط لینے پر ہو جب دینے کی باری آتی ہے تو ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا دین کے ساتھ جو رابطہ انسان کو رکھنا چاہیے وہ انفاق اور دینے کا رابطہ ہے لہٰذا خداوند نے فرمایا! کہ تم میری راہ میں خرچ کرو، یعنی دینے کا رابطہ برقرار کرو، ہمیشہ لینے کے توقع نہ کیا کرو۔

اسی بناء پر امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگوں کا دین کے ساتھ معیشت اور لینے کا رابطہ ہے ایسے لوگوں کی جب معیشت، خطرے میں پڑ جائے، جب نوکری اور ملازمت خطرے میں پڑ جائے جب فیس اور لوگوں کی 'واہ واہ' کے نعرے خطرے میں پڑ جائیں تو دین کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔

قل الدّیانون...... دیندار فقط انگشت شمار رہ جاتے ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رابطہ برقرار کرنا ہے، اگر ائمہ معصومین علیہم السلام کے ساتھ روابط جوڑنے ہیں تو ان کی بنیادوں کو دیکھنا چاہیے

اگر یہ روابط دین پر استوار نہ ہوں، معیشت اور دنیاوی مقاصد کے حصول پر استوار ہوں تو جلدی ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس لئے کہ جب تک ان سے مقاصد پورے ہوتے رہے، ضرورت اور معیشت پوری ہوتی رہی تو روابط برقرار رہیں گے لیکن جب دینے کا مرحلہ آجائے، تو برقرار نہیں رہیں گے، اگر انسان کو معلوم ہوجائے کہ اس کے مقاصد ان کے علاوہ اور کہیں سے بھی پورے ہوتے ہیں تو انسان ادھر کا رخ کر لیتا ہے۔

آج روابط کی نوعیت وہی منکر ہے کہ جس کے خلاف امام حسین علیہ السلام نے قیام کیا اور جس منکر کو روک کر انفاق جیسی قدر کو زندہ کیا، آج وہی منکر دوبارہ نظر آتا ہے۔ ہم نے ائمہ معصومین علیہم السلام کے ساتھ روابط کی بنیادیں اپنی خواہشات اور ضروریات کو پوری کروانے پر رکھی ہیں صرف اپنے کاروباران کے ذریعے سے چلاتے ہیں اپنی صحت وسلامتی کی ضمانت ان سے لیتے ہیں لیکن کبھی انھوں نے یہ فرمادیا کہ ہم نے بہت کچھ تمہیں دے دیا ہے اب لینے کی باری ہے، تو اس دن معلوم ہوگا کہ ہمارا ویسے ہی رابطہ برقرار رہتا ہے یا نہیں، کیا ہم بھی انفاق کے لئے آمادہ ہیں یا نہیں؟

۶۔ حضرت علی علیہ السلام اسوۂ انفاق

آج تو ہم اس محرومیت کے دور میں ہیں کہ اپنے امام علیہ السلام کی زیارت سے بھی محروم ہیں وہ پردے میں ہیں، غیبت کبریٰ میں زندگی بسر کررہے ہیں، لیکن غیبت کے زمانے سے پہلے لوگ ائمہ معصومین علیہم السلام کی زیارت بالمشافہ کیا کرتے تھے، معصوم ان کے درمیان حاضر تھے انبیاء علیہم السلام اور ائمہ ھدیٰ علیہم السلام کی خدمت میں لوگ موجود ہوتے تھے، ان کے روابط کس نوعیت کے تھے؟

حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ جن کا ارتباط تھا وہ کیسا تھا؟ جب بھی انھوں نے حضرت علی علیہ السلام سے کوئی مدد مانگی، ایک نمونہ بھی ایسا نہیں ملے گا کہ مولائے کائنات علیہ السلام نے ان کو خالی لوٹایا ہو اور ان کی حاجت روائی نہ کی ہو جس نے علی علیہ السلام کو پکارا، علی علیہ السلام نے اس کی حاجت روائی کی، اس کی مشکل کو آسان کردیا بہت سے نمونے موجود ہیں، ان نمونوں میں سے ایک نمونہ جو بہت معروف اور مشہور

ہے، اتنا متواتر اور آشکار واقعہ ہے کہ حتیٰ اس کیلئے تاریخی سند بیان کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اپنی حکومت و خلافت کے دوران ایک دن اپنے گھر اور دارالامارہ سے باہر نکلے، دیکھا کہ گلی میں ایک بیوہ خاتون کنویں سے پانی بھر کے اپنے گھر لے جا رہی ہے لیکن اس کی مشکل یہ ہے کہ پانی کا ڈول اس سے اٹھایا نہیں جاتا تھک جاتی ہے کبھی زمین پر رکھتی ہے، کبھی اٹھا کر سر پر رکھتی ہے، حضرت نے جب یہ منظر دیکھا تو خاتون سے فرمایا کہ تم اجازت دو تو میں تمہاری مدد کروں، خاتون نے کہا کہ نہیں میں لے جاؤں گی حضرت نے فرمایا تم یہ نہیں اٹھا سکتی ہو، لہٰذا حضرت نے وہ ڈول اس سے لے کر خود اٹھا لیا اس خاتون کے ساتھ حضرت چند قدم چلے، راستے میں اس سے پوچھا تم خود کیوں پانی بھرنے کے لئے آتی ہو، تمہارا کوئی مرد نہیں ہے؟ کیا تیرا شوہر نہیں ہے؟

اس خاتون کو معلوم نہیں تھا کہ کس کیساتھ بات کر رہی ہے بجائے اس کہ ایک عادی لہجے میں کہتی میرا شوہر امیر شام کے خلاف لڑتے ہوئے علی علیہ السلام کے ہم رکاب مارا گیا ہے بلکہ تند لہجے میں جواب دیا کہ میرے بچے یتیم ہیں میرا شوہر علی کے ہم رکاب جنگ صفین میں مارا گیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس خاتون کا جواب غور سے سنا، پانی اس کے گھر پہنچایا پھر اس سے فرمایا کہ تم تھوڑی دیر انتظار کرو، میں ابھی پلٹ کر آتا ہوں۔

حضرت وہاں سے نکل کر اپنے گھر آئے اس کیلئے کھجوریں، آٹا اور کچھ دیگر ضروری اشیاء اٹھا کر واپس تشریف لے آئے، خاتون سے فرمایا اب دو کام باقی ہیں، ایک تو تمھارے بچے ہیں ان کی دیکھ بھال کرنی ہے اور دوسرا ان کے لئے کھانا بھی تیار کرنا ہے، اگر تم مناسب سمجھتی ہو تو ان بچوں

کوسنبھالو اور میں کھانا تیار کر دیتا ہوں یا تم کھانا تیار کرو اور میں بچوں کو سنبھالتا ہوں پھر فرمانے لگے چونکہ بچے تم سے مانوس ہیں شاید میرے ساتھ کھیلنا پسند نہ کریں، ان کو شاید اجنبیت محسوس ہو تم بچوں کی نگرانی کرو، ان یتیموں کو سنبھالو، میں آپ سب کیلئے کھانا تیار کرتا ہوں۔

حضرت نے آ کر آگ جلائی حالانکہ یہ وہ گھر تھا کہ جس میں کئی مہینوں سے دھواں نہیں اٹھا تھا جب اس گھر سے دھواں اٹھا، ہمسائے کی عورتوں نے دیکھا کہ آج ان کے گھر میں بھی دھواں اٹھ رہا ہے، خدا نے ان کو کچھ کھانے کے لئے دیا ہے ہمسایہ کی ایک عورت آئی کہنے لگی، آج تو آپ کے گھر سے بھی دھواں اٹھ رہا ہے لگتا ہے کھانے کو کچھ مل گیا ہے اس بیوہ خاتون نے کہا، خدا اس مرد کا بھلا کرے اس نے میری حالت دیکھ کر پانی لانے میں میری مدد کی، پھر کھانے کیلئے کچھ سامان بھی لے کر آیا، اتنا خیر خواہ اور نیک سیرت انسان ہے کہ اب میرے بچوں کیلئے کھانا بھی تیار کر رہا ہے۔

ہمسایہ کی عورت نے اس مرد کو غور سے دیکھا سر پیٹنا شروع کر دیا، کہنے لگی خدا تمہیں برباد کرے تم جانتی ہو یہ مرد کون ہے؟ تم نے کس مرد کو اس کام پر لگایا ہوا ہے؟ بیوہ خاتون نے جواب دیا نہیں! میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ کوئی نیک سیرت انسان ہے اس عورت نے کہا یہ مرد امیر المومنین علیہ السلام ہیں، خلیفہ وقت علی ابن ابی طالب علیہما السلام ہیں جو تمہارے گھر میں تنور جلا رہے ہیں، تمہیں معلوم ہے کہ کس سے یہ کام کروا رہی ہو جب اس خاتون کو معلوم ہوا کہ اتنی معصوم شخصیت سے یہ کام لے رہی ہے تو آئی اور ہاتھ جوڑ کے مولا کی خدمت میں عرض کرنے لگی کہ میری بے ادبی معاف کر دیں میری گستاخی معاف کر دیں، میں جاہل تھی، مجھے علم نہیں تھا کہ آپ کون ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے یہ تمہاری وجہ سے نہیں بلکہ یہ میری وجہ سے ہے، تاریخ میں لکھا

ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا یہ میرا فریضہ تھا کہ جو سپاہی میرے لشکر میں مارا گیا ہے اس کے بچوں کی کفالت کروں، لیکن تم بچوں کی کفیل رہی، تم مجھے معاف کردو کہ میں تمہاری مدد کو پہلے کیوں نہیں پہنچا۔(۱)

یہ ایک نمونہ، حضرت علی علیہ السلام کی حاجت روائی کا عرض کیا، کہ جو بھی علی علیہ السلام سے مدد مانگے، تو حضرت علی علیہ السلام اس کی مدد کیلئے تیار ہیں، حتیٰ کہ اس کے بچوں کیلئے کھانا پکانے کیلئے تیار ہیں، اس کے بچوں کی تربیت کیلئے تیار ہیں وہ مشکل کشاء ہیں، وہ خدا کے فیض کا ذریعہ ہیں، وہ خدا کے رزق کا واسطہ ہیں، ان کے ذریعے سے جو بھی مانگا جائے وہ ضرور دیتے ہیں لیکن وہ اس وقت کے بھی منتظر ہیں کہ تم کب ہمارا مقام پہچان کر، ہماری حیثیت پہچان کر، ہمیں بلاؤ گے، نہ کہ کسی حاجت روائی کیلئے۔

علی علیہ السلام کو پکاریں، علی علیہ السلام کیلئے نہ کہ اپنی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل کیلئے، لہٰذا ہمیں ائمہ اطہار علیہم السلام سے اپنے رابطے کی نوعیت کو دیکھنا چاہئے، کیا خدا نے مجھے ان ہستیوں سے صرف مانگنے کیلئے پیدا کیا ہے، بس ان ہستیوں کے ذریعے مانگتا رہوں اور وہ دیتے رہیں؟ وہ بھی ہم سے کچھ مانگتے ہیں، جس طرح وہ ہمیشہ سے ہماری مدد کرتے رہتے ہیں، جب ان کو مدد کی ضرورت ہو تو ہمیں بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے، جب بھی وہ ہمیں بلائیں، آؤ ہمارا ساتھ دو، آؤ قربانی دینے کیلئے

(۱)۔ بحارالانوار، ج ۴۱، ص ۵۲ باب ۱۰۴۔ و۔ مجموعہ آثار ج ۱۸، ص ۳۲۷۔

تیار ہو جاؤ، اپنی جانیں راہِ خدا میں ہماری طرح پیش کرو، تو اگر ہمارے روابط ان سے صرف لینے کی حد تک ہوئے تو شاید جلد ٹوٹ جائیں لیکن ان سے لینے کے ساتھ ساتھ دینا بھی سیکھ لیا ہو تو پھر دینے کے مرحلہ میں ہم یقیناً استوار اور ثابت قدم رہیں گے۔

خاندان اہل بیت علیہم السلام نے ہمیں خدا کی راہ میں دینا بھی سکھایا ہے، اہل بیت علیہم السلام سے ہماری محبت ہے، اگر محبت لینے کی بنیاد پر قائم ہو اور ہمیشہ ان سے لیتے رہے ہوں، جب دینے کا مرحلہ آئے تو ہو سکتا ہے کہ یہ محبت کا رابطہ ٹوٹ جائے لیکن ان کی سیرت سے دینا بھی سیکھیں، اگر اپنی جان دینے کی ضرورت آ جائے ان کی خدمت میں پیش کر دیں، اس صورت میں یہ نہ ٹوٹنے والے روابط ہوں گے۔

۷۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا انفاق کا نمونہ

ا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدۃ سلام اللہ علیہا کو باغِ فدک عطا کیا اس کی آمدنی حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو ملتی تھی، بعد میں غاصبین نے اس باغ کو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے چھین لیا، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہمان کو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر بھیجا، وہ گھر جس کو باغِ فدک جیسی بڑی جائیداد کی آمدنی آ رہی تھی، مہمان حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ اس گھر آ جاتا ہے۔

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا، مولا علی علیہ السلام سے فرماتی ہیں: اے ابوالحسن علیہ السلام! آج رات تو کھانے کیلئے اپنے بچوں کیلئے بھی کچھ نہیں ہے تو مہمان کیلئے کیا ہوگا۔ حضرت علی علیہ السلام کسی سے قرض لینے کیلئے گھر

سے باہر آجاتے ہیں۔ اتفاق سے جناب مقداد رضی اللہ عنہ راستے میں ملتے ہیں، آپ نے جناب مقداد رضی اللہ عنہ سے ایک دینار قرض کے طور پر لیا تا کہ گھر میں بیٹھے ہوئے مہمان کی مہمان نوازی کر سکیں، واپسی پر راستے میں ایک فقیر آجاتا ہے وہ آکر سوال کرتا ہے اے علی علیہ السلام! آج ہمارے گھر میں کھانے کیلئے کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ نے وہ قرض لیا ہوا دینار اس کو دے دیا اور خالی ہاتھ گھر آجاتے ہیں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے فرماتے ہیں اے سیدہ! ابھی اس مہمان کے سامنے سوائے شرمندگی کے اور کچھ بھی نہیں ہوگا، میں ایک دینار قرض لے کر آرہا تھا کہ راستے میں فقیر آیا اس کو دے کر خالی ہاتھ آگیا ہوں، حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: کیا یہ کھانا جو ابھی ہمارے گھر میں موجود ہے آپ نے نہیں بھجوایا ہے؟ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا نہیں! یہ کھانا میں نے نہیں بھجوایا ہے، میں تو ایک دینار قرض لینے گیا تھا اور وہ بھی کسی اور کو دے آیا ہوں۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر میں یہ حالت تھی کہ ایک مہمان کیلئے بھی کھانا موجود نہیں تھا تو باغِ فدک کی اتنی بڑی آمدنی کہاں جاتی تھی؟ باغِ فدک کی آمدنی تمام کی تمام مدینہ کے غرباء اور فقراء میں تقسیم ہو جاتی تھی۔

اہل بیت کی منطق یہ تھی کہ ہم نے دین لینے کیلئے نہیں اپنایا، بلکہ ہم نے کچھ دینے کیلئے دین اپنایا ہے، فدک کی آمدنی ہو تو بھی راہِ خدا میں خرچ کر دیں گے اور اگر اپنے وجود کا جگر پارہ ہو تو وہ بھی خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔

۲۔ ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے قیلولہ (ظہر کے وقت کی نیند) کرنے کے بعد فرمایا: اے فاطمہ سلام اللہ علیہا! کچھ کھانے کیلئے ہے؟ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: اس ذات کی قسم

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا انفاق کا نمونہ

جس نے میرے بابا کو نبوت سے نوازا میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جو آپ کی خدمت میں پیش کرسکوں بلکہ دو دن سے ہم نے کچھ بھی نہیں کھایا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا، پھر آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ میں کہیں سے کچھ لا دیتا، بی بی نے فرمایا، مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ آپ سے وہ چیز مانگ لوں جس سے آپ زحمت میں پڑ جائیں۔

حضرت علی علیہ السلام اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوئے گھر سے نکلے، کسی سے ایک دینار قرض لیا، چاہتے تھے کہ اس سے اپنے گھر والوں کے لئے کچھ خریدیں اچانک مقداد رضی اللہ کو دیکھا کہ جن کے چہرہ کا رنگ گرمی کی وجہ سے بدل چکا تھا آپ نے فرمایا، کیا ہوا اس سخت گرمی میں گھر سے نکلے ہو مقداد رضی اللہ نے کہا، اے ابوالحسن علیہ السلام! میرا راستہ چھوڑ دیں جس وجہ سے میں گھر سے نکلا ہوں اس کا نہ پوچھیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا میرے بھائی یہ تو تیرے لئے جائز نہیں کہ اپنی حاجت مجھ سے چھپاتے رہو، مقداد رضی اللہ نے کہا اب جبکہ ضرور بتانا ہے اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت بخشی، میں نے اپنے اہل و عیال کو بھوکا چھوڑا ہے وہ رو رہے تھے مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا اس لئے اس گرمی میں گھر سے نکلا ہوں، حضرت علی علیہ السلام کی آنکھوں میں آنسو آئے یہاں تک کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہوگئی، پھر فرمایا، میں وہی قسم کھاتا ہوں جو تم نے کھائی، میں بھی اسی وجہ سے گھر سے نکلا ہوں کہ میرے گھر میں بھی کچھ نہیں تھا اب ایک دینار قرض لیا ہے وہ میں تجھے دے دیتا ہوں۔

آپ نے وہ دینار مقداد رضی اللہ کو دیا پھر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے ظہر اور عصر کی نماز پڑھی پھر مغرب کی نماز بھی پڑھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب کی نماز سے فارغ ہوئے تو پہلی صف سے گزرتے ہوئے، اشارے سے حضرت علی علیہ السلام کو بلایا، حضرت علی علیہ السلام بھی اٹھ کے چل

پڑے یہاں تک کہ مسجد کے دروازہ پر رسول اللہ ﷺ سے آملے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے ابوالحسن علیہ السلام رات کو کھانے کیلئے کچھ ہے؟ حضرت علی علیہ السلام حیاء کی وجہ سے خاموش رہے تو پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہو نہیں تا کہ ہم نہ جائیں، یا کہو ہاں تا کہ وہاں تک ہم آپ کے ساتھ چلے جائیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہو چکی تھی کہ رات کو کھانا علی علیہ السلام کے گھر کھائیں تو رسول اللہ ﷺ حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر چل پڑے، حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر داخل ہوئے، حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا مصلیٰ عبادت پر بیٹھی ہوئی تھیں اور آپکے پیچھے ایک بڑا برتن پڑا تھا جس سے دھواں اٹھ رہا تھا ،جب رسول اللہ ﷺ کی باتیں سنیں تو فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں، رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا، آپ نے بی بی کے سلام کا جواب دیا، اپنا ہاتھ ان کے سر پر رکھا، فرمایا: آج ہم آپکے مہمان ہیں بی بی نے وہ برتن اٹھایا اور لا کر سامنے رکھا، جب حضرت علی علیہ السلام نے برتن کو دیکھا اور خوشبو محسوس کی بی بی کی طرف دیکھنے لگے، بی بی نے کہا کیا ہوا، کیوں ایسے دیکھ رہے ہیں، کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی؟ فرمایا نہیں لیکن آج ہی آپ نے کہا تھا کہ دو دن سے ہمارے گھر میں کھانے کیلئے کچھ نہیں، پھر یہ کہاں سے آیا؟ بی بی نے کہا: خدا جانتا ہے میں نے سچ کہا تھا۔ علی علیہ السلام نے فرمایا پھر یہ کہاں سے آیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، بھائی علی علیہ السلام یہ تیرے اس دینار کا ثواب ہے، جو تو نے راہِ خدا میں انفاق کیا ہے۔ (۱)

ان اللّٰہ یرزق من یشاء بغیر حساب (۲)

---

(۱)۔ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا بہجۃ قلب المصطفیٰ من مہد ھا الی لحدھا۔

(۲)۔ سورۃ آل عمران آیت ۳۷۔

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا انفاق کا نمونہ

''بے شک خدا جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔''

۳۔کعب الاحبار سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت سیدة علیہا السلام مریض ہوگئیں، حضرت علی علیہ السلام جب گھر آئے تو فرمایا آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟ بی بی نے فرمایا اے علی علیہ السلام اگر ہو سکے تو میرے لئے انار لے آئیں حضرت علی علیہ السلام کچھ مدت کیلئے فکر مند ہوئے، اس لئے اس وقت آپ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا پھر اٹھ کر بازار چلے گئے، ایک درہم کسی سے قرض لیا اور اس سے انار خریدا راستے میں جاتے ہوئے ایک مریض کو دیکھا جو زمین پر لیٹا ہوا تھا، آپ نے اس سے پوچھا، تیرا دل کیا چاہتا ہے اس نے کہا اے علی علیہ السلام میں پانچ دنوں سے یہاں پڑا ہوا ہوں، کوئی میرا پوچھنے والا نہیں ہے، میں بیمار ہوں انار کھانے کو میرا جی چاہ رہا ہے، حضرت علی علیہ السلام پھر فکر مند ہوئے، ایک ہی انار تو خریدا ہے اگر اس کو دے دوں، تو فاطمہ علیہا السلام کے لئے کیا لے جاؤں گا، وہ محروم رہ جائیگی، اگر اس کو نہ دوں، تو یہ خداوند کے اس قول کی مخالفت ہوگی اما السائل فلا تنھر (۱)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ سائل کو رد نہ کریں، اگر چہ تم گھوڑے پر ہی سوار کیوں نہ ہو، آپ نے انار توڑ کر اسے کھلایا، وہ مریض اسی وقت ٹھیک ہو گیا، اور فاطمہ علیہا السلام بھی اس وقت عافیت پا گئیں جب گھر تشریف لائے تو فاطمہ علیہا السلام سے بہت شرمندہ تھے، جب حضرت سیدة علیہا السلام نے آپ کو دیکھا، تو اٹھ کھڑی ہوئیں اور فرمایا آپ غمزدہ کیوں ہیں؟ خدا کی عزت وجلال کی قسم، جس وقت آپ نے انار مریض کو کھلایا اسی وقت سے میرے دل سے انار کی اشتہا ختم ہوگئی حضرت علی علیہ السلام بہت خوش ہوئے، اسی وقت کسی نے دروازہ پر دستک دی، حضرت علی علیہ السلام نے کہا تم کون ہو؟ جواب دیا

حضرت زہرا علیہا السلام انفاق کا نمونہ

(۱)۔ سورۃ الضحیٰ آیت ۱۰۔

میں سلمان ہوں، دروازہ کھول دیں، جب دروازہ کھولا، تو دیکھا کہ سلمان کے ہاتھ میں طشت ہے جس پر رومال ڈالا ہوا ہے سلمان نے وہ طشت آپ کے سامنے رکھ دیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا اے سلمان یہ کہاں سے لائے ہو؟ سلمان نے کہا اللہ کی طرف سے یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے آیا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے لئے بھیجا ہے جب آپ نے رومال اٹھایا تو دیکھا کہ اس میں نو عدد انار تھے، تو آپ نے سلمان سے فرمایا اے سلمان اگر یہ میرے لئے ہوتے تو دس انار ہوتے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

من جاء بالحسنة فله عشر امثالها (۱) سلمان ہنس پڑے، ایک انار اور بھی اپنی جیب سے نکالا اور کہا خدا کی قسم دس ہی تھے، لیکن میں امتحان لینا چاہتا تھا۔

۴۔ مرحوم طبرسی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، میں بھوکا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنی بیویوں کے گھر بھیجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں نے اس سے کہا کہ ہمارے پاس تو پانی کے علاوہ کچھ نہیں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں کون ہے جو آج رات اس بھوکے کی مہمان نوازی کرے

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوں، اس کو اپنے گھر لے جاتا ہوں

حضرت علی علیہ السلام مہمان کو لیکر گھر آئے تو فاطمہ سلام اللہ علیہا سے پوچھا: کیا کھانے کو کچھ ہے؟

حضرت سیدة سلام اللہ علیہا نے فرمایا: گھر میں فقط اتنا ہے جس سے بچوں کا پیٹ بھر سکتا ہے، لیکن ہم اسے

---

(۱)۔ سورۃ انعام آیت ۱۶۰

مہمان کی خدمت میں پیش کریں گے، حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا آپ بچوں کو سلادیں، میں چراغ بجھا کر اس کے ساتھ بیٹھتا ہوں تا کہ وہ سمجھتا رہے کہ میں بھی اس کے ساتھ کھا رہا ہوں اسی طرح حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے اپنے بچوں کو سلایا اور حضرت علی علیہ السلام نے کھانا لیکر مہمان کے سامنے رکھا، پھر چراغ کو بجھا دیا اور اپنے ہاتھوں کو ہلاتے رہے، اس طرح سے مہمان نے پیٹ بھر کے کھانا کھایا جب صبح ہوئی تو علی علیہ السلام اور فاطمہ سلام اللہ علیہا دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متبسم ہوئے، یہ آیہ شریفہ تلاوت کی جو علی علیہ السلام اور فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شان میں نازل ہوئی تھی۔

......ویؤ ثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ، ومن یوق شح نفسہ فاولئك ھم المفلحون (۱)

''اور اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں چاہے انھیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو اور جس نے بھی اس کے نفس کی حرص سے بچالیا جائے وہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔'' (۲)

۸۔غیر معصوم افراد کا تذکرہ

غیر معصوم افراد کی سیرت کا تذکرہ اس اعتبار سے نہایت ہی ضروری ہے، اس لئے کہ جب معصوم کی سیرت بیان کی جائے تو ہمارے ذہنوں میں ایک وسوسہ آجاتا ہے کہ جی وہ تو معصوم تھے ہم تو غیر معصوم ہیں، وہ ہستیاں کہاں اور ہم کہاں یہ بات یہاں تک صحیح ہے کہ ان کا مقام کہاں اور ہمارا

---

(۱)۔ سورۂ حشر آیت ۹۔

(۲)۔ مجمع البیان، ج ۹، ص ۳۹۱۔

مقام کہاں! یہ تو گمان ہی سرے سے غلط ہے کہ ہم بھی ان کی طرح معصوم بن سکتے ہیں، جب معصوم کی سیرت بیان کی جاتی ہے تو اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ ہم بھی ان کی طرح معصوم بن کر وہی کام کریں جو انھوں نے انجام دیئے ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح معصومین علیہم السلام کی ذواتِ مقدسہ چاہتی ہیں ہم اس طرح بن جائیں، معصومین علیہم السلام ہم سے چاہتے ہیں کہ ہم ان کی پسندیدہ شخصیت بن جائیں، ان کی پسندیدہ شخصیت کیسے بنیں؟ اس کیلئے غیر معصوم کی سیرت نمونہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں حضرت خدیجہ علیہا السلام اگرچہ وابستہ عصمت ہیں، عصمت سے ان کا مقام کم نہیں لیکن پھر بھی چہاردہ معصومین علیہم السلام کی فہرست میں ان کا نام نہیں آتا، چہاردہ معصومین علیہم السلام کیلئے جو عصمت ثابت ہے، عصمت کے اس معنی میں حضرت خدیجہ علیہا السلام کا مقام نہیں ہے۔

اگرچہ نساء العالمین اور اشرف خواتین میں ان کا نام سرفہرست ہے، ایسی ماں ہیں جس کی بیٹی عصمت کبریٰ کی مالک ہیں، لہٰذا اس ماں کا مقام بیٹی کے ساتھ عصمت میں قریب قریب ہے ماں اور بیٹی کا اتنا فاصلہ نہیں، لیکن پھر بھی بیٹی معصوم ہستی ہے اور ماں غیر معصوم ہے حضرت خدیجہ علیہا السلام یقیناً ان چہاردہ معصومین علیہم السلام ہستیوں کے مقابلے میں ایک غیر معصوم ہستی ہیں جب غیر معصوم ہستی کو یہ مقام مل سکتا ہے تو انسان کے دل کو تھوڑی تسلی ہو جاتی ہے کہ پھر یہ راستہ ہر ایک کیلئے اس کی استعداد کے مطابق ممکن اور مقدور ہے۔

الف۔ حضرت خدیجہ مکہ کی مالدار خاتون

ہم بچپن سے یہ سنتے چلے آرہے ہیں کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام مکہ کی مالدار خاتون تھیں، ان کی ثروت

ومال کے چرچے زبان زدِ عام وخاص تھے، اور اسی مالی حیثیت کی وجہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کا رابطہ ہوا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ علیہا السلام کا سامانِ تجارت لے کر شام گئے آپ کی امانتداری مشہور تھی، لہٰذا سامانِ تجارت امانت داری کے ساتھ مطلوبہ مقام تک پہنچایا۔

جب حضرت خدیجہ علیہا السلام کو آپ کی امانتداری کا علم ہوا تو انھوں نے آپ کے ساتھ شادی کی پیش کش کردی، آپ نے بھی قبول فرمائی، اور اس کے بعد رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے، مکہ کی بہت بڑی سرمایہ دار خاتون، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلقہ ازدواج میں آگئیں، ہم نے قدیم سے یہی سنا ہوا ہے لیکن افسوس کہ ہمیں کبھی فرصت نہیں ملی کہ اسی سنے ہوئے پر تھوڑا غور کرلیں۔

ہم صرف سننے پر اکتفاء کرتے ہیں، حالانکہ سنے ہوئے پر غور کرنا چاہیے کہ اصل ماجرا کیا ہے؟ یہ جو ہم نے سنا ہوا ہے دوسرے لوگ جو ہماری طرح محبت وعقیدت نہیں رکھتے وہ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

غیر جانبدار یا اسلام دشمن کہتے ہیں کہ دین اسلام کے اندر ایسی کوئی منطق، جاذبیت اور کشش نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے اسلام پھیل سکے، بلکہ اسلام دو طریقوں سے پھیلا ہے، ایک حضرت خدیجہ علیہا السلام کے مال وثروت سے، اور دوسرا حضرت علی علیہ السلام کی تلوار سے، اسلام کے پھیلنے کیلئے یہی دو طریقے تھے، یعنی ڈنڈے اور مال وثروت کے باعث اسلام پھیلتا گیا، یعنی اسلام دھمکی اور لالچ کا دین ہے، فقیر اور غریب لوگ پیسے کی وجہ سے دھڑا دھڑ مسلمان ہوتے گئے۔

جیسا کہ آج کل مسیحی مشینری نے افریقہ کے اندر اسی طرح سے لوگوں کو مسیح بنانا شروع کیا ہے فقیر اور قحط زدہ لوگوں میں جا کر لالچ اور پیسہ کے ذریعے سے مسیحیت پھیلائی جارہی ہے۔

بلکہ ہمارے اپنے ملک، بلوچستان میں بھی یہی کام ہو رہا ہے بلوچستان میں فی الحال پچیس گھرانے ایسے ہیں جو تشیع کو چھوڑ کر مسیحیت اختیار کر چکے ہیں مسیحی مشینری نے آ کر ان سے کہا کہ تم فقیر ہو، تمہارا گھر نہیں، ملازمتیں نہیں، ہم آپ کو سب کچھ دینے کیلئے تیار ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ مسیحی بن جاؤ، لہٰذا ان ضعیف الایمان لوگوں نے سوچا کہ یہ مذہب جو ہم نے اختیار کیا ہوا ہے اس نے ہمیں فقر و فاقے کے علاوہ کچھ بھی نہیں دیا لہٰذا مسیحیت جو پیسہ اور مال دے رہی ہے وہی بہتر ہے، اسلام کے دشمنوں نے اسلام کے متعلق یہی کہا ہے کہ مکہ کے اندر فقیر لوگ تھے جن کو کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (معاذ اللہ) حضرت خدیجہ علیہا السلام کا مال لے کر ان کو لالچ دیتے تھے، ان سے کہا کرتے تھے میں تمہیں روٹی، کپڑا، مکان دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ مسلمان ہو جاؤ، غلام، نادار اور فقیر لوگ دھڑا دھڑ اسلام اختیار کرنے لگے، پھر جب مدینہ میں آئے تو تلوار اٹھا کر امیر اور صاحبان حیثیت سے لڑنے لگے اور ان کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا لہٰذا یہ دین دھمکانے کا دین ہے یا للچانے کا دین ہے وہ لوگ یہ دین اپنائیں گے جو یا دھمکی میں آ جاتے ہیں یا پھر لالچ میں آ جاتے ہیں لیکن وہ لوگ جو کسی کی لالچ میں نہیں آتے یا وہ لوگ جو دھمکانے سے مرعوب نہیں ہوتے وہ کبھی بھی اسلام کی طرف رجوع نہیں کریں گے، یہ تو دشمنان اسلام کی باتیں ہیں، لیکن بعض اوقات ہم بھی انکو سند دیتے ہیں کہ ہاں صحیح ہے، اسلام خدیجہ علیہا السلام کے مال اور علی علیہ السلام کی تلوار سے پھیلا ہے۔

۱۔ اسلام اپنی حقانیت سے پھیلا

اگر اس بات پر غور کریں کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام بیشک مالدار خاتون تھیں اور ان کا سارا مال اور سرمایہ دین اسلام کیلئے، اللہ کی راہ میں خرچ ہوا ہے، تو اس نکتہ پر بھی غور کرنا چاہیے کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام مکہ

کی مالدار خاتون تھیں، نہ کہ کراچی کی مالدار خاتون تھیں، اس وقت مکہ کی مالدار خاتون اور آج کراچی کی مالدار خاتون میں بڑا فرق ہے آج ہمارے ہاں مالداری کا جو تصور ہے اس زمانے کے تصور سے بہت مختلف ہے، معیشت کے حوالے سے مکہ اس وقت بہت چھوٹا سا شہر تھا جبکہ آج کے اعتبار سے ایک چھوٹا گاؤں تھا، اس چھوٹے سے خطے میں مشرکوں کے چند طبقے تھے، ان میں سے ایک چھوٹا سا طبقہ تاجر تھے اور محدود افراد تھے جو تجارت کیا کرتے تھے، تو وہ لوگ جو کسی کے ہاں مزدوری نہ کرتے، تجارت کے ذریعے اپنا کاروبار چلاتے ان کو مالدار تصور کیا جاتا تھا، وہ لوگ جو دوسروں کے ہاں کام کرنے پر مجبور تھے یا غلامی اختیار کرتے تھے یا دوسروں کی ملازمت اختیار کرتے تھے ۔(۱)





تو حضرت خدیجہ علیہا السلام بھی مکہ کی مالدار خاتون تھیں، لیکن مالداری کا تصور جو آج ہمارے ذہنوں میں موجود ہے یعنی لکھ پتی اور کروڑ پتی عورت کہ جن کی دولت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ شادی کر لی تھی، اس زمانے میں وجود نہیں تھا اور نہ ہی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال ودولت کی خاطر ان کے ساتھ شادی کی تھی، بلکہ اس شادی کا فلسفہ دو انسانوں کی اقدار تھیں، حضرت خدیجہ علیہا السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانتداری دیکھی اور آپ نے ان کے اندر حیا وعفت دیکھی لہٰذا امانت وعفت کی شادی ہوئی تھی نہ لالچ اور مال ودولت کی شادی ہوئی تھی۔

۲۔ حضرت خدیجہ علیہا السلام کا انفاق

حضرت خدیجہ علیہا السلام بیشک مالدار خاتون تھیں لیکن آج کے تصور کے مطابق سرمایہ دار خاتون نہیں تھیں کیونکہ سرمایہ دار سے مراد آج صاحب مال نہیں ہوتا بلکہ زر پرست، ثروت اندوز جس کو فقط اپنے منافع کی فکر ہوتی ہے جو ہر حیلہ سے دوسروں کا خون نچوڑتا ہے۔

---

(۱)۔ مجموعۂ آثار سیری در سیرۂ نبوی، ج ۱۶ ص ۱۸۱، شہید مطہری رضوان اللہ تعالیٰ علیہ۔

اگر کوئی مسلمان کہیں سے بھوکا آجاتا تو اس کو حضرت خدیجہ علیہا السلام کے مال سے ایک وقت کا کھانا مل جاتا لیکن یہ مال بھی زیادہ عرصہ نہ چل سکا اور جب شعب ابی طالب میں ان سب کو بند کر دیا گیا تو حضرت خدیجہ علیہا السلام کو بھی دوسروں کی طرح فاقے کاٹنے پڑے شعب ابی طالب مکہ کے اندر ایک چھوٹی سی خشک وادی تھی جس میں درخت اور جھاڑیاں بہت کم تھیں جب ان ہستیوں کو اس وادی میں بند کر دیا گیا، تو زمین کھود کھود کر درختوں کی جڑیں نکال کر کھایا کرتے تھے، درختوں کا چھلکا چوس کر شعب ابی طالب میں اس بائیکاٹ کی مدت بسر کی حضرت خدیجہ علیہا السلام جو مالدار خاتون تھیں ان کا مال اتنا نہیں تھا جو ذخیرہ اندوزی کر سکتے بلکہ ان کا مال اتنا تھا کہ جس سے غریب لوگوں کا پیٹ پلتا تھا جو راہ خدا میں انفاق کر دیا گیا ذخیرہ اتنا نہیں تھا جو شعب ابی طالب کے فاقوں میں کام آئے شادی کے بعد حضرت خدیجہ علیہا السلام کی گھریلو حالت وہی ہوگئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت تھی جو کچھ تھا اسے اسلام کی راہ میں انفاق کر دیا۔

پس یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام مال و دولت اور شمشیر کی بنیاد پر پھیلا ہے اگرچہ تلوار نے اس کا دفاع اور حفاظت ضرور کی ہے، لیکن یہ دین اسلام اپنی حقانیت، معقولیت اور صحیح منطق کی بناء پر پھیلا ہے، بہر کیف بی بی کا مال جتنا تھا سارا اللہ کی راہ میں خرچ ہوا، یہاں تک کہ خود بی بی خدیجہ علیہا السلام شعب ابی طالب میں فاقے اختیار کرنے پر مجبور ہوگئیں۔

حضرت خدیجہ علیہا السلام کا رابطہ، اسلام کے ساتھ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لینے پر استوار نہیں تھا بلکہ ان کا رابطہ دینے پر قائم تھا، انھوں نے سرمایہ بڑھانے یا مقام بنانے کے لیے اسلام قبول نہیں کیا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں اس لئے نہیں آئی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت اور

شخصیت کو اساس قرار دے کر ذاتی فائدہ اٹھائیں، اپنا مال اور سرمایہ بڑھا کر مقام و عزت حاصل کر سکیں بلکہ انھوں نے اسلام قبول کیا، اس لئے کہ اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کر سکیں لہٰذا حلقہ ازدواج قبول کر کے اپنا سارا مال رسول اللہ ﷺ پر نثار کر دیا، انھوں نے ہمیں اللہ کی راہ اور اس کے رسول کی راہ میں خرچ کرنے کا درس دیا۔

ب۔ انصار کا انفاق



جب مہاجرین، مکہ سے خالی ہاتھ مدینے آئے، تو رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ اپنے گھر کا سامان مہاجرین میں تقسیم کر دے، آدھا سامان مہاجرین کو دے دے اور آدھا سامان اپنے استعمال کے لئے رکھے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے انھیں یہ نہیں فرمایا کہ اے انصار! اگر تم دین قبول کر لو، تو خدا تمہارے سرمایہ میں اضافہ کر دے گا، میں بڑی سلطنت کا مالک بن جاؤں گا، یہ ساری دنیا میرے قبضے میں ہو جائے گی بلکہ فرمایا کہ یہ جو تھوڑا بہت ہے یہ بھی خدا کی راہ میں دینا پڑے گا، لہٰذا انصار جو ابھی تازہ مسلمان ہوئے تھے انھوں نے بھی اپنا سارا سامان اٹھا کر مہاجرین میں تقسیم کر دیا۔



یہ غیر معصوم سیرتیں تھیں، غیر معصوم لوگ تھے، جن کے روابط کی بنیادیں پہلے دن سے ہی انفاق پر قائم ہوئی تھیں، انھوں نے اسلام کو کچھ لینے کی غرض سے قبول نہیں کیا تھا، اگر چہ بعض لوگ ایسے بھی تھے کہ جن کے ذہنوں میں تھا کہ جس دن اسلام کو سلطنت مل جائے، جب اسلام پھیل جائے تو ہم اپنا سرمایہ بڑھا لیں گے، کچھ لوگ ایسے تھے جو فقیر اور بھوکے اسلام میں داخل

ہوئے، تو مرنے کے وقت ان کے گھروں میں اتنا سرمایہ موجود تھا کہ مزدور لگانے پڑے، سونے کو کلہاڑوں سے توڑنا پڑا۔(۱)

اس کا ایک نمونہ عبدالرحمٰن بن عوف چھ رکنی شوریٰ کا رکن ہے، اسی طرح جب علی علیہ السلام نے حکومت سنبھالی تو مدینے میں ایسے گھر بھی تھے جن کی کوٹھریاں سونے اور چاندی سے بھری ہوئی تھیں، اس وقت لوگوں نے کیا کچھ بٹور رکھا تھا۔ عراق، شام، مصر، یمن، ایران اور خراسان سے جو کچھ آتا تھا وہ ان لوگوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ لہٰذا صدر اسلام میں کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے اسلام، کچھ لینے کی غرض سے قبول کیا تھا جبکہ کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلام کو کچھ دینے کیلئے قبول کیا تھا اب لینے اور دینے والوں کا انجام دیکھیں، لینے والے ہمیشہ کے لئے خداوند کی بارگاہ میں ملعون قرار پائے اور دینے والوں کو خدا نے ہمیشہ کیلئے عزیز، قابل احترام اور لوگوں کیلئے اسوہ بنا دیا۔

---

(۱)۔ ڈاکٹر ابراہیم آیتی نے ''بررسی تاریخ عاشورا'' میں مسعودی سے نقل کیا ہے کہ مسعودی نے ''مروج الذھب'' میں لکھا ہے کہ زبیر بن عوام نے بصرہ میں مشہور محل کے علاوہ، بصرہ، کوفہ، سکندریہ، مصر میں بہت زیادہ گھر بنائے تھے زبیر جب مرے پچاس ہزار دینار، ایک ہزار گھوڑے، ایک ہزار لونڈیاں اور غلام، اور مختلف شہروں میں بہت زیادہ غلوں کے ڈھیر اپنے پیچھے چھوڑ کر چلے گئے طلحہ ابن عبداللہ کے متعلق لکھا ہے کہ اس کی آمدن صرف عراق کی املاک سے روزانہ ایک ہزار دینار تھی۔ ایک دوسرے قول کے مطابق شام میں اس کی درآمد اس سے بھی زیادہ تھی۔ عبدالرحمٰن بن عوف زہری کے متعلق رقمطراز ہیں کہ اس کے اصطبل میں ایک ہزار اونٹ اور دس ہزار بھیڑیں موجود تھیں۔ جب دنیا سے چلے گئے تو اس کا ترکہ چار بیویوں اور ایک بیٹے کے درمیان تقسیم کر دیا گیا، ہر بیوی کو اس کی میراث سے چوراسی ۸۴ ہزار سونے کے دنیار ملے۔ زید ابن ثابت جب مرے تو اس نے اتنا سونا اور چاندی اپنے پیچھے چھوڑا کہ اسے تقسیم کرنے کے لئے کلہاڑی سے توڑنا پڑا، سونے اور چاندی کے علاوہ اس کے اموال اور غلات ایک لاکھ سونے کے دنیار کے لگ بھگ تھے۔ (ڈاکٹر ابراہیم آیتی، بررسی تاریخ عاشورا، ص ۷ چاپ موسسہ انتشاراتی امام عصر عج قم خیابان صفائیہ)

۹۔انفاق کی حدود میں وسعت

خدا نے انسانوں کے لئے یہ حد مقرر کی ہے کہ راہِ خدا میں انفاق کریں، انفاق کے معنی صرف مال دولت اور درہم و دینار خرچ کرنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ومما رزقنهم ينفقون

جو کچھ خدا نے دیا ہے وہ سب رزقِ خدا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے رزق کے انفاق کا حکم دیا۔

اب ذرا فہرست تیار کریں خدا نے انسان کو کیا کیا دیا ہوا ہے؟ آیا خدا نے صرف مال دیا ہے؟ آیا صرف ثروت و دولت دی ہے؟ خدا نے ہمیں مال و دولت سے بڑھ کر ہستی دی ہے، خدا نے ہمیں جان عطا کی ہے، سانس لینا عطا کیا ہے، صحت و سلامتی دی ہے، خدا نے ہمیں عزت و آبرو دی ہے، ہمیں شخصیت و حیثیت دی ہے، خدا نے ہمیں اولاد دی ہے، خلاصہ یہ کہ خدا نے بے شمار نعمتیں دی ہیں، جن کو ہم شمار نہیں کر سکتے۔



انفاق کی حدود میں وسعت



ان تعدوا نعمة الله لا تحصوها (۱) خدا نے ہمیں جو کچھ دیا ہے وہ رزق خدا ہے۔

رزق کی اقسام

رزقِ مادی : تمام دنیاوی نعمتیں رزقِ مادی ہیں۔

رزقِ معنوی : تمام اچھی صفات وکمالات جیسے علم وغیرہ رزقِ معنوی ہیں، یہ ساری چیزیں اللہ کا رزق ہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اپنے رزق میں سے انفاق کرو لیکن جو بھی خدا کا دیا ہوا رزق سنبھال کر بیٹھ جائے وہ ذخیرہ اندوز ہو جائے گا۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

(۱)۔ سورۂ ابراہیم آیت ۳۴۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللّٰہ فبشرھم بعذاب الیم(۱)

جولوگ سونے اور چاندی کی ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسے انفاق نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنائیں حضرت ابوذرؓ نے اپنے زمانے کے سرمایہ داروں کے خلاف ، یہی نعرہ بلند کیا تھا ، جہاں جاتے ، راستے میں گلی میں ، مسجد میں جہاں بھی ان ذخیرہ اندوزوں کو دیکھتے تو یہی آیہ شریفہ تلاوت فرماتے تھے، ان کو سمجھانا چاہتے تھے کہ عذاب الیم ان کے انتظار میں ہے لیکن ذخیرہ اندوزی صرف سونے اور چاندی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ جو کچھ خدا نے دیا ہے اگر انسان اسے انفاق نہ کرے اور ذخیرہ اندوزی کرے تو دردناک عذاب ان کے انتظار میں ہے، خدا نے علم، عزت اور اولاد دی ہے ان میں سے انفاق نہ کرنے والے عذاب الیم کے منتظر ہیں، حضرت ابوذرؓ کا نعرہ بھی ہر ذخیرہ اندوز کے خلاف تھا۔ ذخیرہ اندوزی اور لینے کی صفت کے درمیان ایک گہرا رابطہ ہے جس نے ہمیشہ لینے کی عادت ڈالی ہوئی ہے وہ ذخیرہ اندوز ہوگا، لیکن جس کی عادت دینے کی ہے وہ کبھی ذخیرہ اندوزی نہیں کرے گا۔

ذخیرہ اندوزی کے مصادیق میں سے یہ بھی ہے کہ انسان وقت اور عمر کی ذخیرہ اندوزی کرنا شروع کردے حالانکہ یہ عمر، یہ لمحے اور گھڑیاں بھی تو خدا نے عنایت کی ہیں کتنا بخیل ہے وہ انسان جو خدا کا دیا ہوا وقت اللہ کی راہ میں انفاق نہ کرے، وقت کے بدلے تو کسی نے قیمت نہیں دی ہے۔ جب خدا کے نام پر وقت مانگا جائے تو کہتے ہیں ہمارے پاس ٹائم نہیں ہے اس سے بڑا بخیل انسان

---

(۱)۔ سورۃ توبہ آیت ۳۴۔

کون ہوگا جو دو لمحے خدا کی راہ میں دینے کے لیے تیار نہیں ہے، وہ انسان کتنا بخیل ہے کہ جو خدا کی مفت دی ہوئی چیز کو ذخیرہ کرنا شروع کردے۔

حالانکہ عمر تو ایسی چیز ہے جو ذخیرہ بھی نہیں ہوتی، بھلا عمر کو کون بوری میں بند کرسکتا ہے، یہ ویسے بھی ہر قدم پر خرچ ہورہی ہے، عمر کی بوری کو گھن لگ جائے گا، یہاں پر ہی کیڑا لگ جائے گا عمر کی بوری میں سوراخ ہوکر ساری عمر گر جائے گی جب اسی، نوے، سال کی عمر میں حالت احتضار میں دیکھو گے کہ عمر ختم ہوگئی ہے، دو گھڑیاں اور مانگو گے، لیکن ملک الموت دو منٹ دینے کیلئے تیار نہیں ہوگا، اس لئے اس کے پاس بھی وقت نہیں ہوگا تم ہمیشہ عمر کو بچا کے رکھتے تھے، کہتے تھے میرے پاس وقت نہیں ہے، اب وہ ذخیرہ عمر کہاں چلا گیا؟

پھر حسرت ہی حسرت ہوگی کہ اے کاش میں نے یہ عمر راہ خدا میں گزاری ہوتی، اے کاش یہ مفت کا سرمایہ راہِ خدا میں خرچ کردیتا، وقت کے ذخیرہ اندوزوں کے لئے بھی وہی دردناک عذاب ہے جو کہ مال وزر کے ذخیرہ اندوزوں کیلئے ہے۔

۱۰۔ امام حسین علیہ السلام انفاق کی عملی تفسیر

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب دیکھا کے میرے جد بزرگوار اور میرے ماں باپ کا بتایا ہوا طریقہ لوگوں نے چھوڑ دیا، لوگوں نے دین سے فقط لینا سیکھا، انفاق یہ الٰہی قدر، یہ انسانی اور قرآنی قدر دوسری اقدار کی طرح جب انسان کے ہاتھوں قتل ہوئی، اس کی روح نکال دی گئی، اس کی جگہ منکر نے لے لی اقدار بدلتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں لگتا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد

اکاون (۵۱) سال گزرنے سے ساری قدریں بدل گئیں۔ لوگوں کا دین کے ساتھ رابطہ دینے کی بجائے لینے کا ہوگیا اور اس کو قدر کے طور پر شمار کرنے لگے۔

حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے آ کر کربلا میں انفاق کی عملی تفسیر بتائی امام حسین علیہ السلام نے انفاق جیسی عظیم قدر کو دوبارہ زندہ کیا امام حسین علیہ السلام نے مما رزقنھم ینفقون کی عملی تفسیر یوں بتائی کہ اپنا سارا رزق خدا کی بارگاہ میں لٹانا شروع کردیا، اس طرح لٹایا کہ کچھ بھی اپنے پاس باقی نہ رکھا امام حسین علیہ السلام نے اپنا علم راہِ خدا میں پیش کر دیا، اپنی ہدایت میں سے انفاق کر گئے، ان ملعونوں کو سمجھانے اور راہِ راست پر لانے کیلئے آخری وقت تک خطبے دیتے رہے پھر اس کے بعد اپنا سارا مال خدا کی بارگاہ میں پیش کر دیا، اپنی جان، اپنی عزت، اپنی اولاد، اپنے اصحاب، سب کو راہ خدا میں انفاق کر کے قربان کر دیا۔

ایسے سخی انسان کہاں ملیں گے؟ لوگ حاتم طائی کی مثال لاتے ہیں کہ سخاوت میں بڑا عظیم انسان تھا، حالانکہ حاتم طائی کی سخاوت صرف یہ تھی کہ لوگوں کو کھلاتا تھا جو دولت اس کے پاس موجود تھی اس میں سے غریب لوگوں کا پیٹ بھرنے کیلئے خرچ کر دیتا تھا جبکہ کربلا ہمیں بتاتی ہے کہ اس دنیا کا سب سے بڑا سخی کون ہے؟

اس دنیا کے سب سے بڑے سخی انسان کا نام حسین علیہ السلام ہے ان کے پاس جو کچھ موجود تھا یکے بعد دیگرے سب کو راہِ خدا میں پیش کر دیا، اس انفاق کرنے والی ذات پر ایک وقت ایسا آیا کہ جب سارا رزق خدا کی راہ میں تقسیم ہوگیا تو آپ خیام میں تشریف لے آئے تا کہ دیکھ لیں کہ میرے لائے ہوئے رزق میں سے کچھ بچا ہے انصار کے خیام میں آئے، نگاہ فرمائی، دیکھا کہ انصار کا

رزق تمام ہو چکا ہے، سب کچھ راہِ خدا میں لٹ چکا ہے بنی ہاشم کے خیموں میں آئے دیکھا کہ سارا رزقِ خدا کی بارگاہ میں جا چکا ہے، حضرت عباس علیہ السلام کے خیمہ کو دیکھا کہ خالی پڑا ہے، یہ علی علیہ السلام کا رزق بھی جا چکا ہے، حضرت علی اکبر علیہ السلام کے خیمے میں آئے دیکھا کہ یہ رزق بھی خدا کی بارگاہ میں جا چکا ہے جب تن تنہا رہ گئے، ایک مرتبہ میدان میں آکر بلند آواز سے اپنے اصحاب کو پکارنے لگے، اپنے دائیں بائیں دیکھا، اپنے اصحاب میں سے کوئی نظر نہیں آیا، چونکہ وہ تپتی ریت پر آرام کر رہے تھے آپ نے بلند آواز سے انھیں بلایا اور فرمانے لگے۔

یامسلم ابن عقیل، ویاهانی بن عروة، ویاحبیب بن مظاهر، ویازهیربن قین ...... یا أبطال الصفاء وفرسان الهیجاء ، مالی انادیکم فلا تجیبونی ، وادعوکم فلا تسمعونی ؟ انتم نیام ارجوکم تنتبهون ، ام حالت مودتکم عن امامکم فلا تنصرونه؟ فهذه نساء الرسول ، لفقدکم قد علاهن النحول ، فقوموا من نومتکم ، ایها الکرام ، وادفعوا عن حرم الرسول الطغاة اللئام (۱)

اے مسلم بن عقیل، اے ہانی بن عروۃ، اے حبیب بن مظاہر، اے زہیر بن قین ......اے مخلصوں، اے بہادروں، اے جنگ کے لئے تیار سواروں! تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ میں تمھیں پکار رہا ہوں تم جواب نہیں دیتے ہو میں تمھیں بلاتا ہوں اور تم سنتے نہیں ہو کیا تم سو گئے، مجھے تو امید ہے کہ تم بیدار ہو جاؤ گے، کیا تمہاری مودت اپنے امام سے ختم ہو گئی ہے، اس لئے مدد نہیں کر رہے ہو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں ہیں پس اے کرم کے مالکوں! اپنی گہری نیند سے اٹھو، اور حرم

(۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام ص ۴۹۴۔

رسول ﷺ سے ان سرکش لعینوں کو دفع کر دو۔

میرے دلیرو، میرے شیرو، کہاں ہو، میرے شجاع سپاہیو! کہاں ہو، تم پیاری نیند سے کیوں نہیں اٹھتے ہو اٹھو! ان لعینوں کو حرم رسول اللہ ﷺ سے دفع کر دو، اٹھو! اہل بیت رسول ﷺ کا دفاع کرو کوئی آواز نہ آئی، تو حضرت کو یقین ہو گیا کہ اب رزق کا کوئی دانہ باقی نہیں بچا، ناگہان حسین بن علی علیہ السلام متوجہ ہوئے کہ خدا کے دیے ہوئے رزق کا ایک چھوٹا سا دانہ، شش ماہا خیمے کے اندر رباب کی گود میں پڑا ہوا ہے لہٰذا امام حسین علیہ السلام آئے اور حضرت رباب سلام اللہ علیہا سے فرمایا کہ یہ رزق خدا مجھے دے دو میں اسے بارگاہِ خدا میں پیش کرنے جا رہا ہوں شش ماہے علی اصغر علیہ السلام کو بھی راہِ خدا میں پیش کر دیا۔

حریت

پانچویں قدر

۱۔ امام حسین علیہ السلام آزادی پسند انسانوں کے امام

معرکہ حق و باطل میں امام حسین علیہ السلام نے جن انسانی اقدار کو فتح کیا، ان میں سے ایک اہم ترین قدر ''حریت اور آزادی'' ہے۔ حریت کے مقابلے میں سب سے بدترین صفت غلامی ہے، آپ نے غلامی کے خلاف جہاد کر کے اسے شکست سے دوچار کر دیا، آزادی اور حریت کو سربلند کر کے متعارف کروایا۔ اقدار کی جنگ انوکھی جنگ ہوتی ہے، اس کا اسلحہ انوکھا ہوتا ہے، اس کا انداز بھی بہت انوکھا ہوتا ہے، جس انداز سے حضرت نے یہ جنگِ حریت جیتی اور اس قدرِ حریت کو فتح کیا وہ بہت ہی انوکھا انداز تھا، اسارت کے انداز اور شہادت و خون سے اس عظیم قدر کو فتح کر کے اس کے اندر روح پھونک دی، خود شہید ہو گئے لیکن آزادی اور حریت کو امت کیلئے پیش کیا، اپنی عزت و ناموس اور خواتین، اپنی اولاد، بہو، بیٹیوں کو اسیر کروایا تا کہ امت کو اسارت سے نجات دے سکیں، دین اور عقیدے کو اسارت سے نجات دلا سکیں۔

جنگ اسارت کبھی یوں بھی جیتی جا سکتی ہے کہ انسان ایک اسیر کو چھڑانے کیلئے خود آ کر رسیوں میں جکڑا جائے تا کہ بہت ہی قبیح اسارت سے دین کو نجات دے سکے۔ ممکن ہے بعض اوقات انسانوں کی گردنیں آزاد ہوں، لیکن انسانی اذہان، افکار اور عقائد غلام بن جائیں، ممکن ہے ساری کی ساری امت غلام بن جائے، جب پوری امت غلام بن جائے تو وہاں پر اسارت و غلامی کے آثار بھی نمایاں ہوں گے، جب ایک فرد کسی کا غلام بن جائے تو اس کی ذات میں بھی غلامی کے انفرادی آثار ظاہر ہوں گے، لیکن جب ایک امت، ایک معاشرہ اور سماج اور ایک پوری قوم غلام بن جائے

امام حسین علیہ السلام آزادوں کے امام

تو پھر قومی اور اجتماعی سطح پر غلامی کے آثار نمایاں ہوں گے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب مشاہدہ فرمایا کہ اس وقت افراد بھی غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں اور امت بھی اسیر اور غلام بن چکی ہے تو اس اسارت کے بندھن کو کھولنا چاہا! بظاہر تو اپنی گردنوں میں بیڑیاں اور طوق ڈالے، اپنے ہاتھوں میں رسیاں باندھیں لیکن امت کے وجدان سے رسیاں کھول دیں، امت کے ضمیر سے اسارت کے بندھن کو ہمیشہ کیلئے کھول دیا۔

خود شہید ہو کر امت کے مردہ ضمیروں کو پھر سے زندہ کر دیا، قیامت تک کیلئے انسان کو راہ حریت بتا دی، انسانیت کو غلامی سے نجات دلائی، آزادی اور حریت پر اس قدر اصرار فرمایا کہ سید الشہداء علیہ السلام حریت اور آزادی کے امام واقع ہوئے، لہٰذا آپ کے القاب میں سے ایک لقب ''ابو الاحرار'' آزادوں کے باپ ہیں، آپ کے زیارت نامہ میں آیا ہے۔

السلام علیك یا ابا الاحرار

اے آزادوں کے پیشوا، اے آزادوں کے باپ اور راہنما، تجھ پر ہماری طرف سے درود و سلام ہو۔

۲۔ غلامی کی اقسام

سب سے بری صفت غلامی کی صفت ہے، غلامی کی متعدد اقسام ہیں، ہر قسم کی غلامی کے اپنے آثار اور کچھ قوانین ہیں، اسی طرح ہر غلامی کے مقابلے میں آزادی کی اتنی ہی اقسام ہیں اور ہر قسم کی آزادی کے اپنے ضوابط اور آثار ہیں، غلامی کی جو بھی قسم ہو وہ منکرات میں سے ہے اور قبیح ہے، بعض غلامیاں اور اسارتیں تو ایسی ہیں کہ انسان کو احساس تک نہیں ہونے پاتا کہ آیا میں غلام ہوں یا

آزاد، وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں جو نماز پڑھ رہا ہوں، مجھے نماز سے جو کوئی نہیں روکتا، تو گویا میں آزاد ہوں۔ میں سجدے کر رہا ہوں حج بجالا رہا ہوں اپنے دینی مناسک انجام دے رہا ہوں، تو گویا میں آزاد ہوں حالانکہ وہ نہیں سمجھتا کہ یہ غلامی کی نمازیں، یہ غلامی کے سجدے، یہ غلامی کے مناسک، یہ غلامانہ عبادتیں فقط غلامی میں ہی اضافہ کرتی ہیں، ایسی غلامانہ عبادتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔

جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت

نادان یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

غلامی کی اقسام

غلامی کی اقسام میں سے افکار، اذہان، ضمائر اور زبان کی غلامی ہے، انسان جب غلام بن جائے تو پھر اس پر اسارت اور غلامی کے قوانین لاگو ہوتے ہیں، جس کے ہاتھوں غلام بن چکا ہے وہی اس کیلئے قوانین اور احکام متعین کرتا ہے لیکن آزاد انسان پر کسی کے قوانین حکم فرما نہیں ہوتے اس کا ضمیر اور وجدان آزاد ہے، وہ کسی کے ضوابط کے سامنے محکوم نہیں ہوتا، زبان کی غلامی یہ ہے کہ انسان کلمۂ حق ادا نہ کر سکے، اگرچہ گردن میں طوق نہ بھی ہو لیکن اس کی زبان پر تالا لگا ہوا ہو۔

حضرت امام سجادؑ نے بظاہر طوق اسارت پہن لیا لیکن انسانیت کے گلے سے طوق غلامی نکال دیا اور انسانیت کو آزادی زبان کا درس دیا، حقیقت میں جو طوق امام سجادؑ نے پہن لیا وہ آزادی کا طوق تھا، ایک انسان گلے میں طوق پہن کر بھی آزاد ہے اور ایک انسان گلا چھڑا کر بھی غلام ہوتا ہے، یہ کیسا انسان ہے جس کے گلے میں طوق، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ہیں جب اس کے سامنے خدا کے آئین کے خلاف بات کی جاتی ہے تو اس کی زبان تلوار کی

طرح چل رہی ہوتی ہے۔ جب کہ بہت سی گردنوں میں طوق نہیں تھا لیکن ان کی زبانیں اسارت میں جکڑی ہوئی تھیں، لہٰذا کسی زبان سے ایک لفظ تک نہ نکل سکا۔

انسان کبھی بہت چھوٹی چیزوں کا اسیر بن جاتا ہے اور کبھی بہت بڑی چیزوں کا اسیر بن جاتا ہے، ایک دفعہ جب اسیر بن گیا تو پھر ساری زندگی اسیر اور غلام بنتا جاتا ہے، ایک دفعہ ایک چیز کا غلام بن گیا پھر وہ ہر چیز کا غلام بنتا جائے گا۔ انسان کبھی اپنی ہوا وہوس اور اپنی خواہشات کا اسیر بنتا ہے تو کبھی شیطان کا غلام بن کر اس کی اطاعت شروع کر دیتا ہے لیکن غلامی کی سب سے بری قسم، دنیا کی غلامی ہے، انسان اگر دنیا کا غلام اور اسیر بن جائے تو اس کے بعد تمام منکرات اور قبائح اس کے دامن گیر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

حبّ الدنیا رأس کل خطیئة حب دنیا ہر غلطی کا سرچشمہ ہے۔

آزاد مرد وہ ہے جو دنیا کا اسیر اور غلام نہ بنے۔

۳۔ آزاد مرد علی علیہ السلام کی نظر میں

حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں آزاد مرد کی تعریف میں فرماتے ہیں: ألاحُر یدع هذه اللماظة لاهلها؟...... (۱) کون ہے وہ آزاد مرد کہ جو اس لماظة کو اس کے اہل کے لئے چھوڑ دے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے دنیا کیلئے وہ اچھوتی اور عجیب وغریب تعبیریں کی ہیں جو کسی کے خیالات

---

(۱)۔ نہج البلاغہ، کلمات قصار، شمارہ ۴۵۶۔

(وہم وگمان) میں نہیں آسکتیں، ان تعبیروں میں سے ایک تعبیر لماظة کی تعبیر ہے، امیر المومنین علیہ السلام نے دنیا کو لماظة سے تعبیر کیا ہے۔ لماظة سے مراد دانتوں میں پھنسی ہوئی وہ بچی کچھی غذا ہے جو خلال کے ذریعے سے باہر نکال کر پھینک دی جاتی ہے۔

انسان جب کھانا کھاتا ہے خصوصاً جب گوشت کھاتا ہے تو اس کے دانتوں میں چھوٹے چھوٹے ٹکڑے رہ جاتے ہیں، اس کو لماظة کہا جاتا ہے، علی علیہ السلام دنیا طلب لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں، دنیا طلب حقیقت میں یہ کام کررہے ہوتے ہیں کہ ہاتھ میں خلال لے کر دنیا کا منہ کھول کر اس کے دانتوں سے بچے کھچے ٹکڑے نکال کر اپنے منہ میں ڈال رہے ہوتے ہیں، دنیا رسواترین چیز ہے کسی کے دانتوں میں پھنسی ہوئی غذا ہے، اگر کوئی خلال کر کے اس کو اپنے لیے نکالے اور اسے کھانا شروع کر دے، تو کیا یہ ننگ وعار نہیں ہے؟

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آزاد مرد وہ ہے کہ جو لماظة کو اپنے اہل کیلئے چھوڑ دے، خود اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ کیا انسان اس بات پر حاضر ہے کہ کسی دوسرے کا منہ کھول کر اس کے دانتوں سے تنکے کے ذریعے کرید کر اس کی بچی کھچی غذا نکال کر خود کھالے، کوئی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا ہے۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں دنیا کے غلام وہ لوگ ہیں جو دوسرں کے دانتوں میں پھنسی ہوئی غذا کو نکال کر کھاتے ہیں۔

۴۔ امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ آزاد مردی کا بہترین نمونہ

آج پوری امت مسلمہ، جو اپنے آپ کو پاک اور دوسروں کو نجس سمجھتی ہے، ان کی حکومتیں، دوسروں کا لـمـاظـة کھانے لگی ہیں۔ اسرائیل نے منہ کھولا تو انھوں نے خلال لے کر اس کے گندے دانتوں سے بچے ہوئے گوشت کے ٹکڑے کھانا شروع کر دئے، امریکا نے دانت باہر نکالے تو ساری مسلمان حکومتوں نے اس کے دانتوں کی بچی کچھی غذا کے ٹکڑے کھانا شروع کر دیئے کیا یہ غلامی، اسارت اور ننگ و عار نہیں، تو اور کیا ہے؟ کیا حریت اور آزادی اسی کو کہتے ہیں کہ ایک سپر طاقت کے دانتوں میں بچی کچھی غذا کو نکال کر اپنی امت کا پیٹ بھرا جائے۔

ہمارے حکمران کہتے ہیں ہمارا بجٹ کم ہے، ہم مقروض ہیں؛ انھوں نے ہمیں دوسروں کے ہاتھوں اسیر بنایا ہوا ہے، ہم ورلڈ بینک اور ان عالمی اداروں کے اسیر بن گئے ہیں، ہاں انھوں نے ہمیں خریدا ہوا نہیں ہے انھوں نے بہت آرام سے کھانا کھایا تو ان کے دانتوں میں غذا بچ گئی ہمارے نام نہاد حکمران جو ہمارے لئے خیر طلب کر رہے ہیں، جو اپنی مملکت کو سنوارنے کے درپے ہیں ان کے پاس گئے ان سے کہا کہ تم منہ کھولو، ہم خلال لے کر آئے ہیں تمہاری بچی کچھی غذا کو ہم اپنی قوم کے پیٹ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔

اگر علی علیہ السلام کی زبان سے پوچھا جائے کہ آج مسلمانوں کی یہ حالت ہے، کیا ہم آزاد ہیں؟ کیا اس حالت کو عزت وحریت کہا جاتا ہے؟ حضرت علی علیہ السلام یہی جواب دیں گے کہ کون ہے وہ آزاد مرد جو اس بچی کچھی غذا کو اپنے اہل کیلئے چھوڑ دے۔

امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے علی علیہ السلام کی آہ وفریاد سنی، زبانِ عمل سے کہنے لگے کہ وہ آزاد مرد میں

ہوں، میں وہ آزاد مرد ہوں جو اس لماظة کو اس کے دانت میں ہی دفن کر دوں گا، اس کے دانتوں کو بھی توڑ کر رکھ دوں گا تاکہ دوسرے مسلمان ممالک بھی یہ لماظة کھانے سے نجات پا سکیں۔

مملکتِ ایران جس کے پاس سب کچھ کھانے کیلئے موجود تھا لیکن اس کے بادشاہ کو بچی کھچی غذا کھانے کی عادت پڑھ چکی تھی، دوسروں کے منہ سے لماظة اٹھا کر مسلمانوں کے منہ میں ڈالنے کا عادی ہو چکا تھا، علی علیہ السلام کا بیٹا میدان میں آیا، اس لماظة کو ان کے دانتوں میں دبا کر، ان کے دانتوں کو توڑ دیا یہ درسِ آزادی ہے جو امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت علی علیہ السلام سے سیکھا۔

دنیا علی علیہ السلام کی نظر میں

۵۔ دنیا علی علیہ السلام کی نظر میں

غلامی کا سب سے بدترین نمونہ دنیا کی غلامی ہے جو ساری غلامیوں کی جڑ ہے، حضرت علی علیہ السلام دنیا کے متعلق فرماتے ہیں، یہ دنیا جس کے تم اتنے دلدادہ ہو، جس کے تم اتنے شیدائی ہو، آؤ میں تمہیں اس دنیا کا حال بتاؤں،

والله لدنیا کم هذه أهون في عيني من عِراق خنزيرٍ في يد مجذوم (۱)

خدا کی قسم تمہاری یہ دنیا میری نظر میں کوڑھی کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی خنزیر کی انتڑیوں سے زیادہ پست ہے۔

دنیا کی عجیب نقشہ کشی کی ہے جذام انتہائی ناگوار بیماری ہے، خدا کسی کو اس میں مبتلا نہ کرے، لیکن اگر کسی کو یہ بیماری ہو جائے تو وہ دیکھنے کے قابل نہیں رہتا لوگ اس کو آبادی سے باہر نکال دیتے ہیں۔

---

(۱)۔ نہج البلاغہ، کلمات قصار ۲۳۶، ص ۸۸۰۔

کوئی اس کے ساتھ لین دین کیلئے حاضر نہیں ہوتا پھر یہی کوڑھ میں مبتلا انسان خنزیر کی انتڑیوں کو ہاتھ میں لے کر کھڑا ہو، ادھر سے ایک آدمی جو صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے ہو اپنے آپ کو بہت بڑی شخصیت سمجھ رہا ہو، اس منظر کو بڑی للچائی نگاہوں سے دیکھ رہا ہو اور اس فرصت کا منتظر ہو کہ کوڑھی اپنی پلک جھپکے، کہیں اس کی آنکھ لگ جائے تو میں اس کے ہاتھ سے یہ انتڑیاں لے لوں۔

یقیناً ایسی دنیا کو اسیر اور غلام کے علاوہ کون پسند کرے گا، آزاد مرد تو اس کے قریب بھی نہیں جائے گا پس معلوم ہوا کہ دنیا کی غلامی بدترین قسم کی غلامی ہے۔

۶۔ علی علیہ السلام دنیا کو رسوا کرنے والے

دنیا کیلئے امیر المومنین علیہ السلام نے جو نقشہ کھینچا اور دنیا کو جس طریقے سے روشناس اور رسوا کیا، تاریخ میں کسی اور نے نہیں کیا ہے، یہاں پر استادِ ارجمند، مفسر قرآن، حکیم متالہ، عارف کامل، نہج البلاغہ اور قرآن سے آشنا، سیرتِ علی علیہ السلام سے آشنا اور اس پر کاربند، حضرت آیۃ اللہ جوادی آملی دام ظلہ کا قول جو کہ حقیقت کے بہت قریب بلکہ عین حقیقت ہے، ذکر کرنا بہت مناسب ہے، استاد بزرگوار فرماتے ہیں: اگر دنیا سے پوچھا جائے کہ اے دنیا! سب سے زیادہ تجھے کس نے رسوا کیا، سب سے زیادہ تجھے کس نے ذلیل کیا، تیری آبرو کس نے خاک میں ملائی، تو دنیا پکار کے کہے گی، علی علیہ السلام نے سب سے زیادہ مجھے رسوا کیا، اگر دنیا سے کہا جائے کہ اپنے شکوے درج کرواؤ، اپنی شکایتیں لکھواؤ دنیا ساری شکایتیں علی علیہ السلام کے خلاف کرے گی، علی علیہ السلام نے مجھے لوگوں کے سامنے رسوا کر دیا۔

لاشک ولاریب کہ علی علیہ السلام نے دنیا کی شدید مذمت کی، اسے ہمیشہ کیلئے رسوا کر دیا، کبھی دنیا سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے:

یادنیا یادنیا، الیك عنیّ، أبی تعرّضتِ ؟ امْ الیّ تشوّقتِ؟ لا حان حینكِ هیْهات! غُرّي غیري، لاحاجة لي فیكِ، قدطلّقْتكِ ثلاثاً لا رَجْعَةَ فیها ! فعیْشكِ قصیرٌ، وخطركِ یسیرٌ، وأملُكِ حقیرٌ، آه من قلّة الزّاد وطول الطریق، وبُعدِ السّفر، وعظیم المورد (۱)

اے دنیا! دور ہو مجھ سے، کیا میرے سامنے اپنے کو لاتی ہے؟ یا میری دلدادہ وفریفتہ بن کر آئی ہے؟ تیرا وہ وقت نہ آئے (کہ تو مجھے فریب دے) بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے، جا کسی اور کو دھوکا دے، مجھے تیری خواہش نہیں ہے میں تو تجھے تین بار طلاق دے چکا ہوں کہ جس کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں، تیری زندگی تھوڑی، تیری اہمیت بہت ہی کم اور تیری آرزو ذلیل و پست ہے، افسوس زادِراہ تھوڑا، راستہ طویل، سفر دور دراز اور منزل سخت ہے۔

علی علیہ السلام دنیا کو رسوا کرنے والے

ایک دوسرے مقام پر امام حسن علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

......وایّاك انْ تغترّ بما تری مِنْ اخْلاد اهل الدّنیا الیها، وتکالبهم علیها، فقد نبّأك اللّٰه عنها، ونعتْ لك نفسها، وتکشّفت لك عن مساویها، فانّما اهلها کلابٌ عاویةٌ، وسباعٌ ضاریةٌ، یهرُّ بعضها بعضاً ویاکل عزیزها ذلیلها، ویقهر کبیرها صغیرها.....(۲)

خبردار! دنیاداروں کی دنیا پرستی اوران کے حرص وطمع جو تمہیں دکھائی دیتی ہے وہ تمہیں فریب

۱)۔ نہج البلاغہ، کلمات قصار ۷۷، ص ۸۳۱۔
۲)۔ نہج البلاغہ، وصیت نامہ ۳۱، ص ۷۱۴۔

نہ دے، اس لئے کہ اللہ نے اس کا وصف خوب بیان کردیا ہے اور اس نے برائیوں کو بے نقاب کردیا ہے، اس (دنیا) کے گرویدہ، بھونکنے والے کتے اور پھاڑ کھانے والے درندے ہیں، جو آپس میں ایک دوسرے پر غراتے ہیں، طاقتور کمزور کو نگل لیتا ہے اور بڑا چھوٹے کو کچل دیتا ہے۔

۷۔ دنیا کا اپنے قیدیوں کے ساتھ سلوک



دنیا کا اپنے قیدیوں کا ساتھ سلوک



کبھی انسان کسی بہت گھٹیا اور پست انسان کے ہاں قیدی ہوجاتا ہے انسان جس کے ہاتھوں قیدی ہو وہ جس مقام اور مرتبہ کا مالک ہوگا قیدی کیساتھ ویسا ہی سلوک کرے گا اگر قیدی بنانے والا کوئی بڑا انسان ہو، کوئی بزرگوار اور کریم انسان ہو تو قیدیوں سے اچھا سلوک روا رکھے گا لیکن اگر وہ خود پست اور گھٹیا انسان ہو تو قیدیوں کے ساتھ بہت ہی پست اور گھٹیا سلوک کریگا۔

تاریخ میں ان دونوں کے نمونے مل سکتے ہیں، ایک نمونہ یہ ہے کہ جب حاتم طائی کی بیٹی لشکر اسلام کے ہاتھوں اسیر ہوکر پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس خاتون کو بڑی عزت و احترام کے ساتھ رکھا، اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا، نہ فقط اس لیے کہ یہ خاتون ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتی تھی، حاتم طائی جیسے سخی انسان کی بیٹی تھی، بلکہ جس انسان کے ہاتھوں اسیر ہوئی تھی وہ بہت عظیم الشان انسان تھے، جس کے ہاتھوں قیدی بنی ہوئی تھی وہ نہایت کریم، مہربان اور بزرگوار تھے اس لئے حاتم طائی کی بیٹی کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔

قیدیوں سے بدرفتاری کا بدترین نمونہ، عراق میں امریکی فوجیوں کے ہاتھوں اسیر ہونے والے مسلمانوں کے ساتھ، امریکی فوجیوں کا سلوک ہے۔ ابوغریب جیل میں مسلمان مرد اور عورتوں سے

اِن گھٹیا اور پست لوگوں نے جو سلوک روا رکھا ہے وہ نہایت ہی شرم آور اور انسانیت سوز ہے، قیدیوں کو ننگا کر کے ان کی بے حرمتی کی گئی، یہاں تک کہ یہ بے گناہ قیدی خودکشی کو ترجیح دیتے ہیں، ایسے ایسے مظالم ان پر ڈھائے گئے، ایسی آبروریزیاں کی گئیں جن کو ذکر کر کے انسان شرماتا ہے۔

دنیا کا میڈیا، انٹرنیٹ وغیرہ پر، ان مظالم اور بے حرمتیوں کی تصاویر موجود ہیں جو انسان سے نہیں دیکھی جاسکتیں، جسے دیکھ کر ہر مسلمان کا دل خون کے آنسو روتا ہے، ان قیدیوں کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا گیا؟ یہ اس لئے کہ جن کے ہاتھوں یہ قیدی اسیر ہوئے ہیں وہ نہایت ہی پست اور گھٹیا لوگ ہیں اور یہ قانون کلی ہے کہ گھٹیا انسان ہمیشہ گھٹیا سلوک کرے گا جبکہ شریف اور اعلیٰ انسان ہمیشہ عالی اور اچھا سلوک کرے گا۔

دنیا کا اپنے قیدیوں کے ساتھ سلوک

اسی طرح انسان اگر دنیا کا قیدی بن جائے، تو دنیا امریکیوں کی طرح اتنی گھٹیا چیز ہے کہ جس کے نام سے ہی پستی اور گھٹیا پن کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ دنیا کا لفظ، لغت میں پست اور گھٹیا کے معنی میں آتا ہے۔ دنیا ” ادنیٰ “ سے ہے یعنی پست؛ دنیا ’دنیٰ‘ کا مونث ہے، عالی یعنی بلند کے مقابلے میں دنیا، عالی کے مقابلے میں پستی اور گھٹیا پن آئیگا لہٰذا اگر کوئی اس ذلیل دنیا کا قیدی بن جائے تو وہ اس کے ساتھ اس کے مرتبہ ومقام کے مطابق سلوک نہیں کرے گی بلکہ دنیا اپنے قیدی کے ساتھ اپنے مرتبہ ومقام کے لحاظ سے سلوک کرتی ہے، دنیا اتنی پست ہے کہ اپنے قیدی کو بہت پست بنا دیتی ہے، لہٰذا دنیا کے قیدیوں کو دنیا سے اچھے سلوک کی توقع نہیں کرنی چاہیے، اس لیے اگر تاریخ میں پست انسان تلاش کرنا ہو تو پست ترین انسان دنیا کا اسیر نظر آئیگا۔

۸۔ شیطان کا اپنے قیدیوں کے ساتھ سلوک

کچھ لوگ شیطان کے ہاتھوں اسیر ہو جاتے ہیں، جب انسان غلام بن جائے تو ہمیشہ غلاموں کے ساتھ غلامانہ برتاؤ کیا جاتا ہے، کوئی شیطان کے ہاتھوں اسیر ہو جائے تو یوں نہیں کہ شیطان اس کو بڑی عزت و آبرو دے گا بلکہ شیطان اس کے گلے میں طوق غلامی ڈال کر اس کو کوچہ بہ کوچہ، گلی گلی ہر انسان کے سامنے رسوا کرے گا، اسیروں کے ساتھ تو ایسا ہی کیا جاتا ہے، گلی گلی پھرایا جاتا ہے، ان کے گلے میں طوق ڈالا جاتا ہے تو شیطان بھی یوں کرتا ہے کہ اپنے غلاموں کی گردن میں طوق شہوت، طوقِ خواہشات ڈال کر گلی گلی پھراتا ہے۔ اگرچہ شیطان کا طوق نظر نہیں آتا ہے اگر شیطان کے قیدیوں کو دیکھنا ہے تو جیلوں میں نہیں جانا چاہیے، شاید وہاں پر بھی کچھ لوگ شیطان کے قیدی ہوں لیکن زیادہ تر شیطان کے قیدی اور غلام، بازاروں، دکانوں، مسجدوں، امام بارگاہوں اور دفتروں میں نظر آئیں گے، شیطان کے غلام شاید کعبہ شریف کے اندر بھی نظر آئیں جس کے گلے میں طوق وحشت، طوقِ خوف، طوقِ خواہشات، طوقِ نفسانیات پڑا ہوا ہو وہ شیطان کا بندہ اور غلام ہے لیکن وہ جو اپنی خواہشات کے چنگل سے آزاد ہے وہ آزاد مرد ہے۔

۹۔ جشن آزادی کب منانا چاہیے؟

آج اگر ہم دیکھنا چاہیں کہ ہم آزادی کی زندگی بسر کر رہے ہیں یا غلامی کی زندگی تو ہم یہ نہ دیکھیں کہ ہماری گردنوں پر طوق نہیں ہے بلکہ ہم اپنے ضمیر، اپنے دین اور اپنی اقدار کو دیکھیں، اپنی زبانیں اپنے افکار و عقائد کو دیکھیں، اپنے اقتصاد، اپنی سیاست اور اپنے معاشرے کو دیکھیں، کہیں ان کی

گردنوں پر تو غلامی کے طوق نہیں پڑے ہوئے ہیں؟ اگر یہاں غلامی اور وابستگی کے طوق نظر آنے لگیں، تو کیا ہم آزاد ہیں؟ ویسے تو ہم ہر سال جشن آزادی پاکستان مناتے ہیں، یوم آزادی مناتے ہیں، لیکن یہ کہاں کی آزادی ہے؟ یہ کس سے آزادی ہے؟

جشن آزادی کس طوق کے اترنے کا جشن ہے یہ کس رسن کے کھلنے کا جشن ہے، یہ کس بیڑی کے کھلنے کا جشن ہے؟ بلکہ جس دن ہم نے آزادی حاصل کی شاید اس دن طوق کم تھے، ان کی نسبت آج ساٹھ سال گزر جانے کے بعد، کہیں زیادہ طوق ہماری گردنوں پر آپڑے ہیں، اتنے زیادہ طوق پہن کر جشن آزادی منانا، آزادی کا تمسخر اور مذاق اڑانا ہے۔

یہ آزادی کے نام پر در حقیقت غلامی کا جشن منانا ہے، حسین بن علی علیہ السلام (ابوالاحرار) - آزادی پسند انسانوں کے امام - کو چھوڑ کر غلاموں کے امام کے پیچھے چلیں تو ایسی ہی آزادیاں نصیب ہوتی ہیں، جشن آزادی اس وقت منانا چاہیے کہ جب ہم ہر اعتبار سے آزاد ہو جائیں، جب ہماری سیاست آزاد ہو، جب ہماری اقتصاد آزاد ہو، جب ہمارے فیصلے اور عدالتیں آزاد ہوں، جب ہمارے اذہان اور افکار آزاد ہوں ......، ہم دوسروں کے اشاروں پر نہ چلیں، اپنی مملکت کے اندر خود مختار اور صاحب استقلال ہوں۔

۱۰۔ امام حسین علیہ السلام سے درس آزادی لینے والے

کربلا کے ہر قدم پر ہزاروں قدریں جنم لیتی ہیں اگر کوئی سمجھنے والا ہو، اگر حریت اور آزادی کا درس

لینا ہو تو آئیں آزادی پسندوں کے امام سے حریت اور آزادی کا درس لیں، اگر حریت کا راستہ سیکھنا ہو تو اس ابوالاحرار سے سیکھیں، کربلا کو درس گاہ سمجھنے والوں نے کربلا سے درس لیا جب کہ کچھ ایسے ہیں جنہوں نے کربلا کا فقط تذکرہ کیا۔

حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ماهر چه داریم از سید الشهداء داریم یعنی ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے، یہ سید الشہداء علیہ السلام کی وجہ سے ہے، اگر ہم جیسے لوگ کہیں تو آپ سوچیں گے کہ اس کے پاس کیا ہے؟ لیکن جب اُس انسان کی زبان سے یہ جملہ نکلے جس کے پاس سب کچھ ہے، جس کے پاس انقلاب ہے، جس کے پاس دین اور مرجعیت ہے، جس کے پاس رہبری اور ہدایت ہے، جس کے پاس قرآن، جس کے پاس عزت و شرف اور طاقت ہے اور جس کے پاس آزادی اور استقلال بھی ہے اگر وہ ساری فہرست بیان کرکے اور آخر میں یہ لکھ دے کہ یہ سب کچھ حسین علیہ السلام کے طفیل ہے تو معلوم ہوا کہ وہ حسین علیہ السلام کا پیروکار ہے، اگر مجھ جیسے ایک غلام سے پوچھا جائے کہ آپ نے امام حسین علیہ السلام سے کیا لیا ہے؟ میں یہ جواب دے سکتا ہوں کہ میں نے تو حسین علیہ السلام سے نام لیا ہے، لیکن انھوں نے اقدار بھی لی ہیں۔

۱۱۔ امام حسین علیہ السلام اسوۂ حریت

امام حسین علیہ السلام نے حریت کو زندہ کر دیا، کسی بھی معروف کو زندہ کرنا ہو تو اس کو تقریروں سے منبروں، مدرسوں اور مسجدوں سے زندہ نہیں کیا جا سکتا ہے بلکہ معروف کو زندہ کرنے کے لئے میدان میں جانا

پڑتا ہے جہاں پر جس قدر کو ذبح کیا جارہا ہو، وہیں جا کر اسے نجات دلانا ہوگی۔

حریت کربلا کے میدان میں پامال ہو رہی تھی غلامی اور اسیری کو فاتح قرار دیا جارہا تھا تو امام حسین علیہ السلام نے تلواروں کے سائے میں، میدانِ قتال میں آکر اس عظیم قدر ''آزادی'' کو زندہ کیا اور غلامی اور اسیری کو شکست دی۔

امام حسین علیہ السلام جب میدان کربلا میں تنہا رہ گئے تو آپ نے اکیلے جنگ شروع کردی، جب دشمنوں نے تشنگی کے عالم میں آپکی شجاعت کے جوہر دیکھے (حتی کہ روایت میں بھی لکھا ہے کہ اس حملے میں حضرت سید الشہداء علیہ السلام فرات کے کنارے آپہنچے تھے) تو انھوں نے بھانپ لیا کہ ہم ان سے مقابلہ نہیں کرسکتے تو لعین نے کہا کہ اس وقت حسین علیہ السلام کو شکست دینے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ حسین علیہ السلام کو اپنے حال پر چھوڑ دو، خیام کی طرف رخ کرلو، حسین علیہ السلام کی بہو بیٹیوں کی طرف رخ کرلو، چادروں کو لوٹو، خیام کو جا کر لوٹو، جب یہ آواز بلند ہوئی، تو ابوالاحرار، آزادی پسندوں کے پیشوا نے گھوڑے کی زین پر ہی یہ جملہ ارشاد فرمایا: یاشیعۃ آل ابی سفیان اے ابوسفیان کے ماننے والو، اے ابوسفیان کی اقدار کے وارثوں! اے بنی امیہ کی قدروں کے وارثوں! آپ نے انھیں امت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، یا اے مسلمانوں کہہ کر نہیں پکارا، اس لئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقدار ان میں موجود ہی نہیں تھیں، اسلامی اقدار کا کوئی شائبہ نہیں تھا، اس لیے انھیں شیعہ آل ابی سفیان سے پکارا۔

......یاشیعۃ آلِ ابی سفیان، انْ لمْ یکنْ لکمْ دینٌ و کنتم لا تخافون المعاد فکونوا احراراً فی دنیاکم......(۱)

---

(۱)۔ موسوعۃ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۵۰۴۔

''اگر تمہارا دین نہیں ہے اگر قیامت پر تمہارا بھروسہ نہیں، تمہارے دلوں میں قیامت کا خوف نہیں ہے تو کم از کم اپنی دنیا میں تو آزاد رہو اگر دین تمہارا غلامانہ ہے دنیا میں تو آزاد مرد رہو۔''

گویا حضرت یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اس وقت تم غلام ہو، نہ دین تمہارا آزاد ہے اور نہ تمہاری دنیا آزاد ہے، کم از کم ذرا اپنے حسب و نسب کو دیکھو، تم عرب نسل سے تعلق رکھتے ہو، عربوں کی کچھ رسومات اور آداب ہیں، ان کی کچھ قبائلی سنتیں ہیں کہ عرب جب جنگ کرتا ہے تو اس جنگ کے دوران بچوں کے اوپر ظلم نہیں کرتا، خواتین سے مزاحم نہیں ہوتا، بے دفاع لوگوں پر حملہ نہیں کرتا؛ یہ عہد جاہلیت اور مشرک عربوں کی رسومات تھیں اور ان پر سختی سے پابند بھی تھے۔

مشرک عرب بھی اگر جنگ کرتا تو اتنا خواہشات کا اسیر نہیں ہوتا، اتنا ہوس، نفس امارہ اور شیطان کا اسیر نہیں ہوتا، اتنی آزادی اس میں بھی ہوتی ہے کہ خواتین سے مزاحم نہ ہو، اگر تمہارا کوئی دین نہیں ہے فلتکن فی دنیاکم احرارا کم از کم اپنی دنیا میں تو آزاد بن کے دکھاؤ، عربی آداب کا تو لحاظ کرو، تو معلوم ہوا آل ابی سفیان وہ ہوتے ہیں جن کا دین بھی غلامانہ ہے اور دنیا بھی غلامانہ ہے جبکہ آل علی علیہ السلام، آل پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہوتے ہیں کہ جن کا دین بھی آزادانہ اور دنیا بھی آزادانہ ہوتی ہے آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل ابی سفیان میں یہی تو فرق ہے غلامی کا راستہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آلِ علی علیہ السلام اور آلِ حسین علیہ السلام کا راستہ نہیں ہے، کبھی بھی کسی کے سامنے اسارت اور ذلت کے ساتھ سر نہ جھکانا یہ حسین بن علی علیہما السلام کا راستہ ہے، آپؑ فرماتے ہیں کہ:

انی لا اری الموت الّا سعادۃً والحیاۃ مع الظالمین الّا برماً (۱)

---

(۱)۔ موسوعۃ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۳۵۶۔

میں موت کو راہِ خدا میں سعادت سمجھتا ہوں، ظالموں کے ساتھ زندگی بسر کرنا اپنے لئے ننگ و عار سمجھتا ہوں۔

جب دشمنوں نے خیام کی طرف حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو آپؑ نے فرمایا:

ویحکم،یاشیعة آل ابی سفیان ! انْ لم یکن لکم دین، و کنتم لاتخافون المعاد ، فکونوا احرارا فی دنیا کم هذه وارجعو الیٰ احسابکم ان کنتم عربا کما تزعمون ۔(۱)

اے آل ابی سفیان کے پیروکارو! اگر تمہارا کوئی دین نہیں اور تم قیامت سے نہیں ڈرتے ہو، اپنی اس دنیا میں آزاد مرد رہو، اگر تم عرب ہو جیسا کہ تمہارا گمان ہے تو اپنے حسب و نسب کی طرف پلٹو، شمر ملعون نے کہا: اے فرزند فاطمہ سلام اللہ علیہا! کیا کہتے ہو؟

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

اناالذی اقاتلکم ، و تقاتلونی ،والنساء لیس علیهن جناحٌ ، فامنعوا عتاتکم و طُغاتکم و جهّالکم عن التّعرض لحَرمی مادمتُ حیّا (۲)

ہم مردوں کی ایک دوسرے سے جنگ ہے، ان عورتوں کا کوئی قصور نہیں، جب تک میں زندہ ہوں تو اپنے باغیوں، سرکشوں اور جاہلوں کو میرے حرم کے متعرض ہونے سے باز رکھو۔

(۲،۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۵۰۴۔

۱۲۔ اسیران شام اور آزادی

الف۔ امام سجاد علیہ السلام، اسیر شام اور آزادی

حسین بن علی علیہما السلام نے ہمیں درس حریت دیا ہے، ہماری گردنوں سے غلامی کے طوق اتار کے پھینک دیے ہیں امت کی گردن سے رسن کھول دیئے ہیں لیکن یہ طوق ہٹانے کیلئے، ان رسیوں کو کھولنے کیلئے، ان بیڑیوں کو دور کرنے کیلئے کبھی طوق پہننا پڑتا ہے، کبھی ہاتھوں میں رسن اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالنا پڑتی ہیں، لہٰذا امام سجاد علیہ السلام نے طوق پہنا، شیر کو طوق پہننے سے کبھی عار محسوس نہیں ہوئی، اس لئے کہ شیر کے گلے میں وہ طوق ڈالتے ہیں جو اس کو تحمل اور برداشت نہ کر سکتے ہوں۔ جو اس سے ڈرتے ہیں وہ شیر کو طوق میں جکڑ دیتے ہیں، رسن میں بندھا ہوا شیر پھر بھی شیر ہوتا ہے، حضرت امام سجاد علیہ السلام، اسد اللہ کے بیٹے نے ثابت کر دیا کہ تم میری گردن میں رسن تو ڈال سکتے ہو لیکن میری زبان اور میری فکر پر رسن نہیں ڈال سکتے ہو، امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

ان الحر حر على جميع احواله ، ان نابته نائبة صبرلها ، وان تداكت عليه المصائب ، لم تكسره وان أسر و قُهر ، واستبدل باليسر عُسرا ، كما كان يوسف الصديق الامين و صلوٰة اللّٰه عليه ، لم يضرر حُرّيته ان ستعبد وقهر واسر، و لم تضرره ظلمة الجب وحشته (۱)

آزاد مرد، ہمیشہ اور ہر حال میں آزاد مرد رہتا ہے، اگر کوئی بلا اس پر آپڑے تو اس کیلئے صبر اختیار کر لیتا ہے، اگر مصائب اس پر ٹوٹ پڑیں پھر بھی شکستہ حال نہیں ہوتا، اگر چہ اسے اسیر اور

---

(۱)۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۹۸۔

قیدی بنایا جائے یا اس پر ظلم اور ستم کیا جائے یا اس کی حالت، طاقت وقوت سے غربت وافلاس میں تبدیل ہو جائے لیکن اس کی حریت کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا، یوسف علیہ السلام جیسے صدیق اور امین کی حریت کو کوئی ضرر نہیں پہنچا اگر چہ اسے غلام اور قیدی بنا لیا گیا اور مورد ستم واقع ہوئے، کنوؤں کی وحشت ناک تاریکیوں نے ان کی حریت کو کوئی ضرر نہیں پہنچایا۔

آزادی پسندوں کے امام کے آزاد بیٹے نے طوق پہن کر آزادی کا سلیقہ سکھایا، پاؤں میں بیڑیوں کے ساتھ غلامی کے خلاف جنگ لڑی، اسارت اور حریت کے اس معرکہ میں دین کو آزاد کرایا، آل ابی سفیان کی اسارت سے انسانیت کو آزاد کرا کے، جینے کا طریقہ بتایا، آزاد مرد طوق پہن کر بھی آزاد ہیں، اور غلام لوگ طوق نہ پہن کر بھی اسیر ہیں۔

اسارت اور غلامی مومن کی شان نہیں، اس لئے کہ خدا نے اسے آزاد پیدا کیا ہے، حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

...... لاتكن عبد غيرك ، فقد جعلك الله حرّا......(۱)

دوسروں کے غلام نہ بنو خدا نے تمہیں آزاد پیدا کیا ہے۔

ب۔ اسیرہ شام حضرت زینب سلام اللہ علیہا اور آزادی

آزادیاں آسانی سے نہیں ملتیں، آزادیاں حاصل کرنے کیلئے علی علیہ السلام کی بیٹیوں کو بازاروں اور

(۱)۔ نہج البلاغہ، وصیت نامہ ۳۱، ص ۷۱۵۔

درباروں میں جانا پڑا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کو رسن بندھوانے پڑے، حسین علیہ السلام کی بہنوں نے دین اور انسانیت کے رسن کھولے اور اپنے بازو رسن کیلئے پیش کر دیئے، روایت میں ایک جملہ ہے جو انسان کے دل کو ہلا دیتا ہے، انسان کے جگر کو پھاڑ دیتا ہے۔

جب حضرت زینب سلام اللہ علیہا ہاتھ پس گردن بندھے ہوئے کوفہ کے دربار میں پہنچیں تو دیکھا کہ سارے مسلمان بیٹھے ہوئے ہیں ان میں اہل علم، اہل قرآن اور دیندار لوگ بھی بیٹھے ہوئے ہیں، لیکن ان کی ذہنیت، ان کی دنیا اور ان کا دین غلامانہ ہے، تو بی بی نے اپنی طرف نگاہ کی، اپنے ہاتھوں کو دیکھا، پھر مجمع کی طرف نگاہ کر کے ایک جملہ کہا جو جگر کو ہلانے والا ہے، حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا، کیا اس پوری محفل میں کوئی مسلمان بھی ہے؟ کیا اس پوری محفل میں کوئی انسان بھی ہے؟

علی علیہ السلام کی بیٹی یہ کہنا چاہتی تھیں کہ کیا اس محفل میں کوئی آزاد بھی ہے؟ یا سارے کے سارے غلام بیٹھے ہیں۔

۱۳۔ جناب حرّ اور حریت

کربلا میں ایک ایسا منظر بھی سامنے آیا کہ جہاں پر غلامی کی رسیاں، غلامی کے طوق پھینک کر حریت اور شہادت کا خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ جناب حر ریاحی رضی اللہ عنہ کا نام اگرچہ حر "آزاد" رکھا گیا تھا، لیکن حقیقت میں حر رضی اللہ عنہ کا دین غلامانہ تھا، دنیا بھی غلامانہ تھی، نامرئی طوق ان کی گردن میں پڑے ہوئے تھے، جب ایک ہزار کا دستہ لے کر ابوالاحرار کا راستہ روکا تو امام حسین علیہ السلام نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں حر ہوں، امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ کس لئے آئے ہو؟ حر رضی اللہ عنہ نے

کہا: آپ کا راستہ روکنے آیا ہوں، امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: ثکلتک امک !...... (۱) تیری ماں تجھ پر روئے، کیا چاہتا ہے ۔ حر رضی اللہ عنہ غلام بن کر آزادی کا راستہ روکنا چاہتا تھا۔ حر رضی اللہ عنہ نے امام حسین علیہ السلام سے کہا: اگر عرب میں یہ جملہ مجھے کوئی اور کہتا تو میں بھی اس کو وہی جواب دیتا لیکن میں کیا کروں، کہ آپکی ماں ایسی ہیں کہ میں ادب کے سوا نام لیے بغیر نہیں رہ سکتا، میں وہ نام زبان پر نہیں لا سکتا، اتنا تو گستاخ نہیں ہوں، معلوم ہوا کہ جس کا نام حر رضی اللہ عنہ تھا وہ اتنا اسیر پھر بھی نہیں تھا کہ جب حضرت زہرا علیہا السلام کا نام لینے کی باری آئی تو اس نے ادب واحترام کیا۔

اے حر رضی اللہ عنہ ! آپ میں اتنی تو شرم وحیا تھی، کہ آپ نے حضرت زہرا علیہا السلام کا نام بے ادبی سے لینا پسند نہیں کیا، اے کاش! اے حر رضی اللہ عنہ آپ مدینہ میں ہوتے جب غلاموں اور اسیروں نے حضرت زہرا علیہا السلام کے گھر کے دروازے کو آگ لگا دی، اس منظر کو قریب سے دیکھتے، جب زہرا علیہا السلام پکار پکار کر کہتی رہیں، اے غلامو! اے اسیرو! آگ نہ لگاؤ، یہ وہ گھر ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیت تطہیر پڑھا کرتے تھے، یہ وہ دروازہ ہے جس کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر سلام کرتے تھے۔

اے کاش! آپ مدینہ میں ہوتے تو اتنا احساس ہو جاتا، اس در اہل بیت علیہم السلام کو نہ جلایا جاتا، اے حر رضی اللہ عنہ ! آپ واقعاً حر رضی اللہ عنہ تھے، آپ واقعاً آزاد مرد تھے۔ حر رضی اللہ عنہ جب کربلا میں پہنچے تو اپنی غلامی کا احساس ہوا، کہا کہ میری ماں نے تو میرا نام حر رضی اللہ عنہ رکھا ہے لیکن میرا دین غلامانہ اور دنیا بھی غلامانہ ہے، آزادوں کے امام میرے مقابلے میں ہیں اور ایک دن کے مہمان ہیں اگر آج میں نے اپنی زنجیریں نہ کھولیں تو قیامت تک کیلئے غلام رہوں گا۔

حرؓ نے فرصت کو غنیمت سمجھا آزادی پسندوں کے امام کے پاس آئے اور دست بستہ عرض کرنے لگے اے آزادوں کے امام، کیا میری زنجیروں کے کھولنے کا کوئی طریقہ ہے، آیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ آیا حرؓ کو آزادی مل سکتی ہے یا نہیں؟ امامؑ نے فرمایا: حرؓ تم میرے پیارے ہو، زمین سے اٹھو، خاک نشین نہ بنو، اٹھو تم میرے مہمان ہو، حسینؑ نے تجھے قبول کرلیا اب تیری زنجیریں کھل گئیں، تیری غلامی کا زمانہ گزر گیا، حرؓ نے کہا: اے میرے مولا! اگر میں آزاد ہوں تو پھر ایک علامت چاہتا ہوں، وہ ہے کہ مجھے سب سے پہلے اذن جہاد مل جائے امام نے حرؓ کو اذن جہاد دے دیا۔

حرؓ نے بڑی بزرگواری کی اور اس سے پہلے کہ خود جہاد کرے اپنے جوان بیٹے کو جہاد کیلئے بھیجا، جب ان کا جوان بیٹا لڑتا ہوا شہید ہوگیا، حر نے اپنے جوان بیٹے کی لاش ہاتھوں پر اٹھائی، آکر حسینؑ کے قدموں میں ڈال دی، کہنے لگے اے آزادوں کے امام! اے غلامی سے نجات دلانے والے! اپنے اس غلام کی قربانی کو قبول فرمالیجئے، اس کے بعد خود میدانِ کارزار میں نکلے، لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش فرمایا، جب گھوڑے سے گر رہے تھے تو ندا دی، اے آزادوں کے مولا! اپنے غلام کے جنازہ پر آئیں اور آخری دیدار کا موقع عنایت فرمائیں، امامؑ حرؓ کے جسد مبارک پر آئے، اس کے سر کو اٹھا کر اپنی گود میں رکھا، اور فرمایا: تیری ماں نے تیرا نام برحق حرؓ رکھا تھا (۱) تو آزاد مرد ہے، تو نے موت سے پہلے ساری زنجیریں کھول دی ہیں۔

---

(۱)۔ واللہ ما اخطات امّک اذ سمّتک حراً فانت واللہ حرٌ فی الدنیا و سعیدٌ فی الآخرۃ خدا کی قسم تیری ماں نے ہرگز خطا نہیں کی جب تیرا نام حر رکھا، خدا کی قسم تم دنیا میں آزاد مرد اور آخرت میں سعادت مند ہو۔ موسوعہ کلمات امام حسینؑ، ص ۴۴۰۔

صبر

چھٹی قدر

۱۔صبر عاشورائی قدر

۲۔قرآن کریم میں صابرین کا مقام

۳۔صبر معصومین علیہم السلام کے کلام میں

۴۔صبر اولیاء الٰہی کی منزل

۵۔صبر کا مثبت معنی

۶۔جوانی صبر کرنے کا بہترین دور

۷۔ صبر کے معنی میں تحریف

۸۔صبر کے معنی

۹۔صبر کے مقامات

الف۔مصیبت کے مقام پر صبر کرنا

ب۔اطاعت کے مقام پر صبر کرنا

ج۔معصیت کے مقام پر صبر کرنا

۱۰۔اللہ صابرین کے ساتھ

۱۱۔امام حسین علیہ السلام اسوۂ صبر

۱۔ صبر عاشورائی قدر

عاشورائی اقدار میں سے ایک اہم قدر جس کو حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے روح عطا کر کے زندہ کیا، جسے پامال ہونے سے بچایا اور انسانیت کے لئے متعارف کروایا وہ صبر ہے۔ صبر جیسی عظیم قدر جسے دیگر تعلیماتِ اسلامی، معارفِ قرآنی اور دوسری اقدارِ الٰہی کی طرح لوگوں نے کچل دیا تھا، جس سے روح نکال لی گئی تھی، امام حسین علیہ السلام نے صبر کا صحیح مفہوم متعارف کرا کے اس کو ہدیہ کے طور پر بشریت کے سامنے پیش کیا۔

پس کہہ سکتے ہیں کہ صبر عاشورائی قدر ہے، اس کی جڑوں میں امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب باوفا کا خون لگا ہوا ہے، اقدار کی جنگ میں صبر، فاتح اور سرخرو نکلا، امام حسین علیہ السلام نے ہمیں سکھا دیا کہ صبر کیسے کیا جاتا ہے اور صبر کے معنی بتا کر اس عظیم اسلامی قدر کو نجات دی۔

صبر عاشورائی قدر

۲۔ قرآن کریم میں صابرین کا مقام

قرآن کریم میں خداوند تبارک تعالیٰ نے انسان کیلئے جو مقامات ذکر فرمائے ہیں، جن پر انسانوں کو سراہا ہے ان میں سے ایک اہم مقام، صابرین کا مقام ہے۔ جابجا قرآن کریم میں صبر کی بناء پر انسانوں کی ستائش کی گئی ہے، صابرین کیلئے اجر و پاداش کا ذکر کیا گیا ہے۔

صابرین کے مقام کو قرآن کریم میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے،

...... وبشّر الصّابرین ☆ الّذین اذا اصابتهم مصیبةٌ قالوا انّا للّٰه وانّا الیه راجعون (۱)

۱)۔ سورۃ بقرہ آیت ۱۵۵، ۱۵۶۔

ان صابرین کو بشارت دیں کہ جو کسی مصیبت میں گرفتار ہوجائیں، تو کہتے ہیں انا للہ و انا الیہ راجعون یعنی ہم خدا کی جانب سے آئے ہیں اور اسی کی طرف پلٹ کر جارہے ہیں، جب صابرین کا مقام جنت میں دوسرے لوگ دیکھیں گے تو اس پر رشک اور غبطہ کیا کریں گے کہ اے کاش ہم بھی صابرین میں سے ہوتے۔

صابرین جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کا بہت ہی شان وشوکت سے والہانہ استقبال کیا جائے گا، بہشت ان کے قدموں کی منتظر ہوگی، ملائکہ حتیٰ رضوان بھی ان کے انتظار میں کھڑے ہوں گے، ملائکہ جب ان کے استقبال کے لئے سامنے آئیں گے تو ان کلمات کیساتھ صابرین کو خوش آمدید کہیں گے۔

سلامٌ علیکم بما صبرتم ...... (۱) سلام ہو تم پر اس صبر کی وجہ سے جو تم نے دنیا میں اختیار کیا تھا، معلوم ہوا کہ صبر انسان کا ایک ایسا برجستہ اور عظیم مقام ہے کہ دنیا میں اس کو بشارت الٰہی کا مصداق قرار دیا ہے اور آخرت میں بھی انسان کو اس قابل بنادیتا ہے کہ جب صابرین بہشت میں وارد ہوں گے تو ملائکہ استقبال کیلئے آئیں گے، درود وسلام بھیجنا شروع کردیں گے۔

قرآن مجید کی رو سے صبر عظیم ترین فضیلت انسانی ہے، روایات اور سیرت معصومین علیہم السلام میں بھی جس قدر صبر پر تاکید کی گئی ہے کسی اور فضیلت پر اتنی تاکید نہیں ہوئی ہے۔

قرآن کریم میں صابرین کا مقام

---

(۱)۔ سورۃ الرعد آیت ۲۴۔

۳۔ صبر معصومین علیہم السلام کے کلام میں

"صبر" کے متعلق احادیث اور روایات بہت ہی زیادہ ہیں، اس کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے نہج البلاغہ سے چند احادیث پیش کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت علی علیہ السلام سے ایمان کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

وسُئِل عن الایمان ؟ فقال : **الایمانُ علی اربع دعائم** : علی الصّبر، والیقین، والعدل، والجهاد، **والصّبر منها علی اربع شعب** : علی الشّوق، و الشّفق والزّهد، والتّرقّب، فمن اشتاق الی الجنة سلا عن الشّهوات، ومَن اشفق مِن النّار اجتنب المحرّمات، ومَن زهد فی الدّنیا استهان بالمصیبات ومَن ارتقب الموت، سارع الی الخیرات ......(۱)

ایمان چار ستونوں پر قائم ہے:

صبر، یقین، عدل اور جہاد۔

صبر کی چار شاخیں ہیں:

اشتیاق، خوف، دنیا سے بے اعتنائی اور انتظار۔

جو جنت کا مشتاق ہوگا وہ خواہشوں کو بھلا دے گا اور جو دوزخ سے خوف کھائے گا وہ محرمات سے کنارہ کشی کرے گا اور جو دنیا سے بے اعتنائی اختیار کرے گا وہ مصیبتوں کو آسان سمجھے گا، جسے موت کا انتظار ہوگا وہ نیک کاموں میں جلدی کرے گا۔

(۱)۔ نہج البلاغہ، حکمت ۳۰، ص ۸۱۸۔

۲۔ لایعدَم الصّبور الظّفر وان طال به الزّمان (۱)

صبر کرنے والا ظفر و کامیابی سے محروم نہیں ہوتا چاہے اس میں طویل زمانہ لگ جائے۔

۳۔ من لم ینجه الصبر، اهلکه الجزع (۲)

جسے صبر رہائی نہیں دلاتا اسے بے تابی و بے قراری ہلاک کر دیتی ہے۔

۴۔ اوصیکم بخمسٍ لوضربتم الیها اباط الأبل لکانت لذالك اهلاً: لایرجونّ احدٌ منکم الّا ربّه، ولا یخافنّ الّا ذنبه، ولا یستحینّ احدٌ (منکم) اذاسُئِل عمّالا یعلم اَن یّقول لااعلم، ولا یستحینّ احدٌ اذا لم یعلم الشّئی ان یتعلّمه، وعلیکم بالصّبر فانّ الصّبر من الایمان کالرّاس من الجسد ولا خیر فی جسدٍ لا رأس معه، ولا في أیمانٍ لاصبر معه (۳)

تمہیں ایسی پانچ باتوں کی ہدایت کی جاتی ہے کہ اگر انہیں حاصل کرنے کیلئے اونٹوں کو ایڑ لگا کر تیز ہنکاؤ تو وہ اسی قابل ہوں گی تم میں سے کوئی شخص اللہ کے سوا کسی سے آس نہ لگائے اور اس کے گناہ کے علاوہ کسی شئی سے خوف نہ کھائے اور اگر تم میں سے کسی سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے جسے وہ نہ جانتا تو یہ کہنے میں نہ شرمائے کہ میں نہیں جانتا اور اگر کوئی شخص کسی بات کو نہیں جانتا تو اس کے سیکھنے میں نہ شرمائے اور صبر و شکیبائی اختیار کرو کیونکہ صبر کو ایمان سے وہی نسبت ہے جو سر کو بدن سے ہوتی ہے، اگر سر نہ ہو تو بدن بیکار ہے یونہی ایمان کے ساتھ صبر نہ ہو تو ایمان میں کوئی خوبی نہیں۔

۵۔۔۔۔۔۔واستتمّوا نعمة اللّٰه علیکم بالصّبر علیٰ طاعة اللّٰه، والمحافظة علیٰ ما استحفظکم من کتابه ...... اخذاللّٰه بقلو بناو قلوبکم الیٰ الحقّ و الهَمنا وایّاکم الصّبر (۴)

(۱،۲،۳)۔ نہج البلاغہ، حکمت ۱۵۳، ص ۸۶۰۔ حکمت ۱۸۹، ص ۸۶۷۔ حکمت ۸۲، ص ۸۳۳۔
(۴)۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۱، ص ۴۶۵۔

اطاعت خدا پر صبر کرکے اور جن چیزوں کی اس نے اپنی کتاب میں تم سے حفاظت چاہی، ان کی حفاظت کر کے اس سے نعمتوں کی تکمیل چاہو...... خداوند ہمارے دلوں کو حق کی طرف متوجہ کرے ہمیں اور تمہیں صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

۴۔صبر اولیاء الٰہی کی منزل

جب کبھی کسی نبی کا مقام بیان کیا گیا ہے تو اس میں سے صبر کو ضرور ذکر کیا گیا ہے اگرچہ معروف تو یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ایوب علیہ السلام سب سے بڑے صابر نبی تھے لیکن اگر قصص انبیاء کا مطالعہ کیا جائے اور قرآن پاک میں انبیاء علیہم السلام کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو قرآن کریم نے ہر نبی کیلئے مقام صبر کو ذکر کیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صابر کہا ہے، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، سب کے تذکرہ میں صبر آیا ہے یوں نہیں کہ اگر ایک نبی صبر کی وجہ سے معروف ہو گئے تو یہ فضیلت دوسرے انبیاء علیہم السلام یا ائمہ معصومین علیہم السلام میں کم درجہ کی تھی بلکہ تمام معصومین علیہم السلام کی سیرت میں صبر جیسا عنصر نمایاں طور پر نظر آتا ہے، اہل معرفت وعرفان نے اولیاء الٰہی کیلئے جو مقامات اور منازل ذکر کیے ہیں ان میں سے ایک منزل کو، صبر قرار دیا ہے یعنی صبر انسان کے اندر ایک صفت نہیں بلکہ انسان کے لئے ایک مرتبہ اور درجہ ہے جس پر فائز ہو کر منزل صبر تک جا پہنچتا ہے۔

۵۔ صبر کا مثبت معنی

بہت ساری ایسی قدریں ہیں جن کے معنی، مثبت ہیں لیکن ہم نے ان کو منفی معانی میں تبدیل کر دیا ہے، ان کی تعریف میں ہم نے منفی معنی داخل کر دیئے ہیں، ان کو منفی مفاہیم کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے جیسے تقویٰ ہے ہمیں تقویٰ کی تعریف میں بتایا گیا ہے تقویٰ یہ ہے کہ انسان کے اندر فلاں چیز نہ ہو، فلاں صفت نہ ہو، فلاں خصلت نہ ہو، جب ان اشیاء کے نہ ہونے کا نام تقویٰ ہے تو ادھر سے قرآن اٹھا کر دیکھیں، قرآن یہ نہیں کہتا ہے کہ جس کے اندر چند چیزیں نہ ہوں وہ متقی کہلاتا ہے بلکہ قرآن کی نظر میں کچھ کرنے کا نام تقویٰ ہے، اسی طرح صابر اس کو نہیں کہا جاتا جس کے اندر کچھ منفی صفات پائی جاتی ہوں اور کچھ چیزیں نہ پائی جاتی ہوں بلکہ صبر ایک مثبت مقام ہے، صبر کچھ ہونے یا کچھ کرنے کا نام ہے، صبر کچھ نہ کرنے کا نام نہیں ہے۔ لوگوں نے صبر کے معنی، منفی اور کچھ نہ کرنا سمجھا تھا، اس سے روح نکال کر پامال کیا گیا تھا، سید الشہداء علیہ السلام نے اس میں روح ڈالی، بتایا کہ صبر کچھ نہ کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ صبر کچھ کرنے کا نام ہے۔

انسان بہت سے مفاہیم کو منفی مفاہیم سمجھتا ہے، حتیٰ کہ عصمت اور عدالت جیسے عظیم مفاہیم کی تعریف میں منفی اشیاء کا ذکر کر دیتا ہے، مثلاً عصمت کی تعریف میں کہا جاتا ہے، معصوم وہ ہے جو گناہ نہ کرے، جو خطا نہ کرے، جو حرام کا مرتکب نہ ہو اور جو کسی واجب کو ترک نہ کرے۔

تو گویا یوں نظر آتا ہے کہ کچھ نہ کرنے کا نام عصمت ہے تو سید الشہداء علیہ السلام نے بتایا کہ عصمت کچھ نہ کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ عصمت کچھ کرنے کا نام ہے۔ بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو یہ معصوم ہوتا ہے وہ کچھ نہ کرنے کی وجہ سے معصوم بنا پس بچوں کی عصمت اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی

عصمت میں زمین وآسمان کا فاصلہ ہے۔

لوگوں نے عصمت، عدالت، تقویٰ، صبر جیسی عظیم اقدار کے معانی، منفی اور کچھ نہ کرنا سمجھے ہیں وہ سوچتے ہیں کہ عدالت کچھ نہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے، تقویٰ کچھ نہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے حتیٰ عصمت بھی اسی طرح کچھ نہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

لہٰذا ہم تسبیح ہاتھ میں لے کر، مسجدوں میں اپنے مصلے پر بیٹھیں رہیں گے اور اس طرح عادل، متقی، صابر، حتی معصوم بھی بنتے چلے جائیں گے، لیکن سید الشہداء علیہ السلام نے ہمیں سکھادیا کہ یہ اقدار کچھ نہ کرنے سے حاصل نہیں ہوتیں بلکہ کچھ کرنے سے حاصل ہوتی ہیں جب تک معین اعمال نہ کیے جائیں انسان عادل نہیں ہوسکتا، جب تک یہ خاص اعمال بجانہ لائیں تو متقی اور صابر نہیں بن سکتا ہے اگر کوئی کچھ نہ کرنے سے معصوم ہوا تو بچوں کی صف میں کھڑا کیا جائیگا لیکن اولیاء اللہ کے زمرے میں نہیں آسکتا، بچوں کی عصمت، بہت ہی سستی عصمت ہے اس لیے کہ کچھ بھی نہیں کرتے، انسان بڑا ہوکر بھی پسند کرتا ہے کہ اے کاش میں بھی بچوں کی طرح معصوم ہوتا، جیسے بچے کچھ بھی نہیں کرتے، میں بھی نہ کرتا لہٰذا کچھ نہ کرنے کی وجہ سے ہر دل عزیز ہوجاتا۔





حالانکہ بچوں اور بڑوں میں بہت فرق ہے، بچوں کے اندر شعور نہیں، ان میں کچھ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اس لیے کہ خدا نے انھیں طاقت، قدرت اور عقل نہیں دی لہٰذا خداوند تعالیٰ نے کچھ نہ کرنے کیلئے شرائط بیان نہیں کیں، بلکہ کچھ کرنے کی شرائط بیان کیں ہیں وہ شرائط، عقل، قدرت اور بلوغ ہیں۔

خداوند جب کسی کو عقل اور قدرت عطا کرتا ہے تو اس سے کچھ چاہتا ہے، اس نے کچھ کرنا ہے،

اس لئے کہ کچھ کرنے کی صلاحیت عطا کردی ہے، یہ سرمایہ خداوند نے عطا کیا تا کہ کچھ کرو، پس کچھ نہ کرنے سے عصمت حاصل نہیں ہوتی، عدالت اور تقویٰ حاصل نہیں ہوتا، اسی طرح صبر بھی کچھ نہ کرنے کا نام نہیں ہے۔

۶۔ جوانی صبر کرنے کا بہترین دور

انسان کی عمر مختلف مراحل سے گزرتی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کی عمر تین مختلف دور میں تقسیم کردی ہے۔ پہلا دور لڑکپن اور بچپنے کا دور ہے، اس دور میں انسان ضعیف اور ناتوان ہے کچھ کرنے کے قابل نہیں، پھر بتدریج قوت، بڑھتی جاتی ہے، یہ طاقت بڑھتے بڑھتے عمر کا ایک ایسا دور شروع ہو جاتا ہے جس میں یہ طاقت مکمل ہوجاتی ہے۔

انسان کی ساری قوتیں اور استعداد اپنے نکتہ عروج پر جا پہنچتی ہیں، یہی وہ جوانی کا سنہری دور ہے، جن کے ہاتھ میں ابھی یہ فرصت ہے، اس فرصت سے فائدہ اٹھائیں اس دور میں انسان کے ذہن میں فکر کرنے کی صلاحیت مکمل ہوجاتی ہے، ساری صلاحتیں اوج پر پہنچ جاتی ہیں اور کچھ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

اس کے بعد تیسرا دور شروع ہوجاتا ہے، آہستہ آہستہ قدرت ختم ہونا شروع ہوجاتی ہے، جنم کے پہلے دن جیسا حال ہوجاتا ہے، پہلے کی طرح پھر ناتواں ہیں، آج پھر کسی تیماردار کی ضرورت ہے۔ لہذا خداوند تعالیٰ نے انسان کی عمر کو تین مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے، جوانی کا زمانہ اوج اور توانائی کا زمانہ ہے۔


جوانی عمر گزارنے کا اہم ترین دور


اگر انسان سوچے کہ پندرہویں سال میں قدم رکھنے سے بدن میں طاقت آجاتی ہے جونہی پندرہ سال پورے ہوجائیں تو احکام شرعیہ میری گردن پر عائد ہوجاتے ہیں ان مطالب کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ جوانی کا زمانہ دیکر خداوند انسان سے اپنے فرائض کی انجام دہی چاہتا ہے، خداونداس سے کوئی کام چاہتا ہے جبکہ بچپن کے دور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم اس پر لاگو نہیں ہوتا بلکہ بچہ مرفوع القلم ہے چونکہ کچھ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

اسی طرح پھر بڑھاپے میں بعض پر مشقت کی وجہ سے فرائض کی انجام دہی معاف ہوجاتی ہے روزہ رکھنا اس پر واجب نہیں ہوتا، جوانی کے آغاز سے ہی مسودۂ فرائض انسان کی گردن پر عائد کیا جاتا ہے جب میرے بدن میں طاقت نہیں تھی، شعور نہیں تھا، خدا نے مجھے اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ اپنے احکام اور فرائض میری گردن پر ڈال دے اگر دین وشریعت کچھ نہ کرنے کا نام ہوتا تو پندرہ سال کا انتظار نہ کیا جاتا لہٰذا دین وشریعت کچھ کرنے کا نام ہے، الٰہی اقدار کچھ کرنے کا نام ہیں۔

شیخ طوسی نے 'امالی' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

يا اباذر! اغتنم خمساً قبل خمسٍ، شبابك قبل هرمك، وصحتك قبل سقمك، وغناك قبل فقرك، و فراغك قبل شغلك، و حياتك قبل موتك (۱)

اے ابوذر رضی اللہ عنہ! پانچ چیزیں، پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو، جوانی بڑھاپے سے پہلے،

---

(۱) الامالی شیخ طوسی، ص۵۲۶۔

صحت اور سلامتی، بیماری سے پہلے؛ دولت مند ہونا، فقر اور ناداری سے پہلے؛ فارغ ہونا، مصروفیات سے پہلے؛ زندگی، موت سے پہلے۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر کرنے کا بہترین دور وہی جوانی کا دور ہے اس لیے کہ صبر کے معنی کچھ کرنے کے ہیں، مصائب اور مشکلات کے مقابلے میں ڈٹ جانا، نیزوں اور تلواروں کا سامنا کرنا، شجاعت اور دلیری کے جوہر دکھانے کا بہترین دور وہی جوانی کا دور ہے، اس دور میں انسان بہت کچھ کر سکتا ہے اور اس دور میں انسان صابرین کے مقام پر فائز ہو سکتا ہے ورنہ اگر جوانی میں سستی اور کاہلی سے کام لیا جائے اور انسان اپنی عمر کو برباد کرے، اپنے آپ کو مصائب اور مشکلات کے ساتھ مقابلہ کرنے کا عادی نہ بنائے تو پھر بہت ہی معمولی سی بات پر اس کی ہمت ٹوٹ جائے گی، اس میں برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں ہوگا۔

۷۔ صبر کے معنی میں تحریف

انسان کو پسند ہے کہ میں توانا ہو کر بھی ناتوانوں والی زندگی بسر کروں، توانائی میں بچپن جیسا ہو جاؤں کوئی آ کر مجھے سنبھالے اگر انسان اپنی زندگی میں معاش کے سلسلے میں یہی کام کرے تو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا نہ صرف اس پر اکتفاء نہیں کرتا ہے بلکہ بڑھ کر اسلامی اقدار کے معانی بھی تبدیل کر کے بگاڑ دیتا ہے اسلام کے معنی کو بدل دیتا ہے کہ اسلام چاہتا ہے کہ میں کچھ بھی نہ کروں لہٰذا تقویٰ، عدالت، صبر، کے معانی کچھ نہ کرنا کر دیئے۔

اسی طرح صبر سے بھی روح نکال دی، صبر کو ستم پذیری اور ظلم قبول کرنے کے معنی میں تبدیل

کردیا گیا، صبر یعنی خاموشی، حالات کے ساتھ سازگاری، زبان سے کچھ نہ کہنا، صبر یعنی حرکت نہ کرنا، آرام سے بیٹھ کر وقت گزارنا، یہ وہ معانی ہیں جو آج تک صبر کیلئے استعمال ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے کو صبر اختیار کرنے کی تلقین بھی کرتے ہیں، کوئی ظالم آپ سے حق چھین لے تو آپ دوسرے سے شکوہ کرتے ہیں وہ کہتا ہے بھائی صبر کرو، آپ سمجھ لیتے ہیں کہ اس نے آپ سے کیا کہا ہے، پوچھتے بھی نہیں کہ صبر کرنے کا مطلب کیا ہے؟ بلکہ آپ کے ذہن میں یہی آجاتا ہے کہ یہ مجھ سے کہہ رہا ہے کچھ نہ کریں چپ سادھ لیں ظاہر میں اگرچہ، اس جملہ (صبر کرو) کا لہجہ مثبت ہے لیکن اس سے منفی معانی مراد۔۔لیے جاتے ہیں۔

''صبر کرو'' کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ کرنے کا کہہ رہا ہے لیکن باطن میں یہ کہہ رہا تھا صبر اختیار کروں یعنی کچھ نہ کروں، منافق وہی ہوتا ہے جس کا ظاہر و باطن ایک نہ ہو۔

اگر انسان اسی طرح سے دینی اقدار کا معنی کر کے ظاہراً اس کو مثبت لہجے میں پیش کرے لیکن باطن میں ان کی روح مار ڈالے تو یہ وہی نفاق ہے، انسان نے یہ نفاق دینی تعلیمات کے اندر بھی ڈالنا شروع کر دیا ہے، یعنی دینی تعلیمات کا ظاہر کچھ بنا دیا ہے اور باطن میں ان سے کچھ اور ارادہ کیا جاتا ہے۔

صبر اختیار کرو! اس جملہ کا معنی کچھ بھی نہ کرو، یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اللہ صابرین کو خوشخبری دیتا اور فرماتا ہے وبشّر الصّابرین الّذین...... اے پیغمبر! ان صابرین کو خوشخبری سناؤ، آیا کچھ نہ کرنے کی بشارت سنائی جاتی ہے یا کچھ کرنے کی بشارت سنائی جاتی ہے معلوم ہوا کہ دینی اقدار کو غلط سمجھنا ایک قسم کا نفاق ہے، دینی اقدار کو بگاڑنے والے حقیقت میں منافق ہوتے ہیں۔

۸۔صبر کے معنی

امام حسین علیہ السلام نے جس طرح لوگوں کے دل سے نفاق نکالا، اسی طرح تعلیماتِ دینی سے نفاق باہر نکال پھینکا جو لوگوں کی وجہ سے ان میں داخل ہوگیا تھا، دین کا ظاہر و باطن ایک کر دیا، صبر جس کے معنی ظاہر میں کچھ نہ کرنے کے تھے، اس کے معنی کو ظاہر اور باطن میں، کچھ کرنا بنادیا امام حسین علیہ السلام نے کچھ کر کے بتادیا، دیکھو میں جو کچھ کررہا ہوں، اس کو **"صبر"** کہتے ہیں۔

آپ نے جب میدانِ کارزار میں اپنے باوفا اصحاب اور بنی ہاشم کو دیکھا کہ میرے یہ جنگجو سپاہی، بہت ہی تشنہ لب ہیں، حضرت علیہ السلام نے ان کو اکٹھا کیا اور خطبہ دیا: ان کو اس جملہ سے مخاطب کیا: صبراً بنی الکرام اے کرامت کے بیٹو! اے صاحبان کرامت! اس تشنگی کے عالم میں اس طرح ڈٹے رہو شمشیر اور نیزوں کو اٹھاؤ، میدان کارزار میں دشمنوں سے لڑو یہی تمہارا صبر ہے۔ یہ نہیں فرمایا! اب تم بہت پیاسے ہو لہٰذا صبر کرو، یعنی کچھ نہ کرو، خیموں میں آرام سے بیٹھ جاؤ اس طرح سے صبر کروانا ہوتا تو سب کو مدینہ میں چھوڑ کر آجاتے معلوم ہوا، کہ صابرین کا مقام مدینہ میں نہیں بنتا، بلکہ صابرین کا مقام میدانِ کربلا میں تلواروں کے سایہ میں حاصل ہوتا ہے۔



ایسے صابرین جو بہت سخت گرمی میں، نہایت تشنگی کے عالم میں، شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوئے، تلواروں اور نیزوں کی بارش میں چلے جاتے ہیں، یہ وہی ہیں کہ جن پر ملائکہ سلام کر کے ان کا استقبال کریں گے اور اللہ کی طرف سے بشارت انہی پر نازل ہوگی۔

پس صبر کے صحیح معنی استقامت، پائیداری اور ڈٹ جانا ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا ہے کہ صبر اختیار کرنے کا بہترین زمانہ جوانی کا دور ہے جوانی میں انسان بہت سخت چیزوں کا مقابلہ کرسکتا ہے جو

بڑھاپے میں شاید اس سے نہ ہوسکے، مگر جن کے دل جوان ہیں جن کے ارادے جوان ہیں وہ بھی بہت سخت چیزوں کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔

پس تلواروں اور نیزوں کے ساتھ، خواہشات نفسانی کے ساتھ، مشکلات، اور مصائب کے ساتھ نمٹنے کا نام صبر ہے، واضح سی بات ہے کہ مقابلے کے اندر کچھ کرنا ہوتا ہے نہ کہ، کچھ نہ کرنے کا نام مقابلہ ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

صبراً بنی الاکرام ، فما الموت الّا قنطرةٌ تعْبر بکم عن البؤس والضّراء الی الجنان الواسعة والنّعیم الدّائمه ، فایّکم یکره ان ینتقل مِن سجنٍ الیٰ قصرٍ ، وما هو لأ عدائکم الّاکمن ینتقل من قصرٍ الیٰ سجنٍ و عذابٍ ، انّ أبي حدّثني عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : انّ الدّنیا سجن المومن و جنة الکافر...... (۱)

اے کرامت کے فرزندوں! صبر اختیار کرو، موت ایک پل ہے جس کے ذریعے سے تم پریشانیوں اور مصائب سے گزر کر ہمیشہ رہنے والی نعمتوں اور وسیع جنتوں کی طرف جاؤ گے، تم میں سے کون ہے جس کو زندان سے محل کی طرف جانا پسند نہ ہو اور موت تمہارے دشمنوں کیلئے ایسی ہی ہے کہ کسی کو محل سے نکال کر زندان اور عذاب کی طرف لے جایا جائے، میرے والد بزرگوار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث میں نقل کیا ہے کہ دنیا مومن کے لیے زندان اور کافر کے لئے جنت ہے۔

(۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، ۳۹۷۔

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی، پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر آپ نے فرمایا:

وانّ اللّٰہ اذن فی قتلکم فعلیکم بالصّبر

خداوند نے تمہیں دشمنوں سے لڑنے کا اذن دیا ہے اور تم صبر اختیار کرو۔

۹۔ صبر کے مقامات

حضرت علی علیہ السلام سے ایک روایت ہے کہ صبر، دو مقام پر کرنا چاہیے آپ فرماتے ہیں:

الصّبر صبران ، صبرٌ علیٰ ما تکرہ ، وصبرٌ عمّا تحب (۱)

صبر کا ایک مقام وہ ہے جب تمہیں کسی ناپسندیدہ چیز کا سامنا کرنا پڑے، دوسرا مقام یہ ہے کہ جب کسی پسندیدہ چیز کا سامنا کرنا پڑ جائے، یعنی حب و بغض کے مقام پر صبر کرنا چاہیے۔

ایک دوسری حدیث میں امیر المومنین علیہ السلام سے نقل ہوا ہے:

قال علی علیہ السلام، الصّبر ثلاثۃ : الصّبر علیٰ المصیبۃ، والصّبر علیٰ الطّاعۃ، والصّبر عن المعصیۃ (۲)

حقیقت میں حب و بغض کے تین مقام ہیں۔

پہلا. مقام مصیبت پر صبر کرنا۔

دوسرا. مقام اطاعت پر صبر کرنا۔

تیسرا. مقام معصیت پر صبر کرنا ہے۔

---

(۱) نہج البلاغہ حکمت ۵۵، ص ۸۲۶۔

(۲) تحف العقول، ابن شعبہ حرانی، ص ۲۰۶۔

یعنی جب بلا اور مصیبت آپڑے تو صبر کرنا چاہیے، اطاعت میں حب و بغض کا بڑا دخل ہے اسی طرح مصیبت اور معصیت میں بھی، لہٰذا ان تینوں کا دارومدار حب و بغض پر ہے ان مقامات میں صبر کرنے سے مراد وہی استقامت، پائیداری اور ڈٹ جانا ہے، کچھ کرنے کا نام ہے نہ کہ کچھ نہ کرنے کا۔

الف۔ مصیبت کے مقام پر صبر کرنا۔

مصیبت کے وقت انسان کو صابر ہونا چاہیے چونکہ مصیبتیں، انسان کو اپنے راستے سے ہٹانے کیلئے نازل ہوتی ہیں۔ مصیبتوں کے وقت وہ لوگ صبر کرتے ہیں کہ جو ان میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں مصیبتوں میں گھرے ہوئے لوگ وہ ہیں کہ جو راستہ طے کر رہے ہوتے ہیں ورنہ گھر میں بیٹھے ہوئے لوگ بھی آسائش کو اپنے لئے مصیبت سمجھتے ہیں مصیبتیں وہ ہیں جو بندگانِ خدا کو اللہ کی راہ میں پیش آجاتی ہیں وہ اس راستہ کو جاری رکھنا چاہتے ہیں جس میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیش آتی ہیں ان کو حکم ہے کہ اس راستے کو جاری رکھو، مصائب اور رکاوٹوں کی وجہ سے سستی نہ دکھاؤ تم اس راستے پر ڈٹ جاؤ، ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹنا، واویلا کر کے زبان نہ کھولنا، تم راستے کو چھوڑ کر واپس نہ چلے جانا بلکہ تمام مصائب کو برداشت کر کے اس راستے کو طے کرنا تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی یہ راستہ طے کرنا آسان نظر آئے حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

ينزل الصّبر على قدر المصيبة ، ومَن ضرب يده علىٰ فخذه عند مصيبته حبط عمله (۱)

۱)۔ نہج البلاغہ حکمت ۱۴۴، ص ۸۵۳۔

مصیبت کے مطابق (اللہ کی طرف سے) صبر کی ہمت حاصل ہوتی ہے، جو شخص مصیبت کے وقت ران پر ہاتھ مارے اس کا عمل ضایع ہو جاتا ہے۔ لہذا مصیبتوں کے وقت رانوں پر ہاتھ مارنے کی بجائے ڈٹ جانا چاہیے، استقامت دکھانی چاہیے خندہ پیشانی کے ساتھ اس راستہ کو جاری رکھنا چاہیے۔

ب۔ اطاعت کے مقام پر صبر کرنا

اطاعت کے مقام پر صبر کرنا چاہیے اس لیے کہ اطاعت بڑی مشکل چیز ہے، یہ مطیع انسان کو معلوم ہو سکتا ہے کہ اطاعت کتنی سخت چیز ہے۔ قرآن مجید میں انسان کو بارہا نقطۂ اطاعت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

......اطیعو اللہ واطیعو الرسول ﷺ واولی الامر منکم......(۱)

تم اللہ کی اطاعت کرو، رسول ﷺ اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔

یہ ضرورت اس لیے پڑی کہ لوگوں کو مقام اطاعت میں مشکل پیش آ رہی تھی لہذا فرمایا: مقام اطاعت میں صبر سے کام لینا، ورنہ مقام اطاعت میں فیل ہو جاؤ گے، کیونکہ اطاعت نہایت ہی مشکل کام ہے۔

شاید ہم اس گمان میں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہے ہیں اور ہمیں تو کوئی مشکل پیش نہیں آئی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مطیع انسان کو ہی معلوم ہو سکتا ہے کہ اطاعت کتنی مشکل ہے۔

---

(۱)۔ سورۂ نساء آیت ۵۹۔

معصیت کار، جرائم پیشہ، سست اور کاہل افراد کو کیا معلوم کہ اطاعت کتنی سخت چیز ہے اطاعت میں کتنے صبر کی ضرورت ہے، معصوم کی حدیث ہے ما اطعناك حق طاعتك اے اللہ ہم نے تیرا حق اطاعت ادا نہیں کیا، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

شیّبتنی سورة هود(۱)　سورۃ ھود نے میری کمر توڑ دی۔

مجھے بوڑھا کر کے میرے بال سفید کر دیئے حالانکہ سورۃ ھود سے بڑی سورتیں موجود ہیں آخر وجہ کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف سورۃ ھود کے متعلق فرمایا، کیا اس کی تفسیر نے بوڑھا کر دیا، یا اس کی تلاوت اور تبلیغ نے بوڑھا کر دیا؟ مفسرین کے اقوال مختلف ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کیوں فرمایا کہ سورۃ ھود نے مجھے بوڑھا کر دیا۔

بعض مفسرین نے اس راز سے پردہ اٹھایا فرماتے ہیں کہ سورۃ مبارکہ ھود میں ایک آیت ہے جو پورے قرآن میں نہیں ہے۔ اس آیت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سورۃ ھود نے میرے بال سفید کر دیئے اور وہ آیت ہے فاستقم کما امرت...... (۲)

''جس طرح سے تمہیں حکم دیا گیا ہے اسی کے مطابق استقامت دکھاؤ، اسی کے مطابق اطاعت کرو، ذرا برابر بھی ادھر ادھر نہیں ہونا۔'' تو آیت پر عمل کرنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ سورۃ ھود نے میری کمر توڑ دی، اس لئے کہ یہ سورۃ کہہ رہی ہے کہ

۱)۔ عن ابی عباس قال: قال ابو بکر یا رسول اللہ ﷺ، اسرع الیك الشیب، قال ﷺ شیبتنی ھود ......۔
الخصال شیخ صدوق، ص۱۹۹۔

۲)۔ سورۃ ھود آیت ۱۱۲۔

اے رسول اللہ ﷺ! جس طرح سے آپ مأمور ہیں اسی طرح سے استقامت دکھا کر اطاعت کرو۔ اس لئے آپ فرماتے ہیں کہ استقامت دکھاتے دکھاتے میرا یہ حال ہوگیا ہے کہ میری کمر ٹوٹ گئی۔

اب یہاں سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اطاعت کتنی سخت ہے۔ اطاعت سے مراد صرف نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، حج ادا کرنا نہیں ہے بلکہ اطاعت سے مراد یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو رضائے الٰہی کے مطابق ہو اس کو انجام دینا اور ہر وہ چیز جو بارگاہ حق میں ناپسندیدہ ہو اس کو ترک کرنا۔

اگر حقیقتاً اطاعت کی تلخی کو درک کرنا چاہتے ہو تو فقط چوبیس گھنٹے مطیع بن کر دیکھو، رسول اللہ ﷺ کے بال سفید ہونے کا فلسفہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ فقط چوبیس گھنٹوں میں اطاعت کر کے دیکھیں، یعنی اٹھنا، بیٹھنا، سونا، بولنا، کھانا، پینا......، تمام کے تمام خدا کیلئے ہوں تو معلوم ہو جائے گا کہ اطاعت یقیناً سخت ہے لیکن باغی نگاہوں کو کیا معلوم کہ اطاعت کیا ہوتی ہے، کھلی ہوئی زبان کو کیا پتہ کہ اطاعت کتنی سخت ہے۔ لیکن وہ جس کے بارے میں خود خداوند نے فرمایا:

وماینطق عن الھوی ☆ ان ھو الّا وحیٌ یوحی (۱)

وہ جس کی زبان خود نہیں چلتی، اس کی زبان خدا کے کہنے سے چلتی ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی آنکھ بھی خدا کے دکھانے سے دیکھتی ہے، اس کے کان بھی خدا کے سنانے سے سنتے ہیں، وہ ذات جس کی زبان، آنکھ اور کان اس طرح اطاعت خدا میں مشغول ہوں، وہ پوری عمر گزارنے کے بعد یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ سورۃ ھود نے میری کمر توڑ دی۔

(۱)۔ سورۃ نجم آیت ۳،۴۔

ہمیں پریشانیاں، مالی مشکلات، گھریلو مشکلات وغیرہ بوڑھا کر دیتی ہیں، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اے لوگو آؤ اگر کمر تڑوانی ہے تو مقام اطاعت پر آجاؤ، امر خدا سے اگر کمر ٹوٹتی ہے تو ٹوٹ جائے۔ اگر بہانہ جوئی شروع کر دی تو تمہارا نام صفحہ صابرین سے مٹا دیا جائے گا، صابرین بہانہ جو نہیں ہوتے، ہزار مشکلات کے باوجود بھی اطاعت میں ڈٹے رہتے ہیں۔

ج۔ معصیت کے مقام پر صبر کرنا

معصیت کے وقت صبر سے کام لینا چاہیے، چونکہ معصیت سے رکنے کیلئے بڑی طاقت کی ضرورت ہے۔ انسان جب دنیا کا غلام بن جائے، جب شہوات کا طوق گلے میں ڈال لے، اس کی لگام خواہشات کے ہاتھ میں ہو، تو دنیا اور خواہشات انسان کو رسوائی کے دہانے پر لے آتی ہیں، خواہشات والے شخص کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ ہر گلی سے اس کا گزر ہو، ہر مال میں تصرف کرنا چاہتا ہے، ہر مال کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہوتا ہے، اس کی تمنا نامحرم کی طرف دیکھنا ہوتی ہے، ایسا انسان ہر تمنا اور خواہش کو پوری کرنے میں لگا رہتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بعض لوگ کتے پالتے ہیں، کتے کے گلے میں طوق ڈال کر اس کی رسی اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں، اب مالک جہاں جانا چاہتا ہے کتا بھی ادھر کا رخ کرتا ہے، مالک گندی گلی میں گیا تو کتا بھی ساتھ جائے گا، اسی طرح انسان جب دنیا اور خواہشات کا اسیر ہو جائے تو خواہشات جہاں لے جانا چاہیں، یہ بھی جائے گا۔ خواہشات کی گلیاں تو معلوم ہیں، خواہشات کبھی بھی انسانوں کو فضیلتوں کی طرف نہیں لے جائیں گی خواہشات کا رخ ہمیشہ رذیلتوں کی طرف ہوتا ہے گندی گلیوں کی طرف ہوتا ہے، یہ معصیت

کا مقام ہے، اس وقت انسان صبر سے کام لے۔ یعنی ڈٹ جائے اور اپنی لگام کبھی بھی خواہشات کے ہاتھوں میں نہ دے، اپنی لگام شیطان کے ہاتھوں میں نہ دے، بلکہ اپنی لگام رحمٰن کے ہاتھ میں دے کر، خواہشات کی پکار کو ٹھکراتا رہے، پوری طاقت سے مقابلہ کرتا رہے، ہرگز استقامت کو ہاتھ سے نہ جانے دے تو یہ مقام معصیت میں صبر ہے۔

روی ان الحسین بن علی علیہما السلام جاءہ رجلٌ وقال: انا رجلٌ عاصٍ ولا اصبر عن المعصیة، فعظنی بموعظة، فقال علیہ السلام: افعل خمسة اشیاء واذنب ماشئت،

فاوّل ذالك: لاتاکل رزق اللّٰہ، واذنب ماشئت،

والثانی: اخرج من ولایة اللّٰہ، واذنب ما شئت،

والثالث: اُطلب موضعا، لا یَراك اللّٰہ واذنب ماشئت،

والرابع: اذا جاء ملك الموت لیقبض روحك فادفعه عن نفسك واذنب ما شئت،

والخامِس: اذا أدخلك مالك فی النّار فلا تدخل فی النار و اذنِب ما شئت (۱)

روایت میں آیا ہے کہ ایک آدمی امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، میں معصیت کار ہوں، معصیت کرنے سے صبر نہیں کر سکتا، لہٰذا مجھے نصیحت فرمائیں۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: پانچ کام کرو، پھر جو جی چاہے گناہ کرو۔

۱۔ کام یہ ہے کہ اللہ کا رزق نہ کھاؤ، پھر جو جی چاہے گناہ کرو۔

۲۔ اللہ کی ولایت اور سلطنت سے نکل جاؤ پھر جو جی چاہے گناہ کرو۔

۳۔ کوئی ایسی جگہ ڈھونڈو، جہاں تجھے خدا نہ دیکھے، پھر جو جی چاہے گناہ کرو۔

(۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۲۷۷۔

۴۔ جب ملک الموت تیرے پاس تیری روح قبض کرنے کیلئے آئے، تو اسے اپنے سے دور کردو، پھر جو جی چاہے گناہ کرتے رہو۔

۵۔ جب خدا تجھے جہنم میں ڈالنا چاہے تو اس وقت جہنم کی آگ میں داخل نہ ہونا، پھر جو جی چاہے گناہ کرتے رہو۔

جو بھی صبر کا راستہ اختیار کرے، کسی بھی مقام پر ہو، خواہ اطاعت کے مقام پر صبر کا راستہ اختیار کرے یا معصیت اور مصیبت کے وقت، اللہ کی طرف سے اس پر بشارتیں نازل ہوتی ہیں، فرشتوں کے استقبال کے قابل بن جاتا ہے۔ فرشتے اس کو سلام کرکے خوش آمدید کہیں گے، جو بھی صبر و استقامت کے ساتھ راہِ حق کو جاری رکھنا چاہتے ہیں خدا بھی ان کی نصرت اور مدد کرتا ہے۔

۱۰۔ اللہ صابرین کے ساتھ

راہ مستقیم پر استقامت دکھانے والے کمر بستہ لوگ جو عزم و جزم کیے ہوئے ہیں کہ آخر تک جانے کا ارادہ ہے ان کے بارے میں خدا فرماتا ہے کہ اب جبکہ تمہارا ارادہ ہے کہ ہم اس راہِ حق کو آخر تک طے کریں گے، اب جبکہ سفر تم نے شروع کردیا ہے، تو میری طرف سے ان کو بشارت دے دو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

...... واللّٰہ مع الصّابرین (۱) بعض اوقات آدمی راستہ طے کرنے کے لئے نکلتا ہے۔ تو

---

(۱)۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۴۹۔

راستے میں مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، آپ اس کو تسلی دیتے ہیں کہ بھائی اس راستے کو جاری رکھو، ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں، صبر سے کام لو، ہم بھی آپ کی مدد کے لئے آرہے ہیں۔

لیکن جو آدمی بھاگ جائے اور راہ کو طے کرنے میں شکست سے دوچار ہو جائے تو کیا اس کو بھی کہیں گے کہ اس راستے سے بھاگتے جاؤ، ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں، یعنی ہم بھی تمہارے جیسے بزدل ہیں تو خدا فرماتا ہے کہ میں صابرین کے ساتھ ہوں، یعنی صابرین کچھ کرنے والے ہوتے ہیں، جو راستے کو نہ چھوڑنے والے ہیں، جو کچھ کرنا چاہتے ہیں، وہ نصرتِ خدا کے محتاج ہیں لہٰذا بغیر نصرت الٰہی کے اس راہِ حق کو جاری رکھنا ممکن نہیں ہے۔ خداوند ان کو یقین دلاتا ہے کہ تم ہمت نہ ہارنا، میں تمہارے ساتھ ہوں۔



۱۱۔امام حسین علیہ السلام اسوۂ صبر

امام حسین علیہ السلام وہ صابر ہیں جنہوں نے صبر کو بھی حیات عطا کی، اور صابرین کو بھی راستہ دکھایا، آپ نے صبر کے اندر روح ڈال کر اسے پامالی سے بچالیا، ورنہ آج ہم بھی ان صابرین میں سے ہوتے جو گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے ہیں۔ حسین بن علی علیہ السلام نے ہمیں یہ راستہ دکھایا کہ اگر صبر کرنا ہے تو صبر ہمیشہ میدانوں میں ہوتا ہے گھروں میں بیٹھے ہوئے کبھی صابر نہیں بن سکتے ہو لہٰذا صبر ایک فضیلت میدانی ہے بلکہ تمام فضیلتیں میدانی فضیلتیں ہیں۔

اگرچہ اپنے امور ہم نے تقسیم کردیئے ہیں، مثلاً گھریلو ذمہ داریاں، اجتماعی ذمہ داریاں وغیرہ لیکن اللہ تعالیٰ نے دین کو ایسا نہیں بنایا کہ ایک گھریلو دین، اور ایک میدان کا دین بلکہ دین میدان

عمل ہے، تمام فضیلتیں میدانی ہیں اگر اپنے اندر یہ فضیلتیں زندہ کرنا چاہتے ہیں تو حسین بن علی علیہما السلام کی طرح میدانِ صبر میں آنا پڑے گا، میدانِ صبر سے باہر کوئی صابر بننا چاہے تو ہرگز نہیں بن سکتا۔

جب تک صابر نہ بنے تو ملائکہ کے درود و سلام کا بھی مستحق نہیں ہو سکتا، صابرین کے تذکرے سننے سے بھی انسان صابر نہیں بن سکتا بلکہ صبر اختیار کرنے کے لیے تلواروں اور نیزوں کے سایہ میں آنا پڑے گا، حق کیلئے آواز اٹھانے اور باطل کو للکارنے سے انسان صابر بنتا ہے۔ حق کا دفاع کرنے کا نام صبر ہے، اللہ کی راہ میں اپنی جانوں سے گزرنے سے صابر بن سکتا ہے، یہ وہ صبر ہے جو حسین بن علی علیہ السلام نے سکھایا یہ وہ صبر ہے جو خانقاہوں، مسجدوں، منبروں، امام بارگاہوں میں حاصل نہیں ہوتا اس صبر کیلئے میدان جہاد میں آنا پڑتا ہے، اس کیلئے موت سے کھیلنا پڑتا ہے، اولاد کی قربانی پیش کرنا پڑتی ہے، ان کے جنازے اٹھا کر ہی کوئی صابر بن سکتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام کی اولاد، بیٹوں اور بھتیجوں نے ایسا صبر دکھایا جو اس سے پہلے کسی نے نہ دکھایا تھا اور نہ ہی بعد میں کوئی دکھائے گا۔ لہٰذا جب حضرت قاسم علیہ السلام نے شب عاشورا اپنے چچا سے پوچھا: چچا جان آیا شہداء علیہم السلام کی فہرست میں میرا بھی نام ہے؟ تو امام حسین علیہ السلام نے قاسم علیہ السلام سے پوچھا:

كيف الموت عندك

میرے بیٹے! موت تیری نظر میں کیسی ہے، موت کے متعلق کیا کہتے ہو؟ حضرت قاسم علیہ السلام نے کہا:

احلیٰ من العسل (۱)

موت میری نظر میں شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔

---

(۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۴۰۲۔

اس پائیداری، استقامت اور ولولہ کا نام صبر ہے، جو موت کو شہد سے زیادہ میٹھا سمجھتے ہوئے اپنی جان سے گزر جائے، بے شک امام حسین علیہ السلام میدان صبر میں اسوۂ صبر اور امام صبر ہیں، آپ کے صبر پر دنیا کی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔

غیرت

ساتویں قدر

۱۔غیرت عاشورائی قدر

۲۔غیرت کے معنی

۱۔حرم اور حریم

۲۔خدا کے حرم مکانی کے آداب

۳۔خدا کے حرم زمانی کے آداب

۴۔محرم اور نامحرم

۵۔خدا کے حرم ذاتی کا حکم

۶۔انسان غیرتِ الٰہی کا مظہر

۷۔غیر سے غیرت کیسے بنی؟

۳۔حمیت جاہلیہ اور غیرت میں فرق

۴۔سب سے بڑا غیرت مند کون؟

۵۔غیرت دینی تمام غیرتوں کی بنیاد

۶۔بے غیرتی کے بدترین نمونے

الف۔پہلا نمونہ

ب۔دوسرا نمونہ

ج۔تیسرا نمونہ

۷۔امام حسین علیہ السلام اسوۂ غیرت

۸۔حضرت عباس علیہ السلام وفا اور غیرت کے مظہر

۱۔غیرت عاشورائی قدر

سید الشہداءؑ نے کربلا میں جن اقدار کا دفاع اور اپنے خون کے ذریعے جن اقدار کو زندہ کیا ان میں سے ایک اہم ترین قدر غیرت ہے۔ جب سب بے غیرتی جیسے منکر میں مبتلا ہو چکے تو آپ نے بے غیرتی کی ظلمت میں دینی اور الٰہی غیرت کا چراغ روشن کیا۔ اگر عاشورا نہ ہوتا آج غیرت کا نام بھی نہ ہوتا لہٰذا برحق غیرت ایک عاشورائی قدر ہے۔

خداوند تبارک وتعالیٰ نے انسان کی فطرت، جبلت اور اس کی طبیعت میں ایک ایسی خصلت رکھی ہے کہ پیدائشی طور پر انسان غیور پیدا ہوتا ہے، قرآن مجید میں انبیاءؑ نے جن اقدارِ دینی اور اقدار الٰہی کی تعلیم دی ہے، جن کی ترویج کر کے انھیں زندہ کیا، ان میں سب سے اہم ترین قدر غیرت ہے۔ لیکن جس طرح دیگر اقدار پامال ہوئیں، ان کے معانی ان سے چھین لئے گئے غیرت بھی محفوظ نہ رہی، غیرت کی بھی روح نکالی گئی اور غیرت بھی پامالی کا شکار ہوئی۔

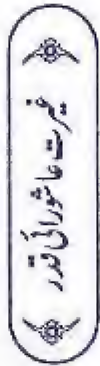
حضرت امام حسینؑ نے جب مشاہدہ فرمایا کہ لوگوں میں سے غیرت نامی قدر کی روح نکل گئی ہے، غیرت کے نام پر منکرات موجود ہیں، غیرت جو قرآنی اور آسمانی صفت ہے اس کی جگہ انسان کے اندر منکرات میں سے ایک منکر وجود میں آگیا ہے جس کا نام ''حمیتِ جاہلیہ'' ہے۔

قرآن کریم، احادیث اور سیرتِ معصومینؑ میں بھی اس چیز کا تذکرہ آیا ہے کہ بعض اوقات لوگ غیرت کے نام پر منکرات کے مرتکب ہوتے ہیں اسی طرح لوگوں نے حمیتِ جاہلیہ کا نام غیرت رکھ دیا ہے اور اپنے آپ کو غیور سمجھنے لگے ہیں۔

حمیت کم وبیش تمام اقوام بلکہ تمام افرادِ بشر میں کسی نہ کسی طرح سے موجود ہے اس طرح

حمیت اور عصبیت کو غیرت سمجھتے ہوئے اسے اپنانے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ ان میں غیرتمندوں کی کوئی صفت موجود نہیں ہوتی، ان کا کوئی عمل غیوروں جیسا نہیں ہوتا ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ بہت بری صفت اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں۔ پھر اس کی توجیہ اور تاویل کرتے ہوئے اس کو بڑا اچھا نام اور عنوان دے دیتے ہیں، اچھا عنوان اور نام دینے سے وہ اچھی صفت نہیں بنتی، بلکہ وہ منفی اور منکر ہی رہتی ہے۔

حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے جب یہ مشاہدہ فرمایا کہ لوگ غیرت کی جگہ، عصبیت اور حمیت کو سامنے لائے ہیں، حمیتِ جاہلیہ کا نام غیرت رکھ دیا گیا ہے لوگ نہ صرف غیرت سے عاری ہو گئے ہیں بلکہ غیرت سے پیدا ہونے والی تمام اقدار سے بھی عاری ہو گئے ہیں آپ نے کربلا کے خونی معرکہ میں غیرت کو ہمیشہ کے لئے زندہ کیا اور اسے تمام بشریت کے لئے متعارف کرایا، اس پامال شدہ قدر کو دوبارہ روح عطا کی، آپ نے فرمایا:



...... ارید ان آمر بالمعروف وانھیٰ عن المنکر......(۱)

یعنی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں، سب سے اہم معروف غیرت ہے، لہذا آپ نے اس معروف کو زندہ کرنے کیلئے قیام فرمایا، پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ اقدارِ عاشورا اور خصائل حسینی میں سے ایک اہم قدر غیرت ہے۔

---

(۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام ،ص ۲۹۱۔

۲۔ غیرت کے معنی

کلمۂ غیرت، غیر سے بنا ہے، جہاں پر غیر کا دخل ہوگا، جہاں پر غیر کا نام اور اثر ہوگا وہیں پر غیرت کا بھی تصور پایا جاتا ہے لیکن جہاں پر غیر کا کوئی تصور نہ ہو، جہاں پر غیر کا کوئی مفہوم نہ بنتا ہو وہاں پر غیرت کا بھی کوئی تصور نہیں پایا جاتا ہے، غیرت غیر سے کیسے بنی؟ غیر اور غیرت کا آپس میں کیا رابطہ ہے؟ اس مطلب کو سمجھنے کے لئے وضاحت کی ضرورت ہے۔

غیرت کے معنی

۱۔ حرم اور حریم

انسان کی زندگی میں کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو فقط اسی سے متعلق ہوتی ہیں۔ وہ ان چیزوں کو اپنے لئے اسطرح سے محفوظ بنالیتا ہے کہ کسی غیر کا وہاں تصرف اور عمل دخل برداشت نہیں کرسکتا، کسی غیر کا حق وہاں پر تسلیم نہیں کرسکتا خداوند تبارک وتعالیٰ نے بھی ہر انسان کے لئے کچھ ایسی چیزیں مقرر فرمائی ہیں جو صرف اسی کے لئے ہیں اس کے علاوہ کسی غیر کو وہاں قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے

وہ چیزیں جن کو خدا نے ہر ایک انسان کے لئے مقرر کیا ہے ان کی حد بندی بھی کی گئی ہے۔ ان کی حد قائم ہو چکی ہے اس ''حد'' کو عربی الفاظ میں حریم کہا جاتا ہے، چار دیواری کو بھی عربی میں حریم کہا جاتا ہے، ہم گھر بناتے ہیں تو اس کے گرد چار دیواری بناتے ہیں تا کہ غیر کا راستہ روکا جا سکے، بغیر اجازت کے کوئی اندر داخل نہ ہو سکے، وہ غیر کا راستہ روکتی ہے اور اندر حدود میں نہیں آنے دیتی اس کا نام حریم رکھا گیا ہے، حریم کے ذریعے سے زمین دو حصوں میں تقسیم کر دی گئی، ایک حریم کے اندر کا حصہ اور ایک حریم کے باہر کا حصہ ہے غیروں کے لئے حکم ہے کہ وہ اس حریم

(چاردیواری) کے باہر بیٹھے، چاردیواری کے اندر نہیں آسکتے، چونکہ چاردیواری کے اندر کا حصہ مجھ سے مربوط ہوگیا ہے، خدا نے اس کو میرے لئے مخصوص قرار دیا ہے۔

لہٰذا میں نے اس علاقے کو ممنوعہ علاقہ قرار دیا ایک دیوار کھڑی کر دی اور اس کا نام حریم رکھ دیا، حریم کے اندر جو چیز آجاتی ہے اس کو حرم کہا جاتا ہے اور حریم کے باہر جو چیز چلی جاتی ہے وہ حرم سے دور ہوجاتی ہے اور اسے اجنبی کہتے ہیں وہ لوگ جو اس حریم کے اندر آسکتے ہیں، جن کو اندر آنے کی اجازت ہے وہ محرم ہیں، جن کو اندر آنے کی اجازت نہیں وہ نامحرم ہیں۔



۲۔ خدا کے حرم مکلفی کے آداب

یہاں سے آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ جب آپ حج کیلئے مکہ جاتے ہیں، اس ریتلی اور صحرائی زمین پر چلتے چلتے اچانک آپکو روک دیا جاتا ہے، روک کر یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں پر اپنا پہنا ہوا لباس اتار دو، یہاں پر اپنے جوتے اتار دو، احرام باندھ لو پھر آنے کی اجازت ہے۔

اے خدا! میں تو زمین پر چلتا جا رہا تھا، ساری زمین تو مجھے ایک جیسی نظر آرہی تھی، لیکن اچانک مجھے روک کر کیوں کہا گیا ہے کہ یہاں پر لباس بھی اتار دو، جوتے بھی اتار دو، اپنے گناہوں کے لبادے بھی اتار دو، یہاں پر ہر چیز جو تم نے اوڑھ رکھی ہے اس سے عاری ہوجاؤ اور احرام باندھ کے آؤ تو خدا کی طرف سے آواز آتی ہے کہ یہ زمین اگرچہ تمہیں ریگستان اور ریتلی نظر آتی ہے یہ صحرائی زمین بھی اسی زمین کا حصہ ہے، لیکن یہ وہ زمین ہے جہاں پر خدا نے اپنی حریم بنادی ہے جہاں پر خدا نے چاردیواری بنادی ہے، اس چاردیواری کے اندر کی زمین کو حرم کہا گیا ہے

اس چاردیواری کے باہر کی زمین کو حِلّ (غیر حرم) قرار دیا ہے حریم سے باہر تم جو چاہو کرتے رہو، لیکن حریم کے اندر حرم میں اسی کی اجازت ہوگی جو ہم کہیں گے، وہ لباس پہنو گے جس کا ہم کہیں گے، وہ جوتا پہن کرآؤ، جس کا ہم کہیں گے، وہ نیت کر کے آؤ جو نیت ہم کہیں گے۔

حریم کے اندر کی زمین حرم بن جاتی ہے اور وہ محرم افراد کے لئے مخصوص ہو جاتی ہے اور حرم سے باہر کی زمین غیر حرم بن جاتی ہے اور وہ نامحرم افراد کے لئے ہے ہر نامحرم کو یہ حکم ہے کہ جو پہننا ہے پہنتے رہو مگر نامحرم بن کر حریم سے باہر کھڑے رہو۔

حرم کی سرزمین یعنی وہ زمین جس کے گرد حریم بنادی گئی ہے تا کہ حریم کے اندر اور باہر کی زمین میں فاصلہ ڈال دیا جائے اس لئے حرم کے اندر اور باہر کی زمین کے حکم مختلف ہو گئے، حریم کے اندر کچھ کرنا ہے، حریم کے باہر کچھ اور کرنا ہے حریم کے اندر جانے کیلئے لباسِ احرام پہننا ہوگا، جس کو اس حریم کے اندر آنے کی اجازت ہے وہ محرم ہے، جس کو اندر آنے سے روک دیا گیا وہ نامحرم ہے۔

نامحرم کے لئے بہت سی چیزیں حلال ہیں جبکہ محرم کیلئے بہت سی حلال چیزیں بھی حرام قرار دی گئی ہیں محرم پر چوبیس چیزیں حرام ہیں، جبکہ یہی چیزیں نامحرم کیلئے حلال ہیں یہاں سے محرم اور نامحرم کا فرق معلوم ہوتا ہے، محرم وہ ہوتا ہے جو حلال کے نزدیک نہیں جاتا اور نامحرم وہ ہوتا ہے کہ جو نہ صرف حلال کے نزدیک جاتا ہے بلکہ حرام کا بھی ارتکاب کر لیتا ہے، لہٰذا خدا کی حریم میں داخل ہونے کیلئے بہت سی حلال چیزوں سے بھی صرفِ نظر کرنا ہوگا، اس حرم میں داخل ہونے کے لئے آداب کی رعایت کرنا ضروری ہے۔

۳۔خدا کے حرمِ زمانی کے آداب

اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمانوں کے لئے بھی حریم قرار دی ہے، زمانوں میں سے ایک خاص زمان کے گرد چار دیواری اور حریم بنادی ہے اوراس حریم کے اندر والے زمان کا نام ماہ مبارک رمضان رکھا گیا ہے، سحر سے لیکر مغرب تک کا زمانہ، حرمِ الٰہی ہے، سحر سے پہلے اور غروب کے بعد والا زمانہ غیر حرم کا زمانہ ہے۔لہٰذا اس حرم میں داخل فرد بہت سی حلال چیزوں کے نزدیک بھی نہیں جاسکتا وہ جو محرم ہیں وہ حرم کے اندر آ کر حلال چیزوں کے بھی مرتکب نہیں ہوتے ، وہ جو نامحرم ہیں جو حریمِ خدا میں نہیں آتے ہیں وہ حرام کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔

۴۔ محرم اور نا محرم

جو شخص حریم میں داخل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے جو محرمِ راز اور محرمِ اسرار بن سکتا ہے وہ صاحب حرم کا محرم کہلاتا ہے، جو حریمِ خدا میں قدم رکھ سکتا ہے وہ محرمِ رازِ خدا ہے اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خدا کو پکارے، جب خدا اس کو پکارے تو یہ ''لبیک لبیک'' کہے، اس لئے کہ یہ اب محرم راز اور محرم اسرار بن گیا ہے، محرم راز، خدا سے مناجات اور نجویٰ کرتا ہے، خدا بھی اس سے ملاقات کرتا ہے، اس کا نجویٰ سنتا ہے، اسکی باتیں سنتا ہے، اس کی دعائیں سن کر قبول بھی کر لیتا ہے۔

لیکن وہ شخص جو حریم میں داخل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ نامحرم ہے وہ حریم سے باہر بیٹھ کر پکار پکار کر خدا کو بلاتا ہے، دعائیں مانگتا ہے لاؤڈ سپیکروں پر اللہ اللہ کرتا ہے چونکہ محرم اسرار نہیں ہے، خدا بھی اس کی پکار اور دعائیں نہیں سنتا، گلہ پھاڑ پھاڑ کے بھی پکارے تو خدا اس کو جواب

نہیں دیتا، یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو محرمِ اسرارِ خدا ہیں ان کی دعائیں قبول ہو جاتی ہیں، جو محرم خدا نہیں ہوتے، جو حریمِ الٰہی میں داخل نہیں ہو سکتے ان کی دعائیں کبھی بھی قبول نہیں ہو سکتیں۔

۵۔خدا کے حرم ذاتی کا حکم

خداوند متعال نے زمین پر اپنا ایک حرم بنایا، اس کی حریم اور حد مقرر کی، اسی طرح زمانوں میں سے ایک زمان کو بھی اپنا حرم بنایا، اسکی حریم بنائی، اپنی صفات اور افعال کیلئے بھی حریم اور حرم بنایا، ہر ایک کو ان حرموں میں جانے کی اجازت نہیں ہے بلکہ وہ شخص جا سکتا ہے جو ان کے آداب بجالا کر محرمِ اسرار بن جائے۔

اللہ تعالیٰ کے نیک اور پاکیزہ بندے ان حریموں میں داخل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ لوگ جو حرام تو درکنار، بہت سی حلال چیزوں کے بھی مرتکب نہیں ہوتے وہ محرمِ راز بن کر ان پاک حریموں میں قدم رکھ سکتے ہیں۔ خداوند نے اپنی ذات کیلئے بھی ایک ایسا مقدس حرم بنایا ہے کہ وہاں پر کسی کو بھی اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔

......یحذرکم اللّٰہ نفسہ ...... (۱) خدا نے اپنی ذات کا ایسا حرم بنا دیا کہ لا شریك له یعنی کسی غیر کا نام تک وہاں برداشت نہیں کیا، ایسی حریم ذات اپنے لئے قائم کی کہ حریمِ ذات کے اندر کسی شریک کو پسند نہیں کیا، لہٰذا یہ فرمایا کہ جب میری عبادت کرنا چاہو تو بس فقط میری ہی

(۱)۔ سورۃ آل عمران آیت ۲۸۔

عبادت کرو، اگر میری حریم کے اندر آ کر میری عبادت کے دوران غیر کا تصور تک اس میں کیا تو میں آپ کی یہ عبادت غیر کو دے دوں گا اس لئے کہ میں اتنا غیور خدا ہوں کہ اپنی عبادت میں کسی غیر کو پسند نہیں کر سکتا، غیرتِ الٰہی کا اندازہ لگائیں کہ غیر کو اپنی حریم کے اندر داخل نہیں ہونے دیتی، وہ ذات، وحدہ لا شریک لہ، ہے خدا کی ذات کی حریم ہے اس حریم کے اندر کوئی بھی نہیں آ سکتا اگر چہ حرم مکانی اور حرم زمانی میں اللہ تعالیٰ کے نیک اور پاکیزہ بندے اندر داخل ہو سکتے ہیں لیکن حریم اور حرمِ ذاتی میں کسی کو بھی اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔

۲۔انسان غیرت الٰہی کا مظہر

انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے، خلیفہ اسماء اور صفاتِ الٰہی کا مظہر اور نمونہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم شریف غیور ہے، اللہ تعالیٰ غیور ہے لہٰذا یہ چاہتا ہے کہ انسان بھی غیور بن جائے، خدا نے اپنی حریم اور حرم میں غیر اور نامحرم کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی لہٰذا انسان سے بھی چاہتا ہے اپنے لئے ایک حرم اور حریم بنائے، پھر غیر اور نامحرم کو اس کے اندر داخل نہ ہونے دے، خداوند نے پہلے اپنا حریم وحرم بنایا، پھر انسان کو حرم اور حریم بنانے کی تعلیم دی انسان کو غیرت کی تعلیم دی۔

حج پر بلانے کا مقصد یہی ہے کہ تم حرم اور حریم کے معنی جان لو اور محرم بننے کا انداز سیکھ لو کہ کس طرح سے کوئی محرم بن سکتا ہے حریم بنانا اور محرم بننا سیکھو، تا کہ واپسی پر اپنی ساری زندگی میں اپنے لئے ایک حریم اور حرم بنا لو، اپنے لئے محرم لوگوں کا انتخاب کر لو، پھر فقط محرم کو اپنی اس حریم کے اندر

آنے دو، غیر محرم کو اپنے حرم کی سرزمین پر قدم نہ رکھنے دو۔

گویا حج درسِ غیرت ہے جو انسان اپنے پروردگار سے سیکھتا ہے، اگر ہمارا تصور یہ ہے کہ محرم اور نامحرم ہونا فقط مرد اور عورت کے درمیان پایا جاتا ہے، ہاں یہ درست ہے کہ فقہ میں محرم اور نامحرم کا تصور صرف عورت اور مرد کے درمیان موجود ہے لیکن غیرت کے لحاظ سے مرد بھی ایک دوسرے کے محرم اور نامحرم ہوتے ہیں اور عورتیں بھی آپس میں ایک دوسرے کی محرم اور نامحرم ہوتی ہیں۔ جس طرح سے مرد اور عورت آپس میں محرم اور نامحرم ہوتے ہیں۔

ہر وہ شخص خواہ مرد ہو یا عورت، جو کسی مرد کی حریم اور حرم میں داخل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو وہ اس کیلئے محرم ہے، اس کے علاوہ ساری عورتیں اور مرد اسکے لئے نامحرم ہیں اسی طرح عورت کی حریم اور حرم کا بھی یہی حکم ہے، ہر وہ شخص خواہ وہ مرد ہو یا عورت جو اس کی حریم اور حرم میں آجائے وہ اس کا محرم ہے اس کے علاوہ تمام مرد اور عورتیں اس کے لئے نامحرم ہیں۔

۷۔غیر سے غیرت کیسے بنی؟

غیر سے غیرت کا تصور اس طرح وجود میں آجاتا ہے کہ ہر ایک پہلے اپنے لئے حریم اور حرم بنائے، جس کے ذریعے محرم اور نامحرم کو تشخیص دے، غیرت مند وہ ہوتا ہے جو اپنے حرم کے اندر غیر کو قدم نہ رکھنے دے، غیرت مند عورت وہ ہوتی ہے جو اپنے محرم کے علاوہ کسی غیر محرم کو اپنی حریم میں نہ آنے دے، اگر محرم اس حریم میں قدم رکھے تو وہ غیرت کا سبب نہ بنے، لیکن نامحرم اور غیر اس یم میں داخل ہونے کی کوشش کرے، تو غیور انسان اسے ہرگز داخل نہیں ہونے دیتا، اس کی

غیرت اسے داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتی۔

پس غیرت یعنی اپنی حریم وحرم کے اندر غیر کے وجود کو محسوس کر کے اسے برداشت نہ کرنا اور اپنے حرم وحریم کی حدود سے اسے نکال باہر کرنا۔

۳۔ حمیّت جاھلیۃ اور غیرت میں فرق

حمیت جاھلیۃ اور غیرت میں فرق

عصبیت اور حمیتِ جاہلیۃ اور غیرت میں بڑا فرق ہے غیرت قدرِ الٰہی میں سے ہے جبکہ عصبیت اور تعصب، منکرات میں سے ہیں عصبیت اور حمیتِ جاہلیۃ ان چیزوں میں سے ہیں جن کو روکنے کے لئے امام حسین علیہ السلام نے جہاد فرمایا، اريد ان امر بالمعروف وانهى عن المنكر میں منکرات سے ٹکرانے آیا ہوں، یعنی عصبیت اور تعصب جو منکرات میں سے ہیں، میں ان سے ٹکرانے آیا ہوں، ان کی جگہ معروف یعنی غیرت کو زندہ کرنے آیا ہوں۔

عصبیت، تعصب یا حمیتِ جاہلیۃ سے مراد یہ ہے کہ کسی خونی، لسانی، قومی اور علاقائی رشتے کے ناطے کی بناء پر ایک دوسرے کی حمایت اور دفاع کیا جائے، یعنی انسان اپنے لئے حرم اور حریم مقدس بنائے بغیر، کسی خونی یا لسانی یا قومی اور علاقائی رشتے کے ناطے، محرم اور نامحرم، فاسق وفاجر، مومن اور کافر، اہل اور نااہل کا دفاع اور ان کی جائز وناجائز حمایت کرنا شروع کردے اور کہے کہ یہ میرا رشتہ دار ہے، یہ میری قوم، میری نسل، میرے علاقے کا رہنے والا ہے، یہ میرے لوگ ہیں، یہ میری زبان بولتے ہیں لہٰذا میں بھی ہمیشہ ان کا دفاع کروں گا اور ان کی حمایت کروں گا یہ تعصب اور حمیتِ جاہلیۃ ہے، یہ غیرت نہیں ہے، یہ منکرات میں سے ہے۔

غیرت کے لئے بنی ہوئی حریم مقدس ہوتی ہے، پھر ہر ایک کو اس حریم میں آنے کی اجازت بھی نہیں ہوتی وہ جو اس حریم کے آداب بجالائے، جو اس حرم کے آداب بجالانے کا پابند ہو، وہ محرم بن کر اس میں داخل ہوسکتا ہے نامحرم اور نااہل باہر رہے گا خواہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، ہم جماعت ،ہم انجمن اور ہم وطن ہی کیوں نہ ہو۔

لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے جب یہ مشاہدہ فرمایا کہ بنی امیہ ایک جماعت ہیں، ان میں تعصب اور عصبیت پائی جاتی ہے، بنی امیہ غیرت دکھانے کے بجائے عصبیت کے شکار تھے، حمیت جاہلیہ میں مبتلا تھے، آپ نے عصبیت کو ختم کر کے اس کی جگہ غیرت کو زندہ کیا۔

غیرت میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ میری قوم، علاقے اور وطن کا رہنے والا ہے، میری زبان بولنے والا ہے، اس سے میرا نسلی رشتہ ہے، یہ میرے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والا ہے، میری مدد کرنے والا ہے بلکہ غیرت اس کو کہتے ہیں کہ جس مقدس حریم کے اندر میں ہوں اس حریم کے اندر وہ بھی ہے اور جو اس حریم سے باہر اور میری اس پاک حریم کے آداب بجالانے کا پابند نہیں ہے وہ نامحرم ہے، وہ مجھ سے دور اور میری حمایت کا حقدار بھی نہیں ہے، نہ ہی اس کو حق ہے کہ وہ میری اس پاک حریم میں قدم رکھے، اس لئے کہ مجھے غیور ہونا چاہیے اور غیور وہی ہوتا ہے جو غیر کو اپنے حرم میں داخل نہ ہونے دے۔

۲۔سب سے بڑا غیرت مند کون ؟

غیرت مند انسان اپنے لئے حریم اور حرم بناتا ہے، حریم وہاں بنائی جاتی ہے کہ جہاں حرمت اور

احترام ہو، حرم کو حرم اس لئے کہتے ہیں کہ اسے حرمت و احترام حاصل ہوتا ہے اس کو تقدس حاصل ہوتا ہے چونکہ بڑی مقدس سرزمین ہوتی ہے، اسی وجہ سے اس کو حرم کہا جاتا ہے، چونکہ مقدس جگہوں پر کوئی انسان کسی غیر کو قدم نہیں رکھنے دیتا لہٰذا کعبہ حرم الٰہی ہے کہ غیر مسلم کبھی بھی کسی بھی غرض سے حرم کے اندر قدم نہیں رکھ سکتا ہے اور نہ ہی تقدس حرم اس کو برداشت کرتا ہے، حتیٰ مساجد جو کہ مقدس حرم ہیں ان میں بھی غیر مسلموں کا داخلہ ممنوع ہے۔

سب سے بڑا غیرت مند کون؟

ہر حرم کے تقدس کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ غیر کو وہاں نہ آنے دیا جائے، انسان جب ازدواجی زندگی اختیار کرتا ہے، تو گھر اس کے لئے چھوٹا سا مقدس حرم ہے، اس کو چاہیے اس حرم کا دفاع کرے، غیر کو اس کے اندر داخل نہ ہونے دے لیکن اگر غیر کا راستہ نہ روکے، اور غیر کے لئے اپنا دروازہ کھول دے، ہر نامحرم اور غیر کو آزادانہ طور پر آنے جانے دے تو وہ ہرگز غیرتمند انسان نہیں کہلائے گا۔ حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو نصیحتیں فرمائی ہیں ان میں سے ایک نصیحت یہ فرمائی اے موسیٰ علیہ السلام! ان الغیور لا یزنی غیور انسان کبھی بھی زنا نہیں کرتا، غیور انسان ان کاموں کے پیچھے نہیں جاتا، اگرچہ عصبیت اور حمیتِ جاہلیۃ رکھنے والے سے یہ کام سرزد ہوسکتا ہے۔

غیرتمند انسان خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، وہ کبھی کسی کے حرم کے اندر داخل نہیں ہوتا، کسی کے حرم کے تقدس کو پامال نہیں کرتا، لہٰذا غیرتمند اپنے گھر، اپنے خاندان، اپنے حرم اور حریم کے اندر کسی غیر کی مداخلت اور آنا جانا برداشت نہیں کرتا اور اگر کوئی برداشت کرلے تو کہتے ہیں کہ یہ بڑا بے غیرت انسان ہے، اسی طرح اگر کوئی انسان کے اموال میں تصرف کرنا چاہے، اسکے مال و متاع کو لوٹنا

چاہے اور یہ اس کا دفاع کرنے کی کوشش نہ کرے، اور غیر کا داخلہ برداشت کرے تو کہتے ہیں کہ یہ غیور آدمی نہیں ہے، اس لئے کہ مال بھی انسان کے حرم کا ایک حصہ ہے، لہٰذا غیر کا داخلہ برداشت کرنے والا غیور نہیں ہوتا۔

جو اپنی ناموس، اپنے اموال، اپنے گھر، اپنے خاندان یعنی ان تمام حریموں سے دفاع کرے، غیر کو مداخلت کی اجازت نہ دے تو کہتے ہیں یہ بڑا غیرتمند انسان ہے، اس لئے کہ اس نے اپنے حرم کے تقدس کو بحال رکھا ہے۔

لیکن جس دین نے انسان کی ناموس، اموال، خون اور خاندان کو مقدس قرار دیا ہے اور جس دین کی وجہ سے انسان کے تعلقات اور ساری اشیاء کو تقدس ملا ہے، اس دین کی وجہ سے بنے ہوئے حرم میں انسان غیرت دکھا سکتا ہے تو جب حرمِ دین میں کوئی غیر آجائے تو وہاں پر انسان کو کیوں غیرت نہیں آتی!

بے شک غیرتمند انسان وہ ہے جو اپنے حرم کا دفاع کر کے غیر کو اندر داخل نہ ہونے دے، کسی غیر کا وجود برداشت نہ کر سکے، لیکن سب سے بڑا حرم اور مقدس حرم، ناموس نہیں تا کہ ناموس سے دفاع کرنے والا شخص سب سے بڑا غیور کہلانے کا مستحق قرار پائے، ہاں غیرتمند ضرور ہے لیکن سب سے بڑا غیور نہیں، اسی طرح سب سے زیادہ مقدس حرم وطن اور مال نہیں، لہٰذا وطن اور مال سے دفاع کرنے والا بھی سب سے بڑا غیرتمند نہیں ہے۔

سب سے بڑا اور زیادہ مقدس حرمِ دین ہے، ایسا مقدس جس کی وجہ سے انسان کی ناموس، مال، سب کو تقدس ملا ہے، لہٰذا سب سے بڑا غیرتمند انسان وہ ہے جو حرم دین میں کسی غیر کو

سب سے بڑا غیرت مند کون؟

برداشت نہ کرسکے۔

سب سے بڑا غیرتمند وہ نہیں جو اپنی بیوی، بہنوں کو سنبھال کر رکھے، بلکہ وہ ہے جو دین سے دفاع کرے، دین میں کسی غیر کی مداخلت کا راستہ روکے۔ خدانخواستہ اگر کوئی کسی کی ناموس کے ساتھ بھرے بازار میں چھیڑ چھاڑ کرے اور صاحب ناموس دیکھ کر آنکھیں جھکا لے، اور کہے ابھی حالات مناسب نہیں ہیں میں اکیلا ہوں، اس محلے میں کوئی ساتھی نہیں، اگر بولوں گا تو نوکری ہاتھ سے جائیگی اور جان بھی چلی جائیگی، تو سب کہیں گے یہ بڑا بے غیرت انسان ہے، غیرتمند لوگ اس کے خلاف فسق و فجور کا فتوئی دے کر اس کو اپنے شہر سے نکال دیں گے کہیں گے کہ اس محلہ میں اسکی موجودگی سے بے غیرتی پھیل جائے گی، اپنی ناموس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کو برداشت کرنے والے کو سب بے غیرت کہتے ہیں چونکہ ناموس ایک مقدس چیز ہے۔

سب سے بڑا غیرت مند کون؟

لیکن ناموس کا تقدس دین کی وجہ سے ہے، دین نے کہا ہے کہ آپ کی ناموس مقدس ہے۔ قرآن نے کہا ہے کہ ناموس مقدس ہے، ناموس کا تقدس اپنا نہیں بلکہ اس نے یہ تقدس دین سے لیا ہے، اگر بھرے بازار میں دین و مذہب اور دینی اصولوں کا مذاق اڑایا جارہا ہو، شریعت اور قرآن کے احکام کو پامال کیا جارہا ہو، تمام دینی مقدسات کے ساتھ چھیڑ چھاڑ ہورہی ہو، یہاں پر انسان اگر آنکھیں بند کر کے، اس کو برداشت کرے اور دینی غیرت کا مظاہرہ نہ کرے تو کیا وہ غیرتمند کہلانے کا مستحق ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ سب سے زیادہ بے غیرت وہ ہے جو حرمِ دین میں غیر کی مداخلت اور مذاق کا راستہ نہ روکے۔

سب سے بڑا بے غیرت وہ نہیں ہے جو اپنی ناموس پر غیرت نہ دکھائے، بلکہ سب سے بڑ

بے غیرت وہ ہے جو اپنے دین کی ناموس پر غیرت نہ دکھائے، غیر کو اپنے مقدسات کی حریم میں قدم رکھنے کی اجازت دے پس معلوم ہوگیا کہ سب سے زیادہ غیرتمند وہ ہے کہ جس کے اندر غیرتِ دینی ہو اور سب سے زیادہ بے غیرت وہ ہے جو دینی غیرت سے عاری ہو۔

۵۔ غیرت دینی تمام غیرتوں کی بنیاد

یقین کرلیں کہ جس کے اندر غیرتِ دینی نہ ہو، وہ ناموس پر بھی غیرت نہیں دکھا سکتا ہے، ناموس پر وہی غیرت دکھاتا ہے جو اپنے دین پر غیرت دکھا سکتا ہو، اس لئے کہ ناموس کا تقدس دین کی طرف سے ہے، جو اپنا دین نہ بچا سکے، وہ اپنی ناموس بھی نہیں بچا سکتا، وطن انسان کی حریم اور حرم ہے، جو اپنے دین سے دفاع نہ کرسکے تو وہ اپنے وطن سے کیسے دفاع کرسکتا ہے؟

جس میں دینی غیرت نہ ہو وہ ہرگز قوم وملت کو نہیں بچا سکتا، جو دین پر غیرت نہ دکھا سکے، وہ کسی شئی پر غیرت نہیں دکھا سکتا دیکھئے، آج اغیار نے ہماری حریم کے اندر گھس کر قدم رکھا ہے، ہمارے مقدسات سے کھیل رہے ہیں، ہم اتنے بے بس ہوگئے ہیں کہ حریمِ وطن اور حریمِ ملت کو بچانے کے قابل نہیں رہے، اس لئے کہ دینی غیرت لوگوں میں ختم ہوگئی ہے۔

۶۔بے غیرتی کے بدترین نمونے

۔ پہلا نمونہ

سال پہلے ایک امریکی شخص کا بیان ایمل کانسی کی گرفتاری پر تبصرہ کرتے ہوئے آیا تھا جب اس کو

بلوچستان میں گرفتار کرنے والوں سے پوچھا گیا کہ کیسے گرفتار کر کے امریکہ لے آئے ہو؟ تو انھوں نے جواب دیا، ہم نے پاکستانی قوم کے تعاون سے، پاکستان کی سرزمین پر اسے پکڑا ہے، ہم تعاون کرنے والوں کو کچھ ہزار ڈالر دے کر اس کی گرفتاری میں کامیاب ہوئے ہیں تو اس شخص نے کہا کہ پاکستانیوں کو بیس ہزار ڈالر دے کر ایک جاسوس پکڑنا یہ فضول خرچی ہے، یہ امریکہ کے خزانے کا نقصان ہے، تم نے کیوں بیس ہزار ڈالر دیئے ہیں؟ پاکستانی تو وہ ہیں کہ جو دو سو ڈالر کے بدلے اپنی ناموس بھی دے دیتے ہیں، اس جاسوس کے بدلے تو پچاس ڈالر کافی تھے۔

وطن پر غیرت کھانے والو! ملت پہ غیرت دکھانے والو! قومیت اور لسانیت کا نعرہ لگانے والو! پاکستانیت کا نعرہ لگانے والو! تمہاری غیرت کہاں گئی؟ غیر آپ کی حریم میں اتنا آگے آگیا کہ تمہاری ناموس کو اس نے بدنام کر دیا، لیکن تمہاری زبان پر کلمۂ اعتراض تک نہیں آیا، یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ دینی غیرت سے لوگ عاری ہو گئے ہیں۔

ب۔ دوسرا نمونہ

دنیا کا بدنام ڈاکو، اور قاتل (۱) کئی ملکوں کے دورے پر گیا، بنگلہ دیش اور ہندوستان بھی گیا، اور پاکستان بھی آیا، تمہارے ٹی وی پر بیٹھ کر تمہارا مذاق اڑا کے گیا، تمہاری غیرت کو للکار کے گیا، وہی چیزیں کہ جن پر تم غیرت دکھاتے تھے انھی کو آ کر تمہاری زبان سے تمہارے سپیکر سے، تمہارے چینل سے، بیٹھ کر تمہاری قوم کو للکار کے گیا، کسی کی زبان پر کلمہ غیرت تک نہیں آیا۔

---

(۱)۔ سابقہ امریکی صدر بل کلنٹن

غیرتِ ملت رکھنے والو! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جس دین نے تمہاری اس زمین کو تقدس دیا ہے جب اس کے تقدس کے قائل نہ ہوں، تو یہ زمین بھی تمہارے لئے مقدس نہیں ہے۔

حقیقت میں تم اس سرزمین کے ساتھ، اس ملت کے ساتھ خیانت کرتے رہے ہو، تم وطن اور قوم کے ساتھ خیانت کر رہے ہو، اس لئے کہ تم دین کے ساتھ خیانت کر رہے ہو، دین کے ساتھ خیانت کرنا تمام چیزوں کے ساتھ خیانت کے برابر ہے، غیر اتنا اندر گھس آیا، غیر کو اتنا اپنے اندر برداشت کرتے ہو کہ ہمارے اپنے ٹی وی پر بیٹھ کر ہمارے دین کا، ہماری قوم کا مذاق اڑا کے چلا جائے، اس کے بعد بھی اپنے آپ کو غیور کہتے ہو، وائے ہو اس غیرت پر، اگر یہ غیرت ہے تو پھر بتاؤ بے غیرتی کس کو کہتے ہیں۔

اگر ایک انسان ایسی حویلی بنائے کہ جب بھی غیر کا جی چاہے اس کے اندر گھس کر جو مرضی ہے کر کے چلا جائے، لیکن یہ باہر جا کر تقریر کرے کہ ہم بڑے غیور ہیں، ہم اس ملک کی طرف اٹھنے والی آنکھ نکال دیں گے، ہم اس ملک کے خلاف بولنے والی ہر زبان کاٹ دیں گے، اگر غیرت یہی ہے تو بتاؤ بے غیرتی پھر کیا ہے؟

اگر تمہیں غیرت سیکھنی ہے تو آؤ حسین ابن علی علیہ السلام سے سیکھو، عصبیت کے نام پر تم لوگوں کو دھوکا نہ دو، حمیتِ جاہلیہ کو غیرت کی جگہ نہ بٹھاؤ، غیرت اس وقت ہوتی ہے جب انسان کا ایک حریم اور حرم ہو اور اس میں کسی غیر کو برداشت نہ کرے، یہ دین نے ہی تو بتایا ہے کہ تمہارا ایک حرم ہو جس کے کچھ محرم اور کچھ نامحرم ہوں، نامحرموں کو اپنے حرم کے اندر نہ آنے دیں، لہٰذا جب تک دین کا حرم نہیں ہوگا، وطن کا حریم اور حرم محفوظ نہیں رہ سکتا اور نہ ہی ملت اور خاندان کا حرم محفوظ رہ سکتا ہے۔

ج۔ تیسرا نمونہ

آج ہمارے خاندان، ہمارے گھر، اور ہماری چار دیواریاں بھی محفوظ نہیں، غیر ہمارے اندر گھس آئے ہیں، یہاں تک کہ کھانے کی ٹیبل اور بیڈروم تک آپہنچے ہیں آج تم اپنے بیڈرومز بند کر کے بیٹھتے ہو تو یوں نہ سمجھنا کہ تالا لگا دیا ہے کہ اب کسی غیر کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہے یہ تالا تم نے گرد و غبار روکنے کیلئے لگا دیا ہے، غیر نے اپنے آداب و رسوم، اپنی پوری ثقافت، کلچر، عریانیت، برائی اور فحاشی، رقص، نغمہ اور غزل، گانے بجانے اور اپنی ہر چیز تمہارے بیڈروم تک پہنچا دی ہے، اب تمہارا بیڈروم بھی غیر کی مداخلت اور اسکی دسترس سے محفوظ نہیں رہا ہے، ساری رات بیٹھ کر غیر کو برداشت کرتے رہنا، کیا یہ غیرت ہے یا بے غیرتی ؟ جب غیر گھر کے اندر اتنا گھس جائے کہ سونے کے کمرے تک پہنچ جائے، باپ بیٹی، میاں بیوی اور بہن بھائی سب مل کے غیر کی بے غیرتی کے مناظر دیکھتے رہیں تو کیا یہ لوگ غیور ہیں؟ یہ بے غیرتی کہاں سے آئی ؟ کہ وہ مقدس ترین حرم جس نے ہمیں غیرت سکھائی تھی اس کو لوگوں نے پامال کرنا شروع کر دیا جس دن دین میں غیر کا وجود برداشت کیا گیا جس دن دین کے دروازے غیر کے لئے کھول دیئے گئے، اسی دن سے ہی یہ ساری بے غیرتیاں ہمارے اندر آنے لگیں، غیر نے جب دیکھا کہ سب سے بڑا حرم ان سے نہیں بچایا جاسکا تو چھوٹے چھوٹے حرم آسانی سے ہم اپنے قبضے میں لے سکتے ہیں لہٰذا جو اپنے دین کو غیر سے نہ بچا سکے اس کی ناموس، اس کی ماں، بہن اور بیٹی کا حرم بھی محفوظ نہیں رہ سکتا ہے اس کے گھر، اس کی بیوی کا حرم غیر کی دسترس سے کبھی بھی محفوظ نہیں رہ سکتا، غیر نے آکر ہر حرم کی حرمت کو پامال کر دیا، اندر گھس کر اپنی مرضی سے اپنی ثقافت اور کلچر کو پھیلا دیا، تو آیا یہ غیرت ہے یا بے غیرتی ؟

۷۔ امام حسین علیہ السلام اسوۂ غیرت

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب مشاہدہ فرمایا کہ لوگوں میں غیرت نامی چیز اب ختم ہوگئی ہے، جسے دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے، چونکہ جب تک غیرت انسان میں نہ آئے اس وقت تک دوسری اقدار بھی نہیں آسکتیں، لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے غیرت دکھائی، حالانکہ اس وقت بہت سارے لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہمارے گھر، ہماری مسجدوں اور نمازوں کا حرم محفوظ ہے، ہم بھی محفوظ ہیں اور ہماری عبادتیں بھی محفوظ ہیں، البتہ اس طرح تو امام حسین علیہ السلام کا حرم بھی محفوظ تھا، مدینے میں کس کی جرات تھی جو حسین علیہ السلام کی بیٹیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا، اتنا محفوظ گھرانا تھا کہ بنی ہاشم کے جوان حضرت عباس علیہ السلام اور حضرت علی اکبر علیہ السلام کے ہوتے ہوئے کس کی جرأت تھی کہ حرم حسینی کی طرف نگاہ کرتا، امام حسین علیہ السلام کی بہن بیٹیاں مدینے میں بہت ہی محفوظ تھیں، لیکن امام حسین علیہ السلام نے اپنے اس محفوظ گھر کو کیوں غیر محفوظ بنا دیا، اپنا محفوظ گھرانا اٹھایا، مدینے کی چاردیواری سے نکالا کربلا میں جاکر اپنا خاندان خیموں میں بسا دیا، تو امام حسین علیہ السلام جواب دیں گے کہ میرا حرم بے شک محفوظ ہے مدینے میں امن وامان ہے، لیکن دین خدا کا حرم محفوظ نہیں ہے غیر دین خدا میں گھس آیا ہے تو جب تک دین خدا میں غیر موجود ہے حسین علیہ السلام کی غیرت اجازت نہیں دیتی کہ غیرتِ دینی کا اظہار نہ کریں، دین کے حرم کو نہ بچائیں، میں نے اس لئے اپنے محفوظ خاندان کو کربلا میں غیر محفوظ بنا دیا ہے تاکہ دین کے حرم کو محفوظ بنا دوں، لہٰذا فرمایا کہ میرے حرم کی حفاظت اس وقت ہوگی جب دین خدا کا حرم محفوظ ہو جائیگا، غیرت اس کو کہتے ہیں کہ غیر کو اپنے دین کے اندر برداشت نہ کیا جائے،

غیر کو حرم اسلام کے اندر اور حرمِ مذہب کے اندر برداشت نہ کیا جائے، یہ غیرت تھی جو حضرت امام حسین علیہ السلام نے دکھائی، لوگوں کو درسِ غیرت دیا، لوگوں کو غیرت سکھائی، لہٰذا امام حسین علیہ السلام اسوۂ غیرت، سب سے زیادہ غیور ہیں۔

۸۔ حضرت عباس علیہ السلام وفا اور غیرت کے مظہر

حضرت عباس علیہ السلام وفا اور غیرت کے مظہر

حضرت عباس علیہ السلام وفا اور غیرت کے پیکر تھے ان کی وفا ہی غیرت تھی حضرت عباس علیہ السلام بہت غیور تھے اس لئے بہت زیادہ باوفا ثابت ہوئے، ان کی وفاداری ان کی غیرت کی وجہ سے تھی لیکن حضرت عباس علیہ السلام کی غیرت فقط یہی نہیں تھی کہ زینب سلام اللہ علیہا وام کلثوم سلام اللہ علیہا کی طرف کوئی نگاہ اٹھا کر نہ دیکھے، فاطمہ سلام اللہ علیہا وسکینہ سلام اللہ علیہا کو کوئی نہ دیکھے، بہن بیٹیوں کو کوئی نہ دیکھے بلکہ عباس علیہ السلام کی غیرت یہاں تک تھی کہ دین کی طرف بھی کوئی ٹیڑھی نظر سے نہ دیکھے، حضرتِ عباس علیہ السلام بڑے غیور ہیں، عباس علیہ السلام کا نام لیوا وہ ہوسکتا ہے جس میں عباس علیہ السلام جیسی غیرت ہو، جس کے سینے میں عباس علیہ السلام جیسا دل دھڑکتا ہو، عباس علیہ السلام جیسی وفا کا مالک ہو، حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام کو اپنے ساتھ لیا، نہ فقط اس لئے کہ اپنے حرم کی حفاظت کی جائے، بلکہ اس لئے ساتھ لیا کہ دین خدا کی حفاظت کی جائے، حضرت علی علیہ السلام نے حضرتِ عباس علیہ السلام کی ولادت کے لئے اہتمام کیا، اپنے بھائی عقیل سے فرمایا عرب کی شجاع ترین خاتون میرے لئے ڈھونڈو، شجاع ترین قبیلے سے کوئی خاتون ڈھونڈو میں چاہتا ہوں کہ ایسا بہادر بیٹا اس سے پیدا ہو کہ جو غیرتمند، غیور اور باوفا ہو اور خدا کے حرم اور دین کی

طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے والے کی آنکھ وہیں پر نکال دے۔

مجھے غیرت اور وفا کا مجسمہ چاہیے، جس کے لئے ام البنین سلام اللہ علیہا کو ڈھونڈا گیا، ام البنین سلام اللہ علیہا بھی اس قابل تھیں کہ ان سے ایک غیرت کا پیکر حضرت علی علیہ السلام کو خدا نے عطا کیا۔

پس امام حسین علیہ السلام نے غیرتِ دینی کو زندہ کرنے کے لئے عباس علیہ السلام جیسے غیوروں کی قربانیاں پیش کیں، اگر عباس علیہ السلام جیسے غیور دین پر قربان نہ ہوتے تو آج غیرتِ دینی نام کی کوئی چیز موجود نہ ہوتی، عباس غیرت کے مظہر تھے، وہ چیز کہ جس نے آخر تک حضرت عباس علیہ السلام کو امام حسین علیہ السلام کے فرمان کے تابع رکھا وہ غیرتِ عباس علیہ السلام تھی، عباس علیہ السلام کی غیرت نے یہ برداشت نہیں کیا کہ غیر آ کر دین میں گھس جائے لہٰذا اپنے آپ کو قربان کر کے دینی غیرت، ناموس کی غیرت گویا سب غیرتوں کو زندہ کر دیا۔

تقدس امور

آٹھویں قدر

۱۔ سیرتِ امام حسین علیہ السلام اور اقدار کی جنگ

۲۔ تقدس کے معنی

۳۔ تقدس کی پامالی

الف۔ فرشتوں کا نقطۂ اعتراض ب۔ خدا کی طرف سے فرشتوں کو جواب

۴۔ ہر چیز کے تقدس کی اپنی نوعیت

۵۔ مساجد کا تقدس

۶۔ مجالس کا تقدس

۷۔ منبر کا تقدس

۸۔ منبر کے تقدس کی پامالی کا بدترین نمونہ

۹۔ حضرت علی علیہ السلام کے تقدس کی پامالی، تمام مقدسات کی پامالی

۱۰۔ وسائل اور مقاصد کے تقدس کی پامالی

۱۱۔ امام حسین علیہ السلام مقدسات کا تقدس پلٹانے والے

۱۲۔ کربلا تقدیسِ وسائل کا راستہ

۱۳۔ امام حسین علیہ السلام اور جعفی کی ملاقات سے زندہ ہونے والی اقدار

الف۔ غیر جانبداری بری صفت ب۔ خود ہادی گمراہوں کی تلاش میں

ج۔ ہادی کا لینے کے بجائے کچھ دینے جانا د۔ نامقدس وسائل کی پہچان

ر۔ عمل کا مقدس ہونا شرطِ قبولیت

۱۴۔ نتیجہ بحث

۱۔ سیرت امام حسینؑ اور اقدار کی جنگ

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے قیام کر رہا ہوں ......ارید ان آمر بالمعروف وانھیٰ عن المنکر...... (۱) معروف یعنی وہ اقدار جو قرآن نے انسان کے لئے مقرر کی ہیں اور منکر وہ رذیلتیں، قبیح صفات وخصائل ہیں جن کو خداوند تبارک وتعالیٰ نے انسان کے لئے ممنوع اور حرام قرار دیا ہے امام حسین علیہ السلام نے معروف اقدار کو زندہ کیا، منکر اقدار کو ختم کیا، اس لئے ان معروف اقدار کو ''عاشورائی اقدار'' کہا جاتا ہے چونکہ عاشورا نے ان کو متعارف کرایا، ان مردہ اقدار میں روح پھونکی اور جنگِ عاشورا نے منکر اقدار کو شکست دی۔

اقدار کی تاریخ کشمکش سے بھری ہوئی ہے اقدار کی جنگ جیتنے کے لئے امام حسین علیہ السلام کی سیرت پر چلنا چاہیے تا کہ انسان معروف کو زندہ کر سکے اور منکرات کو ختم کر سکے آپ نے اپنی سیرتِ طیبہ کے ذریعے ثابت کیا کہ اقدار کی جنگ کیسے لڑی جاتی ہے اور کیسے جیتی جاتی ہے آپ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد فقط نصف صدی کے اندر ہی اقدار کا نظام تبدیل ہو چکا ہے، معروف اقدار کو لوگ بھول چکے ہیں اور ان کی جگہ منکر اقدار کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

ان اقدار میں سے اہم ترین قدر جو پامال ہو چکی تھی بلکہ منکر میں تبدیل ہو چکی تھی وہ تقدسِ امور ہے، لوگوں نے مقدس امور کو اپنانے کے لئے، نامقدس ذرائع اور وسائل کا استعمال کرنا شروع کر دیا تھا آج بھی اگر دیکھا جائے تو یہی حال ہے۔

---

(۱)۔ موسوعۂ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۲۹۱۔

انسان کے اندر یہ اقدار اس قدر مسخ ہوگئی ہیں کہ ان کی اہمیت تو درکنار ان کے معنی تک معلوم نہیں اقدار انسانی معاشرہ سے دور ہو چکی ہیں، انسانی معاشرہ ان سے خالی ہو چکا ہے لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں اس قدر کو زندہ کیا، واقعہ کربلا، مدینہ سے لیکر ظہر عاشور تک تقدس ہی تقدس ہے۔

۲۔ تقدس کے معنی

خداوند متعال کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم قدوس ہے جیسا کہ مناجات، دعائے جوشن کبیر وغیرہ میں یہ اسم قدوس وسبوح اسماء حسنیٰ میں سے شمار کیا گیا ہے تقدس وتقدیس کے معنی منزہ کرنا، پاک وپاکیزہ کرنا، کسی کی آلودگیوں اور نقائص کو دور کرنا ہے یہی معنی تسبیح کا بھی ہے، تسبیح اور تقدیس کی روح اور معنی ایک ہی ہے البتہ ایک لطیف سا فرق ضرور ہے۔

تقدس کو خداوندِ تعالیٰ نے انسان کے لئے ایک قدر کے طور پر مقرر فرمایا ہے، تا کہ انسان مقدس بن جائے اور ذاتِ خدا کے تقدس کا لحاظ کرے، ذاتِ خدا کو منزہ کر کے اس کی تسبیح کرے خدا کی طرف کوئی آلودگی، کوئی نقص منسوب نہ کرے، انسان جو چیزیں بارگاہِ خدا میں لے کر آتا ہے ان کو منزہ اور پاک کر کے لائے، ورنہ کوئی آلودہ چیز لے کر آیا تو تقدس پامال ہو جائے گا، یوں نہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف عبادت پیش کرتا ہے پس عبادت کو ہر قسم کی پلیدی اور آلودگی سے پاک ہونا چاہیے بلکہ جو کچھ بارگاہِ خدا میں پیش کرتا ہے اس کو منزہ ہونا چاہیے، تا کہ وہ خدا کی مقدس بارگاہ میں پیش کر سکے اگر کسی نے پلید چیز، رجس اور نجس کو خدا کی بارگاہ میں پیش کر دیا تو اس نے تقدس کا خیال نہیں رکھا، اس نے ان امور کا تقدس پامال کیا، لہٰذا ذاتِ خدا کی تقدیس کے لئے

ہر چیز کا تقدس بحال کرنا پڑے گا۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا محور بھی یہی تقدیس و تسبیح ہے انسان جو چیز خدا کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے اس کو مقدس بنائے تا کہ خود انسان بھی مقدس اور مسبّح بن جائے۔

۳۔تقدس کی پامالی

الف۔ فرشتوں کا نقطۂ اعتراض

خداوندِ متعال نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلق کرنے کے بعد، ان کا مختصر سا تعارف فرشتوں کے سامنے کرایا، تو سب سے پہلی چیز جو فرشتوں کے ذہن میں آئی اور نقطۂ اعتراض کے طور پر اسے اٹھایا وہ یہی تھا کہ یہ انسان تقدس ناشناس ہے، یہ انسان نامقدس ہے۔

اے پروردگار یہ نہ صرف اپنا تقدس برقرار نہ رکھے گا بلکہ تیری ذات کا تقدس بھی پامال کرے گا فرشتوں نے کہا:

...... اتجعل فیها من یفسدفیها و یسفك الدّماء...... (۱) یہ مخلوق تیرے تقدس کو روند ڈالے گی خونریزی کرے گی، فساد پھیلائے گی، سفک دماء اور فساد کرے گی، انسان اپنا تقدس کھو بیٹھے گا اور تیری ذات کا تقدس پامال کردے گا لہٰذا ہم کافی ہیں۔

......و نحن نسبّح بحمدك و نقدّس لك...... (۲) ہم ہیں جو تیری ذات کی تسبیح

(۲،۱)۔ سورۃ بقرہ آیت ۳۰۔

کریں گے اور تیرے تقدس کا بھی پاس رکھیں گے فرشتوں کے ذہن میں بھی سب سے پہلے یہی آیا کہ ممکن ہے انسان اس قدر یعنی تقدس کا پاس نہ کر سکے، اسے پروان نہ چڑھا سکے، اللہ تعالیٰ کے سامنے انسان کی کمزوری بیان کی کہ یہ سفک دماء کرے گا اور تقدس کا حق ادا نہیں کرے گا۔

ب۔ خدا کی طرف سے فرشتوں کو جواب

تقدس انسان اتنی حیاتی اور بنیادی چیز ہے کہ خداوند متعال نے انسان کا دفاع کرتے ہوئے ملائکہ کو جواب دیا...... انی اعلم ما لا تعلمون (۱) میں اس کے بارے میں ایک ایسی حقیقت سے آشنا ہوں جسے تم نہیں جانتے یعنی اگر تمہیں اعتراض ہے کہ یہ سفک دماء کرے گا، یہ فساد پھیلا کر خون خرابہ کرے گا، اس طریقہ سے اپنا تقدس بھی کھو بیٹھے گا اور میرے تقدس کو بھی پامال کرے گا، لیکن ایک ایسی پنہاں حقیقت کا مجھے علم ہے جسے تم نہیں جانتے اور وہ یہ کہ اسی خونریزی میں ہی اپنا تقدس بھی زندہ کرے گا اور خدا کا تقدس بھی زندہ کرے گا، ملائکہ کے تقدس کا بھی پاس رکھے گا اور ہر مقدس چیز کے تقدس کو ثابت کرے گا۔



خداوند متعال نے فرشتوں کو یہ مختصر سا جواب دیا، فرشتوں نے بھی اقرار کر لیا، خدایا ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا کہ تو نے ہمیں بتایا ہے قالوا سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا...... (۲) اس سے زیادہ تو ہم نہیں جانتے ہیں، ہم دیکھ لیں گے یہ کس طرح تقدس کا خیال رکھتا ہے، اب

(۲،۱)۔ سورۃ بقرہ، آیت ۳۰، ۳۲۔

فرشتے انتظار میں ہیں کہ دیکھیں یہ انسان کیسے بنتا ہے اور کس طرح سے ذاتِ خدا کے تقدس کا پاس رکھتا ہے، تو پھر ایک وقت ایسا آیا کہ جب سید الشہداء علیہ السلام نے تمام مقدسات کا کھویا ہوا تقدس زندہ کر کے لوٹا دیا، ہر پامال شدہ تقدس کو بحال کیا، اس وقت حجتِ خدا ملائکہ پر تمام ہوگئی کہ میں نہیں کہتا تھا، انی اعلم مالا تعلمون یہ خونریزی تو ضرور ہے لیکن اس خونریزی میں خدا کا تقدس بھی بچ گیا ملائکہ اور انسان کا تقدس بھی بچ گیا، انسانی اقدار کا تقدس بھی بحال ہوا، تقدس اتنی اہم قدر ہے کہ ملائکہ اور انسان دونوں کے لئے سوال برانگیز ہوگئی کہ یہ تقدس کو بچا سکے گا یا نہیں؟

۴۔ ہر چیز کے تقدس کی اپنی نوعیت

ہر چیز کا اپنا خاص تقدس ہوتا ہے، مساجد، مجالس، خانہ کعبہ، مسجد نبوی، مشاہد شریفہ، مراقد معصومین علیہم السلام کا اپنا الگ الگ تقدس ہے آپ کے گھر، آپ کی ذات، آپ کے ہمسایہ، ہر ایک کا اپنا خاص تقدس ہے اور ہر چیز کا تقدس اپنی نوعیت کا ہوتا ہے۔

اسی طرح ہر چیز کی آلودگی بھی اپنی نوعیت کی ہوتی ہے پانی کا منزہ ہونا اور چیز ہے، پانی کی آلودگی اور چیز ہے، ممکن ہے پانی پاک ہو اور طہارت کے قابل ہو لیکن پینے کے قابل نہ ہو اور ممکن ہے پینے کے قابل ہو لیکن طہارت کے قابل نہ ہو جیسے مخلوط پانی، اسی طرح ممکن ہے پانی نجس ہو جائے پھر اس کو لیبارٹری میں چیک کیا جائے کہ اس میں جراثیم ہیں یا نہیں، لیبارٹری والا بتائے گا یہ جراثیم سے پاک ہے لیکن دوسری طرف چونکہ اس میں نجاست پڑی ہوئی ہے یہ طہارت کے قابل نہیں ہے اس لئے کہ یہ نجاست سے آلودہ پانی ہے پس پانی بھی مقدس وہ ہوگا جو جراثیم سے

پاک ہونے کے ساتھ ساتھ نجاست سے بھی پاک ہو، اگر نجاست سے پاک ہو لیکن اس میں جراثیم پائے جائیں تب بھی وہ مقدس پانی نہیں ہے۔

اسی طرح لباس کا تقدس اور آلودگی اپنی نوعیت کی ہے، نماز کیلئے مقدس لباس وہ ہے جو نجاست سے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ غصبی بھی نہ ہو۔

ہر چیز کو اس کا خاص تقدس دینا، اور مقدسات کے احترام کا پاس رکھنا انسانی اقدار میں بہت ہی اہم قدر ہے لیکن انسان اس قدر کو بھول بیٹھا، اپنے تقدس کا احترام نہیں کیا، اور خدا کے تقدس کو بھی پامال کرنا شروع کردیا، خدا کی بارگاہ میں پیش کرنے والے امور کو نامقدس بنادیا بلکہ ہر چیز کے تقدس کو کھو بیٹھا۔

وہی کھٹکا جو ملائکہ کو تھا وہ آہستہ آہستہ انسان کے اندر پیدا ہونا شروع ہوگیا، ملائکہ کا نقطۂ اعتراض ہی یہی تھا کہ یہ تقدیس کے عہدے سے عہدہ برآ نہیں ہوسکے گا انسانی اعمال سے گویا یوں نظر آنا شروع ہوگیا کہ اس تقدس کا حق ادا نہیں ہورہا ہے، لہٰذا ضرورت پڑی کہ اب دوبارہ انسان کو اس قدر سے آشنا کرایا جائے لیکن پہلے ہم اس قدر کی پامالی دیکھ لیں یہ قدر کہاں پر پامال ہوئی۔

۵۔مساجد کا تقدس

مسجد ایک مقدس جگہ ہے، خانہ خدا ایک متبرک جگہ ہے، ہر وہ چیز جو مسجد کے شایانِ شان نہیں ہے وہ مسجد سے اگر دور ہو جائے تو مسجد پاک و پاکیزہ اور مقدس رہے گی، ہر وہ کام جو مسجد کے شایانِ شان ہے، اگر مسجد میں انجام دیا جائے تو یہ مسجد کا تقدس ہے، یوں نہیں کہ مسجد میں نجاست آجانے

سے مسجد کا تقدس پامال ہوجاتا ہے بلکہ ہر وہ کام جو خدا سے مربوط نہ ہو مسجد کے اندر انجام دینے سے مسجد کا تقدس پامال ہوتا ہے، مسجد ذکرِ خدا کے لئے ہے، مسجد اقدارِ الٰہی کو بیان کرنے کیلئے ہے، اگر کوئی ریا کاری کی نماز مسجد میں پڑھے تو اس نے مسجد کے تقدس کو پامال کیا ہے، اگر مسجد نمازیوں سے خالی رہے کوئی نماز پڑھنے اس میں نہ آئے تو یہ مسجد کی بے احترامی ہے، مسجد کا تقدس فقط یہ نہیں ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ کر چلے جائیں اگر مسجد کو چوبیس گھنٹے تالا لگا رہے تو مسجد کا تقدس پامال ہوگا۔

۲۔مجالس کا تقدس

مجالس امام حسینؑ کے کچھ آداب ہیں، ہر وہ چیز جو شایانِ شان مجلس نہیں اگر مجلس حسینؑ میں انجام دی جائے تو اس سے مجلس حسینؑ کا تقدس پامال ہوجاتا ہے، اگرچہ وضو کے ساتھ ہی کیوں نہ بیٹھا ہوا ہو مجلس حسینؑ کا تقدس ہر اس چیز سے پامال ہوتا ہے جو مقصد حسینؑ کے ساتھ سازگار نہ ہو، جو نامِ حسینؑ، قیامِ عاشورا اور اقدارِ عاشورا کے ساتھ سازگار نہ ہو، ائمہ معصومینؑ نے بھی بیان فرمایا ہے کہ نوحہ لکھ کر تم بہترین تبلیغ کر سکتے ہو ائمہؑ نے ان نوحوں اور مرثیوں پر شعراء کو بڑے بڑے انعامات عطا کیے ہیں لیکن یہ کونسے نوحے تھے یہ وہ نوحے تھے کہ جب یہ نوحہ پڑھا گیا تو ساری امت منقلب ہوگئی، ساری امت کی کایہ پلٹ گئی، یہ وہ نوحہ تھا جس نے ایوانِ بنوامیہ کو لرزا یا تھا۔ وہ نوحے نہ پڑھے جائیں جو حسین ابن علیؑ کو محتاج اور کمزور بنادیں، اس سے مجلس کا پامال ہوتا ہے بلکہ وہ نوحے اور مرثیہ پڑھے جائیں جو امت کو محتاج اور حسین بن علیؑ

کو ہادی امت ثابت کرتے ہوں۔

مجالس کا تقدس یہ نہیں کہ ہم نے فقط سننا ہے کسی اور نے بولنا ہے، بلکہ دیکھا جائے کہ بولنے والا کیا بول رہا ہے اور سننے والا کیا سن رہا ہے، اگر بولنے والے نے تقدس کا خیال نہ رکھا تو سننے والے بھی اس تقدس کی پامالی میں شریک ہیں۔ اگر امام بارگاہ میں صرف دس دن کے اندر عزاداری ہوجائے پھر سارا سال بند رہے کوئی اس کی طرف رخ نہ کرے تو اس سے اس کا تقدس پامال ہوجائے گا اگر منبر پر پیشہ ور بیٹھے ہوں منبر سے جھوٹ پڑھا جائے لوگوں کو بے عملی کی ترغیب دلائی جائے اتحادِ مومنین و مسلمین کو پارہ پارہ کیا جائے تو اس سے مجالس کا تقدس پامال ہوتا ہے۔



فرشتوں کو تو یہی کھٹکا تھا اے بارِالہا! یہ انسانِ نامقدس پیدا ہو رہا ہے، یہ تیرے تقدس کو پامال کرے گا، یہ تیرے مقدس بندوں کا تقدس ضائع کرے گا، مساجد اور مجالس کے تقدس کو بحال نہیں رکھے گا خدا نے فرمایا: انی اعلم مالا تعلمون ایک ایسی چیز جانتا ہوں جسکا تمہیں علم نہیں ، کچھ لوگ مقدسات کا تقدس پامال کرتے رہیں گے لیکن میں اپنے مقدس بندے بھیج دوں گا، میں اپنے مقدس مکان بناؤں گا، اپنے لئے مقدس ایام بناؤں گا۔

اس کے بعد حسینؑ جیسا ایک مقدس انسان مبعوث کروں گا جو پامال شدہ تقدس کو دوبارہ لوٹا دے گا، مقدسات کو دوبارہ مقدس بنا دے گا، تمام مقدسات کے تقدس کی حفاظت کرے گا۔

۷۔ منبر کا تقدس

مقدسات میں ایک مقدس شے منبر ہے خداوندِ متعال نے اس کو تبلیغ کے لئے بہترین وسیلہ قرار دیا

،پیغمبر اکرم ﷺ پہلے مسجد نبی میں ایک ستون کا سہارا لیکر وعظ ونصیحت فرمایا کرتے تھے لیکن امر الٰہی ہوا کہ اس کے بعد ستون سے ٹیک لگانے کی بجائے ایک منبر نصب ہونا چاہیے، تاریخ میں سب سے پہلا منبر رسول اللہ ﷺ نے بنا کر مسجد نبوی میں نصب فرمایا یہ بہت ہی مقدس منبر ہے آنحضرت ﷺ نے اس منبر پر بیٹھ کر وعظ ونصیحت اور تبلیغ کی۔ اگر منبر سے منبر کے شایانِ شان بات نہ کی جائے تو منبر کا تقدس پامال ہوجاتا ہے، اگرچہ دنیا جہاں کے قصے بیان کردیے جائیں منبر کا تقدس یہ ہے کہ جو بات منبر کے شایانِ شان ہو وہی کی جائے۔

منبر کا تقدس

اگر تاریخ کے اوراق پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رحلتِ رسول ﷺ کے کچھ عرصہ بعد ہی منبر رسول ﷺ کا تقدس پامال ہونا شروع ہوگیا، رسول اللہ ﷺ نے منبر کے آداب و فضائل اور تقدس کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا عنقریب میرے منبر کا تقدس پامال ہونے والا ہے، عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ میرے منبر پر بندر ناچنا شروع کریں گے، ایسے جانور بیٹھیں گے جو بندروں کی طرح نقالی کریں گے، جو لوگوں کو ہنسائیں گے، جو لوگوں کو ورغلائیں گے، ان کے احساسات وجذبات سے کھیل کر ان کو گمراہ کریں گے اور پھر بڑی مختصر سی مدت گزری کہ ساری دنیا نے دیکھا کہ وہ بندر آئے منبر رسول ﷺ اور منبر حسین علیہ السلام پر ناچنے لگے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

فی المستدرك، عن ابی هريرة:ان النبیﷺ قال رأيت فی المنام كان بنی الحكم بن ابی العاص ينزون علی منبر كما تنزو القردة فلم يُرى ضاحكا حتی مات (۱)

---

(۱)۔ بحار انوار، ج ۶۳ ،ص ۲۴۰۔

مستدرک میں ابوھریرہ سے نقل ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ بنی حکم بن ابی عاص منبر پر ناچ رہے ہیں جس طرح بندر ناچتے ہیں پھر انہیں کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا گئے۔

اورامام صادق علیہ السلام سے روایت ہے۔

قال أرى رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی منامه، بنی امية يصعدون منبره من بعده ويضلون الناس عن الصراط القهقرى، فاصبح كهيباً حزينا، قال، فهبط عليه جبرائيل فقال يا رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مالى اراك كيبا حزينا، فقال يا جبرئيل انى رايت بنى اميّه فى ليلتى هذه ،يصعدون منبرى من بعدى ويضلون الناس عن الصراط القهقرى، فقال جبرئيل، والذى بعثك بالحق نبياً، ان هذا شى، مااطلعت عليه ، ثم عرج الى السماء فجاء بآية (۱) "وما جعلنا الرؤيا التى ا ريناك الّا فتنةً للناس و الشجرة الملعو نة فى القرآن و نخوّ فهم فما يزيدهم الّا طغياناً كبيرا" (۲)

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا، کہ آپ کے بعد بنوامیہ منبر پر بیٹھے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کررہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت غمگین ہوئے ،آپ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پھر ان پر جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کیوں غمگین ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اے جبرائیل میں نے آج رات بنوامیہ کو دیکھا ہے کہ وہ میرے بعد میرے منبر پر بیٹھے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کررہے ہیں تو جبرائیل نے کہا خدا کی قسم جس

(۱)۔التھذیب للشیخ الطوسی، ج ۳،ص ۵۹۔

(۲)۔ سورۃ اسرا آیت ۶۰۔

نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں اس سے مطلع نہیں تھا، پھر آسمان کی طرف چلے گئے اور اس آیت کے ساتھ نازل ہوئے، ''اور جو خواب ہم نے آپ کو دکھلایا ہے وہ صرف لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ہے جس طرح کہ قرآن میں قابل لعنت شجرہ بھی ایسا ہی ہے اور ہم لوگوں کو ڈراتے رہتے ہیں لیکن ان کی سرکشی بڑھتی ہی جارہی ہے''۔

امام حسین علیہ السلام تقدس دین کے وارث اور ضامن ہونے کے ساتھ ساتھ ہر وہ چیز جو کہ دین کے زمرے میں آجاتی ہے اس کے تقدس کے بھی ضامن ہیں۔ آپ نے نہ صرف کعبہ، حرم، منیٰ اور عرفہ کا تقدس لوٹایا، بلکہ مساجد، مجالس، قرآن، دین اور منبر کا تقدس بھی واپس کرادیا۔

۸۔ منبر کے تقدس کی پامالی کا بدترین نمونہ

بعض چیزیں تاریخ میں ہیں شاید ہماری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ ایسی باتیں ہم پڑھیں یا لکھیں، یا ایسی باتیں سننے کے لئے تیار ہو جائیں، لیکن تاریخ عبرت کے لئے ہے، تاریخ آئندہ سازی کے لئے ہے۔ شہید مرتضٰی مطہری رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے تاریخ کے متعلق ایک جملہ تحریر کیا ہے جس سے حقیقت تاریخ اور فلسفہ تاریخ معلوم ہو سکتا ہے، شہید مطہری رضوان اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تاریخ اگر فقط ماضی کے حالات کا نام ہو، ماضی کے حالات ماضی کے لیے پڑھے جائیں تو یہ تاریخ نہیں ہے بلکہ قصے اور کہانیاں ہے، اگر تاریخ میں ماضی کے حالات کو پڑھ کر مستقبل کی نشاندہی کی جائے، مستقبل کی راہوں کے تعین کے لئے ماضی کو پڑھا جائے تو اس کو تاریخ کہا جاتا ہے۔(۱)

(۱)۔ (مجموعہ آثار) شہید مطہری، فلسفہ تاریخ، ج ۱ ص ۱۳۰، ۱۳۱۔ ۱۹۰، ۱۹۱۔

یہاں پر ہم ماضی کو ماضی کیلئے یا کوئی قصہ یا کہانی بیان نہیں کرنا چاہتے ہیں بلکہ مستقبل کے لیے ماضی کی ایک مسلم حقیقت پیش کرر ہے ہیں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے تیس (۳۰) سال بعد منبر پر کچھ ایسے لوگ آ گئے جو منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیٹھ کر معاذ اللہ حضرت علی علیہ السلام کو لعن طعن کرتے رہے، تمام خطیبوں، تمام ائمہ جمعہ و جماعات کے لئے شام سے باقاعدہ یہ دستور صادر ہوتا تھا کہ جمعہ کے خطبہ کا آغاز اس طریقے سے کرے کہ سب سے پہلے بسم اللہ پڑھے پھر اہم کام جو کرنا ہے وہ معاذ اللہ حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کرنی ہے۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے شیعہ سنی، مسلم غیر مسلم، جانبدار غیر جانبدار سب نے لکھا ہے منبر کے تقدس کی پامالی کا یہ بدترین تاریخی نمونہ ہے، کم از کم ڈیڑھ سو سال تک یہ بدترین سلسلہ جاری رہا بعض اوقات یہ کام اعلانیہ ہوتا رہا لیکن بعض اوقات ذرا مخفی طور پہ ہوتا رہا حتی کہ عمر بن عبدالعزیز بنو امیہ کے ایک بادشاہ کا زمانہ آیا تو اس نے اس مذموم فعل کی رسمیت اور قانونی حیثیت کو ختم کر دیا یوں نہیں کہ اس نے بند کرا دیا ہو پھر بھی یہ کام ہوتا رہا ہو بلکہ اس نے قانون کو باطل قرار دے دیا حضرت علی علیہ السلام کو لعن طعن، سب وشتم اور گالیاں دینا قانونی طور پر منع کر دیا، منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیٹھنے والے بندروں نے امت کے سامنے امام امت کو گالیاں دیں، لعن طعن کرتے رہے اور ساری امت انہیں کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتی رہی اور حضرت علی علیہ السلام کے اوپر لعن طعن بھی برداشت کرتی رہی۔ حالانکہ فرشتوں کو یہی اندیشہ تھا کہ اے رب، یہ انسان تیرے مقدس بندوں کے تقدس کو بھی پامال کرے گا، ملائکہ کا کہنا سچ ثابت ہوا کہ علی علیہ السلام جیسے مقدس انسان کے تقدس کو منبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پامال کیا جاتا رہا۔

منبر کے تقدس کی پامالی کا بدترین نمونہ

۹۔ حضرت علی علیہ السلام کے تقدس کی پامالی، تمام مقدسات کی پامالی

حضرت علی علیہ السلام کے تقدس کی پامالی سے تمام مقدسات پامال ہوئے، حضرت علی علیہ السلام کسی شخص کا نام نہیں تھا، علی علیہ السلام ایک شخصیت کا نام تھا، یوں نہیں کہ وہ صرف ابو طالب علیہ السلام کے بیٹے تھے بلکہ علی علیہ السلام ولی خدا بھی تھے، امام امت، رہبر اور قائد بھی تھے، علی علیہ السلام سرپرستِ مملکت بھی ہیں، علی علیہ السلام سرپرستِ امّت بھی اور سرپرستِ دین بھی ہیں اگر امام امّت کے بارے میں کچھ کہا جائے اس سے پوری امّت کا تقدس پامال ہوتا ہے اگر علی علیہ السلام کے بارے میں کچھ کہا گیا تو پورے دین، پوری مملکت کا تقدس پامال ہو رہا ہے، علی علیہ السلام مبین قرآن، منصوص من اللہ، خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وارث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وارث انبیاء علیہم السلام بھی ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کے متعلق زبان درازی سے قرآن کا تقدس، اللہ تعالیٰ کا تقدس، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا تقدس پامال ہوتا ہے، منبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقدس کی پامالی سے تمام مقدسات کا تقدس پامال ہوتا ہے، بلکہ تمام اقدار کا تقدس پامال ہوتا ہے۔

امّت بھی نامقدس ہو چکی تھی اس لئے کہ منبر پر بنی امیہ کے لقمہ خور خطباء بیٹھ کر امامِ امّت کو لعن طعن کرتے رہے، لیکن امت خاموش تماشائی بن کر سنتی رہی یہ سننا بھی تقدس کی پامالی تھی جس امت کے سامنے اس کے رہبر کا تقدس پامال ہو رہا ہو اور وہ امت اپنے کانوں سے سن کر اس خطیب کے پیچھے نمازیں پڑھتی رہے یہ امت بھی تقدس پامال کر رہی ہے۔

وقال علی علیہ السلام لا صحابه: امّا انّه سيظهر عليكم بعدی رجل رَحبُ البلعوم، مندحق البطن ياكل مايجد و يطلب ما لا يجد، فاقتلوه ولن تقتلوه، الا وانّه سيأمركم بسبّی والبرائة منّی، فاما السّبُّ فسبّونی فانّه لی زكاة ولكم نجاة ،واماالبرائة فلا تتبرأوا منّی فانّی ولدت علی الفطرة وسبقت الیٰ الايمان والهجرة "(۱)





حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا! میرے بعد جلد تم پر ایک شخص مسلط ہوجائے گا جس کا حلق کشادہ اور پیٹ بڑا ہوگا، جو پائے گا، نگل جائے گا اور جو نہ پائے گا، اس کی اسے ڈھونڈ لگی رہے گی بہتر تو یہی ہے کہ تم اسے قتل کر ڈالنا، لیکن یہ معلوم ہے کہ تم اسے ہرگز قتل نہ کروگے وہ تمہیں حکم دے گا کہ مجھے برا کہو اور مجھ سے بیزاری کا اظہار کرو، جہاں تک برا کہنے کا تعلق ہے مجھے برا کہہ لینا اسلئے کہ یہ میرے لئے پاکیزگی کا سبب اور تمہارے لئے (دشمنوں سے) نجات پانے کا باعث ہے۔ لیکن دل سے بیزاری اختیار نہ کرنا، اس لئے کہ میں (دین) فطرت پر پیدا ہوا ہوں اور ایمان وہجرت میں سابق ہوں۔

مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ اس خطبہ کے ذیل میں لکھتے ہیں، اس خطبہ میں جس شخص کی طرف امیر المومنین علیہ السلام نے اشارہ کیا ہے اس سے بعض نے زیاد بن ابیہ، بعض نے حجاج بن یوسف اور بعض نے مغیرۃ بن شعبہ کو مراد لیا ہے لیکن اکثر شارحین نے اس سے معاویہ مراد لیا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ جو اوصاف حضرت نے بیان فرمائے ہیں وہ اس پر پورے صادق آتے ہیں چنانچہ ابن ابی الحدید نے معاویہ کی زیادہ خوری کے متعلق لکھا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ اسے بلوا

---

(۱)۔ نہج البلاغہ خطبہ ۵۷۔

بھیجا تو معلوم ہوا کہ وہ کھانا کھا رہا ہے پھر دوسری بار، تیسری بار آدمی بھیجا تو یہی خبر لایا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللھم لا تشبع بطنہ خدایا اس کے پیٹ کو کبھی نہ بھرنا، اس بددعا کا اثر یہ ہوا کہ جب کھاتے کھاتے اکتا جاتا تھا تو کہنے لگتا تھا ارفعو فواللہ ماشبعت ولکن مللت وتعبت دسترخوان اٹھاؤ، خدا کی قسم میں کھاتے کھاتے تو عاجز آ گیا ہوں مگر پیٹ ہے کہ بھرنے ہی میں نہیں آتا(۱)

یونہی امیر المومنین علیہ السلام پر سب وشتم کرنا اور اپنے عالموں کو اس کا حکم دینا تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ جس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں اور منبر پر ایسے الفاظ کہے جاتے تھے کہ جن کی زد میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آجاتے تھے۔

چنانچہ ام المومنین ام سلمی سلام اللہ علیہا نے معاویہ کو لکھا،

انکم تلعنون اللہ ورسولہ علیٰ منابر کم وذالک انکم تلعنون

علی ابن ابی طالب علیہ السلام ومن احبہ وانا اشھد ان اللہ احبہ ورسولہ (۲)

تم اپنے منبروں پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لعن طعن کرتے ہو وہ یوں کہ تم علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور انھیں دوست رکھنے والوں پر لعنت کرتے ہو، اور میں گواہی دیتی ہوں کہ علی علیہ السلام کو اللہ بھی دوست رکھتا تھا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی۔

---

(۱)۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ ج ۴، ص ۵۵۔

(۲)۔ عقد الفرید، ج ۳، ص ۱۳۱۔ و ترجمہ و شرح نہج البلاغہ مترجم مفتی جعفر حسین خطبہ ۵۷، ص ۱۷۷۔

۱۰۔ وسائل اور مقاصد کے تقدس کی پامالی

انسان اس قدر کی پامالی میں اتنا آگے بڑھا کہ مقاصد، وسائل اور ہر مقدس چیز کو آلودہ کرنے لگا حالانکہ انبیاء علیہم السلام نے انسان کو مقدس رہنے کی تعلیم دی تھی اور انسان کا مقصد بھی مقدس ہونا چاہیے لیکن انسان نے آہستہ آہستہ اس کو پامال کرنا شروع کردیا، پھر اپنے مقاصد (مقدس ہوں یا غیر مقدس) تک پہنچنے کیلئے نامقدس وسائل کا استعمال شروع کیا، یہاں تک ہر وہ چیز جو انسان کو درسِ تقدیس دے رہی تھی نامقدس بنادی۔

آج بھی اگر دیکھا جائے تو یہی حال ہے، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اغیار کی تلقین کی وجہ سے دوسروں کی دیکھا دیکھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر ہدف مقدس ہے تو اس مقدس ہدف تک پہنچنے کیلئے ہر جائز اور ناجائز وسیلہ کا استعمال جائز ہے اس لئے کہ یہ مقصد مقدس ہے، اچھے مقصد کیلئے سارے راستے جائز ہیں اگر کوئی اپنے عقیدے کا اظہار نہ بھی کرے لیکن عملاً ایک اچھی خاصی تعداد اس منطق کی قائل نظر آئے گی۔

یہاں تک کہ فتویٰ اور مسئلہ شرعی پوچھا گیا ہے، ایک شخص کسی ادارے میں ملازمت کرتا ہے تو آکر پوچھتا ہے کہ میں جس ادارے میں ہوں وہاں رشوت لئے بغیر کوئی چارہ نہیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ رشوت لینا حرام ہے، لیکن کیا میں یہ کرسکتا ہوں؟ کہ رشوت لے کر اس رقم سے مساجد امام بارگاہیں تعمیر کراؤں، اس سے مجالس برپا کروں، بہت سارے تو ایسے بھی ہیں جنھیں اس مسئلہ کے پوچھنے کی ضرورت نہیں، اس کے نزدیک یہ حل شدہ مسئلہ ہے کہ جب نیک مقصد ہو تو پھر نیک مقصد کے حصول کے لئے ہر جائز و ناجائز وسیلہ اختیار کرنا جائز ہے، دلیل بھی ساتھ دیتے ہیں کہ

ہماری نیت تو اچھی ہے، نیت اچھی ہونے کی وجہ سے سارے وسائل بھی اچھے، سارے کام، اور ساری چیزیں بھی اچھی ہوجاتی ہیں مقدس مقصد کیلئے جو بھی ذریعہ اپنایا جائے وہ ذریعہ مقدس ہوجاتا ہے، یعنی مقصد کی طہارت سے وسیلہ بھی مقدس ہوجاتا ہے۔

لہٰذا بعض لوگ اپنی ناجائز اور حرام کمائی میں سے کچھ پیسہ مقدس راہ میں لگا دیتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ نامقدس دولت بھی اب مقدس بن گئی ہے۔

۱۱۔ امام حسین علیہ السلام مقدسات کا تقدس پلٹانے والے

ایسے عالم میں جب حسین بن علی علیہما السلام نے دیکھا کہ سب سے بڑی قدر جو خدا نے انسان کے لئے مقرر کی تھی کہ اے انسان! میں قدوس ہوں، میں مقدس ہوں، تیرا کام تقدیس وتقدس اور تسبیح ہے جب تو نے تقدس کو چھوڑ دیا تو میری طرف نہیں آسکتا، اس لئے کہ میری ذات قدوس ہے۔

جب حسین بن علی علیہما السلام نے دیکھا کہ انسان نے تقدس کا راستہ چھوڑ دیا ہے، تمام مقدسات کو پامال کرنا شروع کردیا ہے تو یہ وقت آگیا تھا کہ مساجد، مجالس، منابر، بیت اللہ، قرآن، امام، امت اور دین کو اپنا تقدس پلٹایا جائے، امت کو تقدس کا راستہ بتایا جائے کہ کس طرح تقدس بحال رکھا جاتا ہے امام حسین علیہ السلام نے جو قربانی دی یہ قربانی تقدیس تھی، یہ قربانی تقدس، اقدار الٰہی کے تقدس کو بچانے کے لئے دی تھی جب الٰہی اقدار، امت، حکومت اور معاشرے کے اندر مر جائیں، اقدار مرتے ہوئے کوئی دیر نہیں لگتی بلکہ بہت جلد مر جاتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے نصف

صدی گزرنے کے بعد اقدار مرگئیں، پھر اسے زندہ کرنے کے لئے کربلا کی ضرورت پڑی، تو چودہ سوسال گزرنے میں کئی نصف صدیاں گزر چکی ہیں یہاں تو کم از کم اٹھائیس مرتبہ اقدار مر چکی ہوں گی لہٰذا آج بھی یہی حال ہے منبر، مسجد، مجلس، مقاصد اور وسائل کا تقدس پامال کیا جارہا ہے منبر کا تقدس یہ نہیں کہ کوئی آکر بسم اللہ پڑھ کر اپنی تقریر شروع کرے پھر جو کچھ منہ سے نکلے کوئی پروا نہیں صرف لوگوں سے داد لیکر نعرے لگوانا ہے، حالانکہ ممبر کا تقدس پامال ہونے سے، قرآن کا تقدس انبیاء علیہم السلام کا تقدس، امام کا تقدس اور دین کا تقدس پامال ہوجائے گا اور اس گناہ میں سننے والے بھی شریک ہونگے، تو یہاں کربلائی، عاشورائی اور حسینی چاہئیں، کچھ لوگ حسینی بن کر آئیں حسین بن علی علیہما السلام کی طرح اقدار کو زندہ کریں اور ہر چیز کا تقدس اسکو پلٹا دیں تا کہ پھر کسی بنی امیہ کی بچی ہوئی اولاد میں یہ جرات نہ ہو کہ منبر علی علیہ السلام پر بیٹھ کر وارثِ علی علیہ السلام کے تقدس کو پامال کرتا رہے تا کہ پھر کسی کی بھی یہ جرات نہ ہو کہ منبر حسین علیہ السلام پر بیٹھ کر اقدارِ حسین علیہ السلام کی بجائے اقدار بنی امیہ بیان کرتا رہے چونکہ اس وقت بھی خطباء، بنی امیہ کا کردار ادا کرتے رہے اور ڈیڑھ صدی تک حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دیتے رہے۔

امام حسین علیہ السلام مقدسات کا تقدس پلٹانے والے

حضرت امام حسین علیہ السلام نے منبر کا تقدس پامال ہونے کے ساتھ ساتھ احکام شرعیہ کا تقدس پامال ہوتے دیکھا! بدھ کو نماز جمعہ پڑھائی جاتی رہی بدھ کو نمازِ جمعہ پڑھانا دین کے تمسخر اور اقدارِ الٰہی کے ساتھ مذاق ہے لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے آکر اس عظیم قربانی سے دین کا تقدس، منابر اور مساجد کا تقدس پلٹا دیا آپ نے وسائل اور ذرائع اور مقاصد کا اپنا تقدس اس طرح پلٹا دیا کہ جب بھی تقدس کی پامالی شروع ہوجائے، مقدسات کا تقدس پامال کرنے والے سامنے آجائیں تو سیرتِ

امام حسین علیہ السلام پر چل کر ہی ان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، البتہ ان کو پیچھے ہٹانے کے لئے امام حسین علیہ السلام کا کردار ادا کرنا پڑتا ہے۔

آپ نے فرمایا مجھ جیسا کبھی بھی یزید جیسے کی بیعت نہیں کرسکتا تو ضمنا یہ بھی فرمادیا کہ مجھ جیسا جب بھی اقدار کو زندہ کرنا چاہے گا تو پھر میری طرح اسے قربانی دینے کی ضرورت ہے وہ میری سیرت پر چل کر ہی مقابلہ کرسکتا ہے، آپ نے مقدسات کا تقدس پلٹانے کا طریقہ بتایا، آپ نے دین کے تقدس کو بحال رکھنے کا ہنر سکھایا، آپ نے رہتی دنیا تک تقدیس وسائل کا درس دیا۔





۱۲۔ کربلا تقدیس وسائل کا راستہ

مقدس مقصد تک پہنچنے کے لئے مقدس وسائل و ذرائع کا استعمال ایسی قدر تھی جو تبدیل ہو چکی تھی جو مردہ ہو چکی تھی، امام حسین علیہ السلام نے اس مردہ قدر میں روح پھونکی، اس معرکہ میں مدینہ سے لیکر عصر عاشور تک تقدیس وسائل کا عظیم درس ملتا ہے آپ نے عملاً دکھایا کہ مقدس مقاصد کیلئے نا مقدس وسائل کا استعمال جائز نہیں۔

یہاں پر ایک تاریخی ماجرا جو سارا درس عبرت ہے، شاہد کے طور پر ذکر کرنا مناسب ہے حضرت امام حسین علیہ السلام جب مکہ سے نکل کر عراق کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس کا نام عبید اللہ بن حر الجعفی تھا یہ شخص کوفہ کا رہنے والا تھا، کوفہ امیر المومنین علیہ السلام کی حکومت کا دار الخلافہ تھا، امیر المومنین کی خدمت اقدس میں موجود تھا، اہل بیت اطہار علیہم السلام کا بڑا چاہنے والا تھا، جب اس نے دیکھا کہ کوفہ والوں نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھے ہیں اور وہ عنقریب

آرہے ہیں، لیکن امام حسینؑ کی آمد سے پہلے عبید اللہ بن زیاد لعین آیا اور کوفہ پر قبضہ کر کے حالات کو بدل دیا، کوفہ والوں کی نیتیں بدل گئیں۔

یہ شخص اس ارادہ سے کہ امام حسینؑ اس کو نہ دیکھیں اور یہ امام حسینؑ کو نہ دیکھے کوفہ سے باہر نکل گیا، اپنا سامان باندھا، تلوار اور نیزہ وغیرہ اپنے ساتھ لیا اور کوفہ کے قریب ایک منزل پر اپنا خیمہ نصب کر دیا، اس کی نیت یہ تھی کہ نہ امام حسینؑ کا ساتھ دیا جائے نہ ہی ابن زیاد کا، یعنی یہ وہ شخص تھا کہ جو دین اور دنیا دونوں کو بچانا چاہتا تھا اسے معلوم تھا کہ اگر ان حالات میں امام حسینؑ کا ساتھ دوں تو دنیا ہاتھ سے نکل جائے گی، اگر ابن زیاد کا ساتھ دوں تو دین ہاتھ سے چلا جائے گا اس لئے اس نے اپنی غیر جانبداری کا اعلان کر دیا، اتفاق سے امام حسینؑ کا اسی منزل سے گزر ہوا امام حسینؑ نے بھی اس کے قریب خیمے لگائے، پھر کسی کو بھیج کر معلوم کیا کہ یہ شخص کون ہے، امام حسینؑ کے قاصد نے واپس آکر امام حسینؑ کو بتایا کہ یہ عبید اللہ بن حر جعفی نامی شخص ہے اس کا موقف غیر جانبدار ہونا ہے، آپ نے پھر سے قاصد بھیجا اور اسے اپنے پاس بلوایا، لیکن جب امام حسینؑ کا قاصد امامؑ کی طرف سے دعوت لے کے آیا تو عبید اللہ نے امامؑ کے قاصد سے کہا، جا کر امام حسینؑ سے کہہ دینا کہ میں ان سے محبت ضرور کرتا ہوں، آپ کے لئے احترام کا قائل ہوں لیکن ایسے وقت آپ نے مجھے بلایا کہ میں آنے سے معذرت خواہ ہوں، اس لئے کہ میں نے عہد کر رکھا ہے کہ نہ ہی امام حسینؑ کے پاس جاؤں گا اور نہ ہی آپ کے دشمن سے ملوں گا، ورنہ میرا عہد و پیمان ٹوٹ جائے گا۔

جب عبید اللہ بن حر نے آپ کے پاس آنے سے انکار کیا تو آپ خود اٹھ کر اس کے خیمہ میں چلے

گئے، یہ گمراہ انسان خیمہ لگا کر بیٹھا رہا، ہادی امت ہدایت لیکر اس کے پاس گئے، یہ گمراہ سمجھ رہا تھا کہ اب امام حسین علیہ السلام مجبوری کی حالت میں ہیں، ان کو اب افراد کی ضرورت پڑ گئی ہے مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں لہٰذا میرے پاس آ کر مدد مانگ رہے ہیں حالانکہ امام حسین علیہ السلام اس گمراہ سے کچھ لینے کی بجائے کچھ دینے گئے تھے اس کی گمراہی دور کرنے گئے تھے، اسے منکرات کے سمندر میں ڈوبنے سے نجات دینے گئے تھے۔

امام حسین علیہ السلام کے القابات میں سے ایک لقب جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمایا تھا

ان الحسین مصباح الھدی و سفینۃ النجاۃ(۱)

امام حسین علیہ السلام اسے کہنا چاہتے تھے کہ ہلاکت کے سمندر میں تلاطم آ گیا ہے، منکرات کی دنیا میں طوفان آ گیا ہے، تم بھی منکرات کے ساحل پہ کھڑے ہوئے ہو، عنقریب اس سمندر میں ڈوبنے والے ہو، میں نجات کی کشتی بن کے آیا ہوں، آؤ اقدار کی کشتی پر بیٹھ جاؤ نجات پا جاؤ گے۔

لیکن عبید اللہ بن حر نے جواب دیا اے حسین علیہ السلام اس وقت آپ کو مجھ سے زیادہ اس گھوڑے کی ضرورت ہے، میرے نیزے اور میری تلوار کی ضرورت ہے، عرب شاعر تھا، اس نے اپنے گھوڑے، نیزے اور تلوار کے قصائد پڑھے، آج بھی وہ قصائد تاریخ میں موجود ہیں اس نے کہا اس گھوڑے سے میں نے کتنے میدان مارے ہیں اس نیزے سے کتنے سینے چھلنی کئے ہیں اس تلوار سے میں نے کتنی گردنیں کاٹیں ہیں، یہ کہہ کر وہ امام حسین علیہ السلام کو اپنے نامقدس وسائل دینا چاہتا تھا۔

(۱)۔عیون اخبار الرضا علیہ السلام ج ۱، ص ۵۹۔

لیکن امام حسین علیہ السلام نے اس کے جواب میں آیہ شریفہ تلاوت فرمائی

...... وما کنت متخذ المضلّین عضدا (۱) میں گمراہوں سے مدد نہیں لے سکتا، میں تو تیری گمراہی دور کرنے آیا ہوں، تم جیسے گمراہوں سے مدد لینے نہیں آیا ہوں تیرا، نیزہ، گھوڑا اور تلوار لینے نہیں آیا ہوں۔ تجھ سے اسلحہ لینے نہیں آیا، مجھے ان نامقدس وسائل کی ضرورت نہیں، اگر تم خود آنے کے لئے تیار نہیں، اگر تم گمراہ ہو تو ہم بھی اپنے مقدس مقاصد کے لئے نامقدس وسائل کا استعمال نہیں کرتے، میرے خدا نے حکم دیا ہے وما کنت متخذ المضلّین عضدا اس تاریخی ماجراسے یہ قدر زندہ ہوتی ہے کہ کسی بھی صورت میں پاک مقصد کیلئے ناپاک ذرائع کا استعمال جائز نہیں۔ (۲)

۱۳۔ امام حسین علیہ السلام اور جعفی کی ملاقات سے زندہ ہونے والی اقدار

کربلا میں ہر قدم پر مری ہوئی اقدار زندہ ہورہی ہیں، حسین بن علی علیہ السلام کے کلام سے مردہ اقدار زندہ ہورہی ہیں اور منکرات کو دفن کیا جارہا ہے خدا کی قسم! شاید چودہ سو سال لگ جائیں اور اقدار عاشورا بیان کرتے کرتے ختم نہ ہوں، یہ کوئی مبالغہ آرائی نہیں بلکہ ایک واضح سی حقیقت ہے، آیئے اس تاریخی ماجرہ پر نظر ڈالیے کتنی اقدار صرف اس مختصر ملاقات میں زندہ ہورہی ہیں۔

(۱)۔ سورۂ کہف آیت ۵۱۔

(۲)۔ جعفی کی ملاقات کا ماجرا: موسوعۃ کلمات الامام حسین علیہ السلام ۳۶۵ سے ۳۶۹۔

الف ۔ غیر جانبداری بری صفت

عبیداللہ بن حر جعفی نے اپنی غیر جانبداری کا اعلان کیا تھا، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ غیر جانبداری معروف اقدار میں سے ہے یا منکرات میں سے ہے، آج اگر انسان، مسلمانوں بلکہ صرف امام حسین علیہ السلام کے ماننے والوں کی اکثریت سے پوچھے کہ غیر جانبداری کیسی صفت ہے؟ تو بہت سے لوگ غیر جانبداری کی حمایت کرتے ہوئے نظر آئیں گے، اکثر لوگ اس کو ایک معروف قدر کے طور پر سمجھتے ہیں ۔لیکن امام حسین علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ غیر جانبداری اچھی صفت نہیں ہے یہ گمراہی ہے ما کنت متخذ المضلین عضدا حق وباطل کی جنگ میں غیر جانبدار رہنا، باطل پرستوں سے کہیں زیادہ پست تر ہونے کے برابر ہے انسان کا ایک ہی وظیفہ بنتا ہے وہ یہ کہ ہمیشہ حق کا ساتھ دے اور باطل سے نفرت و بیزاری کا اعلان کرے، غیر جانبداری سے دراصل باطل کی حمایت ہوتی ہے۔

ب ۔ خودھادی گمراھوں کی تلاش میں

آج ہم طالب علموں اور اہل علم سے اگر یہ کہا جائے کہ فلاں بستی میں گمراہ لوگ رہتے ہیں جایئے ان کو ہدایت کریں، تو ہم اپنے لئے تاویلیں ڈھونڈنا شروع کر دیتے ہیں، جی ہمیشہ پیاسا کنویں کے پاس آتا ہے، اکثر اسی کو اپنی منطق بنا کر اس کو قدر سمجھتے ہیں کہ ہم تو عالم ہیں، ہم مدرسے میں ،گھر میں، اپنی مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں اگر لوگوں کو ہماری ضرورت ہے تو آئیں ہم سے پوچھیں ،ہم دین بتائیں گے، اسلئے کہ ہم کنواں ہیں اور وہ پیاسے ہیں، کبھی بھی کنواں چل کر پیاسے کے پاس نہیں جاتا، بلکہ پیاسا آدمی کنویں کے پاس آتا ہے، گمراہوں کے پاس نہ جانا اپنے لئے

باعث عزت ووقار سمجھتے ہیں۔

حالانکہ کنواں بن کر پیاسوں کو پیاسا رکھنا سب سے بڑا منکر ہے، کنویں اور نہر کے پانی میں بڑا فرق ہے، کنویں کا پانی اس کی تہہ میں چھپ کر بیٹھا ہوتا ہے اور پیاسے اس پانی کو ڈھونڈھنا شروع کر دیتے ہیں، اگر کوئی پیاسا آکر پانی نکالنا چاہے تو کنواں گھونٹ گھونٹ پانی دینا شروع کر دیتا ہے۔

لیکن نہر بھی پانی کا منبع ہے، جو پیاسوں کی تلاش میں گھومتی پھرتی ہے کہ کہیں کوئی پیاسا مل جائے، اس کی جڑوں میں پانی ڈال دے، حسین بن علی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں کنواں نہیں ہوں بلکہ چشمہ کی مانند ہوں، اگر کوئی گمراہ میرے پاس نہیں آتا تو میں خود اس کے پاس چل کر جاتا ہوں پیاسے کے مقابلے میں فقط کنواں کیوں نظر آتا ہے، پیاسے کے مقابلے میں دریا کیوں نظر نہیں آتا، نہریں کیوں نہیں دیکھتے ہو، کبھی بھی فصلیں چل کر دریا یا نہر کے پاس نہیں جاتیں بلکہ ہمیشہ نہر یا دریا کا پانی چل کر فصلوں کے پاس جاتا ہے، قرآن کریم میں یہی آیا ہے

هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم ......

وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (۱)

ہم نے گمراہوں کے پاس رسول بھیجا نہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گمراہ بھیجے، حسین بن علی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر عمل کیا اور گمراہوں کے پیچھے جانے کو ایک قدر کے طور پر متعارف کرایا۔

---

(۱)۔ سورۂ جمعہ آیت ۲۔

ج۔ ھادی کا لینے کے بجائے کچھ دینے جانا

امام حسینؑ جب اس گمراہ (جعفی) کے پاس گئے تو اس کے ذہن میں یہی آیا کہ امام حسینؑ کی کوئی غرض ہے، کوئی مشکل ہے جو میرے ذریعہ سے حل ہو سکتی ہے دیکھوں یہ مجھ سے کیا مانگتے ہے آج بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اگر کوئی عالم دین کسی کے پاس جائے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی چیز کی ضرورت پڑ گئی ہے آج کہیں پھنس گیا ہے، اس کو کچھ چاہیے اس لئے تو میرے پاس آیا ہے

ممکن ہے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں جو عالم دین کے لباس میں جا کر لوگوں کو لوٹ لیں، مختلف بہانوں سے لوگوں سے پیسہ نکالنا چاہتے ہیں، لیکن واقعی عالم دین سیرتِ امام حسینؑ پر عمل کر کے لینے کے بجائے دینے جاتے ہیں، اقدار حسینی کو لیکر ان کے پاس جاتے ہیں، صرف لوگوں کی گمراہی دور کرنے اور ان کو ہدایت دینے جاتے ہیں حسینی اقدار میں سے ایک انفاق بھی ہے یعنی آپ نے دینے کا طریقہ سکھایا، لینے کا طریقہ نہیں سکھایا ہے، رسول اللہ ﷺ کا وارث وہ ہوتا ہے جو رسول اکرم ﷺ کی طرح گمراہوں کو کچھ دینے آتا ہے، اس لئے کہ گمراہوں کے پاس دینے کے لئے کچھ ہوتا ہی نہیں، وہ گمراہی کے علاوہ کیا دے سکتے ہیں، بلکہ ہمیشہ ان کو دینے کے لیے رسول ﷺ تشریف لاتے ہیں، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

......لا اسئلکم علیه اجرا...... (۱) میں تم سے اجرت لینے نہیں آیا بلکہ تمہیں اہل بیتؑ کی محبت دینے آیا ہوں، میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے اجرت دیں بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ مجھ سے ثقلین لے لیں اور ان سے محبت کر لیں چونکہ اس محبت میں تمہارا فائدہ ہے کہ تم گمراہ نہیں ہو گے۔

---

(۱)۔ سورۃ الشوریٰ آیت ۲۳۔

د۔ نامقدس وسائل کی پہچان

صرف رشوت، چوری اور غصبی مال نامقدس نہیں ہوتا بلکہ نامقدس ہر وہ وسیلہ ہے جو کسی نامقدس اور گمراہ انسان کے پاس ہے ہر وہ مال مقدس ہوتا ہے جو مقدس مالک کے پاس ہوتا ہے اگر نامقدس انسان سے نامقدس مال لیکر مقدس ہدف میں خرچ کیا جائے تو یہاں پر مقدس اور نامقدس، طہارت اور نجاست، پاکی اور پلیدی کا ایک قانون ہے کہ جب بھی پاکی اور پلیدی کو ملایا جائے تو نجاست طہارت کو قبول نہیں کرتی بلکہ طہارت پر نجاست کا اثر ہو جاتا ہے۔

جب مقدس اور نامقدس کو ملایا جائے تو نامقدس مقدسات کو غیر مقدس بنا دیتا ہے لہٰذا نامقدس وسائل مقدس مقاصد کو بھی نامقدس بنا دیں گے(۱) وہ ذات قدوس ہے نامقدس چیزیں قبول نہیں کرتی، بعض لوگوں نے اگر مسجد بنانی ہے، اگر امام بارگاہ بنانا ہے، اگر مقدس مجالس کرانی ہیں تو مقدس لوگوں کا مال خرچ کیا جائے۔

ر۔ عمل کا مقدس ہونا شرط قبولیت

سبوح وقدوس کی بارگاہِ مقدس میں کچھ پیش کرنا ہو تو مقدس وسائل سے استفادہ کرنا چاہیے، وہ ذات قدوس ہے نامقدس چیزوں کو قبول نہیں کرتی لہٰذا بعض لوگوں نے کروڑوں کی تعداد میں دیا چونکہ نامقدس تھا خدا نے قبول نہیں کیا۔

---

(۱)۔اس منطقی قاعدہ کی طرف اشارہ ہے کہ نتیجہ ہمیشہ تابع اخس مقدمتین ہے۔

ہابیل اور قابیل کا ماجرا آپ کے سامنے ہے، ایک نے مہنگی قربانی پیش کی، دوسرے نے سستی قربانی پیش کی لیکن جس کی قربانی مہنگی تھی وہ نامقدس تھی خدا نے اسے قبول نہیں کیا، جس کی سستی قربانی تھی لیکن مقدس تھی لہٰذا خدا نے قبول کرلی ......انما یتقبل اللّٰہ من المتقین (۱)

خدا صرف متقین، مقدسین اور پاک و پاکیزہ لوگوں سے قبول کرتا ہے۔

۱۴۔ نتیجہ بحث

حسین بن علی علیہما السلام نے جس قدر کو زندہ کر کے عاشورائی قدر بنا دیا جو ہمیشہ کے لئے حسینی اقدار میں سے شمار ہوگی وہ تقدس امور ہے لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے مساجد، مجالس، منابر، بیت اللہ اور جملہ شعائر الٰہی کے تقدس کو زندہ کیا، سب سے بڑھ کر امامت و قیادت اور رہبری کا تقدس زندہ کیا۔

اگر آج بھی یہ مقدس مقامات پامال ہو رہے ہیں تو حسین بن علی علیہما السلام سے آکر سیکھو، کہ کوئی ان مقدسات کو پامال نہ کر سکے، ہمیشہ نامقدس انسانوں کے ہاتھوں مقدسات پامال ہوتے جائیں گے، اس لئے کہ نامقدس انسان کے نزدیک کوئی چیز مقدس نہیں ہوتی، حتیٰ کہ کسی کا خون بھی مقدس نہیں ہوتا، یہاں تک کہ حسین علیہ السلام جیسے مقدس و پاکیزہ خون کو بھی گرانا واجب سمجھتے ہیں خدا لعنت کرے اس نامقدس لعین پر کہ جس نے امام حسین علیہ السلام کے مقدس خون بہانے کا فتویٰ دیا۔

امام حسین علیہ السلام کا جرم کیا تھا؟

---

(۱)۔ سورۃ المائدہ آیت ۲۷۔

فقط جرم اتنا تھا کہ باطل کے مقابلے میں مقدس قیام کیا نامقدسوں کے خلاف قیام کیا تھا، مقدسات کو تقدس پلٹانے کے لئے میدان میں آگئے تھے، آپ نے اپنی جان دے کر ثابت کردیا کہ قدروں کو کس طریقے سے بچایا جاتا ہے۔

راہِ خدا میں دشمنیاں مول لینا

نوین قدر

۱۔ دشمنیاں مول لینا حسینی قدر

اقدار عاشورا اور خصائل حسینی میں سے ایک بہت اہم قدر جسے حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے سرزمین کربلا پر عاشورا کے روز زندہ کیا، اس میں روح ڈال کر اس کو بشریت کے لئے متعارف کروایا، وہ راہ خدا میں مصائب، مشکلات، خطرات اور دشمنیاں مول لینا ہے۔

حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے اپنی سیرت سے ثابت کیا کہ مشکلات خریدنا، دشمنیاں خریدنا، خطرات مول لینا اور اپنے آپ کو دشمنوں کے نرغے میں لا کھڑا کرنا یہ ایک الٰہی قدر ہے یہ قرآنی قدر، حسینی قدر اور عاشورائی قدر ہے حالانکہ اس دور میں یہ قدر بھی دوسری اقدار کی طرح پامال ہو چکی تھی اس سے روح چھین لی گئی تھی، کربلا کے بعد آج بھی یہی نظر آ رہا ہے کہ اس قدر سے روح نکال لی گئی ہے۔

آج انسان عافیت طلب، خوش نشین اور عیش و عشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کا عادی ہو چکا ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ایک زمانہ آئیگا کہ جب معروف منکر بن جائے گا اور منکر وف بن جائے گا (۱) یہ زمانہ اس وقت بھی آیا تھا اور آج پھر آ گیا ہے جو انسان راہ خدا میں ل مول لیتا ہو، اس کو ہم اچھا نہیں سمجھتے ہیں، جھگڑا مول لینے والے اور عداوتیں مول لینے الوں کو ہم اچھا نہیں سمجھتے حالانکہ سید الشہداء علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھے وہ لوگ ہیں جو راہ خدا میں جھگڑے ل لیتے ہیں عداوتیں خریدتے ہیں، جو چاہتے ہیں کہ کوئی ان سے جنگ کرے۔

دشمنیاں مول لینا حسینی قدر

وسائل الشیعہ باب از ابواب امر و نہی ج ۱۶، ص ۱۲۲۔

البتہ جولوگ گلی کوچوں میں خواہشاتِ نفسانی کی بناء پرلڑتے مرتے ہیں، جوایک دوسرے کا گریبان پکڑ لیتے ہیں، جوخواہشاتِ نفسانی کی بناء پرانسانیت کشی اورخون ریزی کرتے ہیں، یہ جھگڑے اوردشمنیاں ہرگز مرادنہیں ہیں بلکہ جس قدرکوسیدالشہداء علیہ السلام نے زندہ کیاوہ یہ ہے اگرتم نے اپناارادہ خداکے ارادے میں فانی کردیااوراگرتم خداکے مقابلے میں نہ ہوئےتو جس طرح تم آرام اورسکون چاہتے ہو، اسی طرح اگرراہِ خدامیں ضرورت پڑےتوتمہیں مصائب بھی خریدنا ہوں گے، خداکی راہ میں مشکلات اور جھگڑے بھی خریدنے ہوں گے خداکی راہ میں دشمنوں کا پیچھا کرنا ہوگا یہ حسینی قدرہےاوراس قدرکوامام حسین علیہ السلام نے زندہ کیا۔

۲۔ مصائب کا فضائل سے رابطہ

اگرکوئی شخص اقدارحسینی کا مالک ہوجائے، وہ فضائل اورعاشورائی اقدار جن کوامام حسین علیہ السلام نے اجاگرکرکے متعارف کرایا، کسی کے اندریہ خصائل پیداہوجائیں توان فضائل کا اثرانسان پرمصائب کی صورت میں پڑے گالہٰذایہ مصائب جواہل بیت علیہم السلام پرنازل ہوئے یہ اہل بیت علیہم السلام کے فضائل کا نتیجہ ہےاگراہل بیت علیہم السلام میں کوئی فضیلت نہ ہوتی توکوئی مصیبت بھی نازل نہ ہوتی۔

حقیقت میں مصائب کی متاع فضائل تھے، اہل بیت علیہم السلام کے فضائل نے ان کومصائب کا خریداربنادیا، فضائل نے مصائب کواہل بیت علیہم السلام کے دامن میں بھیج دیالہٰذاامام حسین علیہ السلام نے ایک قانون اورضابطہ تاسیس کردیاجوقیامت تک جاری رہے گا، وہ یہ ہے کہ جس کے پاس بھی فضائل ہوں گےوہ کبھی بھی مصائب سےنہیں بچ سکتا۔

اگر دنیا میں کسی شخص پر پیدا ہونے سے لیکر، موت تک، مصائب نہیں آئے تو سمجھ لینا کہ اس کی ذات میں کوئی فضیلت ہی نہیں تھی۔ لہٰذا اگر کسی کے اندر غیرت ہو، کسی کے اندر شجاعت، احساسِ ذمہ داری، انفاق، تعہد، حریت جیسی فضیلتیں ہوں، تو پھر وہ گھر میں نہیں بیٹھ جاتا، وہ مصائب سے جان نہیں چھڑاتا بلکہ وہ مصائب کا خریدار ہوتا ہے۔

۳۔تولیٰ اور تبریٰ

خداوند تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں انسان کے لئے تجارت کا تذکرہ کیا ہے۔

ومن النّاس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللّٰه......(۱)

لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ جو اپنا نفس رضائے خدا کے بدلے بیچ دیتے ہیں یعنی اللہ کے ساتھ معاملہ کر کے اپنا نفس دے دیتے ہیں اور رضائے خدا خریدتے ہیں۔

لہٰذا جنہوں نے رضائے خدا خرید لی تو رضائے خدا کی خاطر اپنے نفس کو طبق اخلاص میں رکھ کر خدا کی راہ میں پیش کر دیتے ہیں، کبھی اگر خوش ہوتے ہیں تو رضائے خدا کے لئے خوش ہوتے ہیں، اگر کوئی غم ہو تو بھی رضائے خدا کی خاطر ہوتا ہے۔ تعلیمات دینی، اخلاقِ اسلامی اور اقدار عاشورا میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر حب رکھنی ہے تو وہ بھی اللہ کے۔ لئے ہونی چاہیے اور اگر بغض رکھنا ہے تو وہ بھی اللہ کی خاطر ہی ہونا چاہیے، یعنی محبت اور نفرت اللہ کیلئے ہونی چاہیے۔

---

(۱)۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۰۷۔

اس لیے کہ جب آپ نے رضائے خدا کی خاطر اپنا نفس بیچ دیا اپنا ارادہ، اپنی خواہش اور اپنی مرضی دے دی، جب سب کچھ رضائے خدا کے لئے ہو گیا تو آپ کی محبت ونفرت بھی رضائے خدا کے لئے ہونی چاہیے۔

جب انسان اپنا نفس بیچ کر رضائے خدا خرید لے اور رضائے خدا کا مالک ہو جائے تو اللہ کی خوشنودی کے لئے محبت بھی کرتا ہے اور نفرت بھی کرتا ہے، لہٰذا رضائے خدا کی خاطر نفرت، جنگ اور جہاد کرتا ہے، اللہ کی خوشنودی کے لئے دشمنیاں مول لیتا ہے، مصائب اور مشکلات سے بھی نمٹتا ہے اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا وجود سراسر فضائل سے بھرا ہوتا ہے، اللہ کے دوست کے دوست ہیں لہٰذا ان سے محبت رکھتے ہیں، اللہ کے دشمن کے سخت دشمن ہوتے ہیں لہٰذا ان سے نفرت اور عداوت رکھتے ہیں۔

تولّیٰ اور تبرّیٰ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، حب وبغض اسی چیز کا نام ہے جس طرح سے خدا نے ہم سے محبت مانگی ہے اسی طرح نفرت بھی مانگی ہے جس طرح معروف پر امر کرنے کا حکم ہے اسی طرح منکر سے نہی کرنے کا بھی حکم ہے جس طرح سے تولّیٰ مانگا ہے اسی طرح سے تبرّیٰ بھی مانگا ہے، جب انسان کے اندر جذبہ محبت اور نفرت بڑھ جائے تو تولّیٰ اور تبرّیٰ بن جاتا ہے۔

تولّیٰ اور تبرّیٰ جب انسان کے عمل میں آجائے تو یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بن جاتا ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جب میدان میں آجائیں تو دشمن کے خلاف جہاد اور جنگ بن جاتی ہے اور دوستوں کے لئے شہادت کا پیغام بن جاتا ہے، تولّیٰ اور تبرّیٰ کل دین ہے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے

وهل الدّين الا الحب...... (۱) کیا دین محبت کے علاوہ اور بھی کوئی چیز ہے؟

۴۔حضرت موسیٰؑ کی سیرت اور تبریٰ

قرآن کریم میں حضرت موسیٰؑ کی سیرت بیان کی گئی ہے، حضرت موسیٰؑ وہ نبی تھے جو خدا کی راہ میں دشمنیاں مول لیتے تھے، جو خدا کی راہ میں ٹکرا جاتے، خدا کی راہ میں اٹھ کھڑے ہوتے حالانکہ حضرت موسیٰؑ کو آسائش کی زندگی مل گئی تھی، شادی کرنے کے بعد حضرت شعیبؑ کے گھر میں زندگی کی تمام سہولیات موجود تھیں لیکن ان ساری سہولتوں کو ٹھکرا کر آئے اور خداوند متعال سے کہا اے خدا! اتنی مدت گزرنے کے بعد اب اس قابل ہو گیا ہوں کہ تیری راہ میں دشمنیاں مول لے سکتا ہوں، تیری راہ میں عداوتیں مول لے سکتا ہوں، تیری راہ میں مصائب جھیلنے کے قابل ہو گیا ہوں مجھے کوئی دشمن بتا کہ تیرے دشمن سے ٹکرا جاؤں تو خدا کی طرف سے امر آیا اے موسیٰؑ اب تم میں فضائل آگئے ہیں اتنی فضیلتیں تم میں آگئیں ہیں کہ اب تم دشمنیاں خریدنے کے قابل ہو گئے ہو لہٰذا جاؤ اور دشمنیاں خریدو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اذهب الى فرعون انه طغى (۲) فرعون کائنات کا سب سے بڑا سرکش وطغیان کرنے والا ہے حضرت موسیٰؑ نے بھی سب سے بڑے طاغوت کی دشمنی خریدی حالانکہ جان چھڑانے کے ہزار راستے تھے یہاں تک کہ اس سفر میں حضرت موسیٰؑ کی زوجہ حاملہ بھی تھیں وہ بچہ جننے کے بھی قریب تھیں تو حضرت موسیٰؑ کیلئے

(۱)۔اصول کافی ج ۸،ص ۷۹۔

(۲)۔سورۃ طٰہٰ آیت ۲۴۔

سب حجتیں تمام تھیں کہ ابھی اولاد بھی ہے، ابھی ان کے لئے کچھ معاش کی بھی فکر کرنی ہے، اپنے اطراف کے لوگ اور ذوی الحقوق کا بھی خیال رکھنا ہے، اپنی جان بھی بچانی ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ساتھ نبرد کی ٹھانی تو اللہ نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا اعجاز دکھایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خوف پیدا ہوا۔

خدا نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! ہمارے مرسل ہماری بارگاہ میں خوف نہیں کھایا کرتے۔ یاموسیٰ لاتخف انّي لا يخاف لدَي المرسلون، (۱) لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اس قابل ہوگئے کہ خدا کی بارگاہ میں آکر کسی دشمن سے نبرد کے لئے تیار ہوجائیں تو خدا نے کائنات کا سب سے بڑا دشمن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھایا حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس کی تلاش میں نکلے، حالانکہ ایک زمانہ ایسا تھا کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں تھا، موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈھونڈ رہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نامی کوئی پیدا نہ ہوجائے وہ میرا دشمن ہے لیکن جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوگئے، جوان ہوکر صاحب فضیلت ہوگئے غیرت اور حمیت ان میں آگئی تو خود فرعون کی تلاش میں نکلے۔

۵۔ وارث موسیٰ علیہ السلام یزیدیت کی تلاش میں

امام حسین علیہ السلام وارث انبیاء علیہم السلام ہیں، زیارتناموں میں یہ مضمون بار بار آیا ہے

السلام عليك يا وارث آدم صفوة الله ......السلام عليك يا وارث موسىٰ كليم الله......

امام حسین علیہ السلام نے انبیاء علیہم السلام سے ارث میں دشمنیاں خریدنا لے لیا، یوں نہیں کہ یزید نے امام حسین علیہ السلام

(۱)۔ سورۂ نمل آیت ۱۰

کو مجبور کر دیا اور مصائب آپ پر ٹھونس دیئے ورنہ مصائب سے جان چھڑانے کے لئے امام حسینؑ کے پاس ہزار راستے موجود تھے اور لوگوں نے بھی آپ کو مختلف مشورے دیئے، کسی نے ہمدردی کے طور پر مشورہ دیا، کسی نے دھوکے اور اپنی دنیاوی غرض کے لئے مشورہ دیا، کسی نے جاہ ومقام کے لئے مشورہ دیا، کسی نے کہا یمن چلے جائیں، کسی نے کچھ کہا، اور کسی نے کچھ......

امام حسینؑ نے سب کے مشورے سنے، حضرت سید الشہداءؑ کو خود بھی معلوم تھا کہ مصائب اور شہادت سے جان چھڑانے کیلئے، اسارت اور ناموس کی دربدری سے بچنے کیلئے بہت سارے راستے موجود ہیں لیکن امام حسینؑ وہ انسان نہیں تھے کہ ان مصائب سے جان بچا کر کسی جگہ پناہ لے لیتے بلکہ امام حسینؑ نے فرمایا: اب وقت آ گیا ہے کہ حسینؑ مصائب کا خریدار بن جائے، خدا کے لئے عداوتیں خریدنا شروع کر دے لہٰذا ان مصائب سے جان چھڑانا مقصود نہیں تھا بلکہ ان کو خریدنا مقصود تھا۔

امام حسینؑ نے خدا سے یہ نہیں چاہا کہ مجھے عافیت، راحت اور آسائش چاہیے، مجھے جان کی حفاظت اور ناموس کی خیریت چاہیے بلکہ امام حسینؑ نے فرمایا کہ اے خدا! یہ جو فضائل تو نے میرے اندر رکھ دیئے کہ مجھے ذمہ دار ترین انسان بنا دیا، مجھے عہدِ امامت کا حامل بنا دیا، مجھے غیرتِ دینی عطا کر دی، مجھے انفاق کا ڈھنگ سکھا دیا، اب مجھے اپنے دشمن بتا کہ میں ان سے جا کر نبرد کروں لہٰذا امام حسینؑ یزیدِ زمانہ کی تلاش میں نکلے یہ جو تاریخ ہمیں بتائی جاتی ہے کہ یزید امام حسینؑ کی تلاش میں تھا لیکن اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو امام حسینؑ یزیدیت کی تلاش میں تھے آپ نے یزیدیت کو اپنے گھیرے میں لے کر اس پر ایسا وار کیا کہ اب قیامت تک جانبر نہ ہو سکے گی

یہ حسینی اقدار کا وار تھا کہ یزیدیت کو ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی سے مٹا دیا، لہٰذا جس انسان کے اندر اقدار حسینی اور یہ فضائل حسینی آجائیں تو وہ انسان دشمنوں سے بھاگتا نہیں بلکہ ان کا پیچھا کرکے ان کی دشمنیاں خریدتا ہے۔

۶۔ تبریٰ حضرت علی علیہ السلام کی سیرت میں

حضرت علی علیہ السلام کی سیرت سب کو معلوم ہے آپ نے خدا کی راہ میں اتنی تلوار چلائی کہ علی علیہ السلام دشمنیاں مول لینے والے انسان بن گئے جیسا کہ دعائے ندبہ میں آیا ہے۔

یحذو حذو الرسول صلّى الله عليهما والهما، ويقاتل على التاويل، ولا تاخذه فى الله لومة لائم، قد وتر فيه صناديد العرب، وقتل ابطالهم، وناوش ذؤبانهم، فاودع قلوبهم، احقادا، بدرية و خيبرية وحنينية وغيرهنّ، فاضبت على عداوته، واكبّت على منابذته، حتىٰ قتل النا كثين، والقاسطين والمارقين ......(۱)

وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر تھے (خدا ان دونوں اوران کی اولاد پر رحمت نازل کرے) وہ تاویل قرآن پر اس شان سے جہاد کرتے تھے کہ اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں تھی ۔انہوں نے اس راہ میں عرب کے سرداروں کو زیر کیا، ان کے بہادروں کو قتل کیا، ان کے بھیڑیوں کو فنا کردیا۔تو ان کے دلوں میں بدر اور خیبر اور حنین وغیرہ کے

(۱)۔ مفاتیح الجنان،ص۹۷۹۔

کینے ذخیرہ ہوگئے اور انھوں نے ان کی عداوت پر اتفاق کر لیا، ان کے مقابلہ پر سر جوڑ کر متحد ہو گئے یہاں تک کہ آپ نے بیعت کو توڑنے والوں، دشمنانِ اسلام کو مقابلہ پر لانے والوں اور دین سے نکل جانے والوں کو قتل کر دیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اللہ کے ساتھ معاملہ کیا تھا، اپنا نفس بیچ کر رضائے خدا خریدی تھی، بچپن میں، جوانی میں، بڑھاپے میں، ہمیشہ ذوالفقار لے کر دشمنوں کا پیچھا کیا، ہمیشہ ان کی تلاش میں رہتے تھے، دشمن کو علی علیہ السلام کی تلاش ہو یا نہ ہو لیکن علی علیہ السلام کو دشمن کی تلاش ضرور ہوتی تھی، آپ نے اپنی سیرت سے بیان فرمایا کہ کون ہے کہ راہِ خدا میں میرے ساتھ دشمنی کرے، کون ہے کہ جو راہِ خدا میں میرے ساتھ جنگ کرے۔ حضرت علی علیہ السلام نے اتنی دشمنیاں کیوں خریدیں، کیا جان چھڑانے کے طریقے حضرت کے پاس موجود نہیں تھے؟ بے شک ہزاروں طریقے موجود تھے لیکن حضرت علی علیہ السلام کے فضائل، علی علیہ السلام کو دشمنوں کے نرغے میں لائے، علی علیہ السلام کی شجاعت، علی علیہ السلام کی غیرت، علی علیہ السلام کی حریت، علی علیہ السلام کی عزت اور عہدِ ذمہ داری نے علی علیہ السلام کو دشمنیاں خریدنے پر اکسایا۔

علی علیہ السلام صاحبِ فضائل تھے اس لئے صاحبِ مصائب بھی بن گئے، غیرت کی راہ میں ہمیشہ مصائب پڑے ہوئے ہیں، شجاع اور غیرتمند وہ لوگ نہیں ہوتے جو عافیت کی گلیوں سے نکل کر گزر جائیں، انفاق کرنے والے وہ نہیں ہوتے کہ جو صرف لینا سیکھ لیں بلکہ انفاق کرنے والے وہ ہوتے ہیں کہ جو لینا بھی سیکھتے ہیں اور پھر اس میں سے دینا بھی سیکھتے ہیں۔

۷۔ مصائب سے جان چھڑانے والے

حضرت امام حسین علیہ السلام نے سکھادیا کہ مصائب کا راستہ فضائل کی گلی سے گزر کر جاتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام کے فضائل نے انھیں گھر بیٹھنے نہیں دیا، ان کی عالی اقدار نے ان سے چین چھین لیا، لہٰذا امام حسین علیہ السلام پر مصائب نازل ہوئے جوان کی غیرت، شجاعت، حریت، تعہد اور احساسِ ذمہ داری جیسی صفتوں کی وجہ سے نازل ہوئے، اس زمانے میں بلکہ بہت سارے زمانوں میں یہ معروف سمجھا جاتا تھا کہ جتنا ہو سکے مصائب، مسائل اور جھگڑوں سے دور رہنا چاہیے، مشکلات، خطرات اور دشمنیوں سے جان چھڑانی چاہیے، لیکن مصائب اور مشکلات کو پشت دکھانے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان میں کوئی بھی فضیلت نہ ہو، غیرت، شجاعت، انفاق اور احساسِ ذمہ داری جیسی صفات نہ ہوں۔

کسی بھی انسان میں یہ عالی صفات نہ ہوں، وہ مصائب اور مشکلات سے بچ سکتا ہے، وہ دشمنیوں کے خریدنے سے بچ سکتا ہے، اگر انسان چاہے کہ مصائب کا سامنا کرنا نہ پڑے تو پھر آسان راستہ یہی ہے کہ اپنے وجود کو تمام فضیلتوں سے خالی کردے جہاں فضائل نہ ہوں وہاں مصائب نہیں ہوتے، مصائب سے جان چھڑانے والے حقیقت میں فضائل سے عاری لوگ ہوتے ہیں اس لیے کہ فضائل اور مصائب کا آپس میں گہرا رابطہ ہے۔

۸۔ فضائل کے آثار

ائمہ معصومین علیہم السلام نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب اہل بیت علیہم السلام کا ذکر کرنا چاہیں تو فضائل اور مصائب

دونوں کوذکر کریں اس لیے کہ فضائل اہل بیت علیہم السلام اور مصائب اہل بیت علیہم السلام کا آپس میں بڑا گہرا ربط ہے جواس ربط کو سمجھ گیا وہی حسینی ہوجائے گا، ورنہ فضیلتیں سننے سے نہ تو انسان فضائل کی حقیقت سمجھ سکے گا اور نہ ہی مصائب کی حقیقت سمجھ سکے گا، فضائل وہ قصے اور کہانیاں، روایات اور افسانے نہیں ہیں کہ جوآج کل ہمارے منبروں پر بیان کیے جاتے ہیں اگر فضائل حسین بن علی علیہ السلام سننے ہیں تو آئیں خود حسین بن علی علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے سنیں، امیر المومنین علیہ السلام کے فضائل خود علی علیہ السلام کی مبارک زبان سے سنیں بلکہ فضائل تو وہ ہیں کہ جن کے بتانے کی ضرورت ہی نہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے" یعنی جادو اپنا پتہ خود بتاتا ہے۔

مشک آن است که خود ببوید ، نه این که عطار گوید یعنی مشک وہ ہے جو اپنا پتہ بتادے، عطر وہ ہوتا ہے کہ جہاں پڑا ہوا ہو وہ خود بتادے کہ عطر یہاں پڑا ہوا ہے، نہ یہ کہ عطار اور پنساری کو اس کی تعریف کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو فضیلتیں وہ نہیں ہوتیں کہ جن کو تقریروں سے بیان کرنے کی ضرورت پڑ جائے بلکہ فضیلتیں خود اپنا اثر دکھا دیتی ہیں، آثار سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں پر فلاں فضیلت ہے اور جہاں کوئی اثر ظاہر نہ ہو تو معلوم ہوتا ہے یہ فضیلت یہاں نہیں ہے۔ چونکہ اس فضیلت کا کوئی اثر یہاں ظاہر نہ ہوسکا۔

۹۔ فضائل کو اپنے محل سے ہٹانے کی گھناؤنی کوشش

تاریخ میں ایک بڑی گھناؤنی کوشش کے ذریعہ تحریف کی گئی، وہ یہ کہ فضائل کو جا بجا کیا گیا، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام اور اپنے اہل بیت علیہم السلام کے متعلق جو فضائل بیان کیے تھے لوگوں

نے ان فضائل کو اپنی جگہ سے ہٹا کر کسی اور محل میں جا کر رکھ دیا لیکن پھر بھی فضائل چونکہ اپنا اثر خود دکھاتے ہیں، اس لئے یہ کوشش بری طرح سے ناکام ہوگئی۔

اہلسنت کے مشہور مورخ ابن اثیر کا کہنا ہے، کیا کہنے علی بن ابی طالب علیہ السلام کے، کہ جن کی فضیلتوں کو دشمنوں نے دشمنی کی وجہ سے اور دوستوں نے خوف کی وجہ سے چھپایا لیکن پھر بھی آج کائنات میں جہاں بھی نگاہ کریں فضائل علی بن ابی طالب علیہ السلام نظر آتے ہیں۔

لیکن وہ فیکٹریاں جنہوں نے یہ کوشش کی تھی کہ فضائل علی علیہ السلام کو کسی اور کی طرف منسوب کردیں، اس مہم میں کتنا مال خرچ کیا گیا، کتنی رقم اور طاقت خرچ کی گئی لیکن پھر بھی یہ ساری کوششیں ناکام رہ گئیں اس لیے کہ فضیلتیں بیان کرنے سے ثابت نہیں ہوتیں، کتابیں لکھنے اور تقریروں سے ثابت نہیں ہوتیں، من گھڑت روایات سے فضائل ثابت نہیں ہوتے بلکہ فضیلتیں اپنا پتہ خود دیتی ہیں جہاں فضائل ہوں گے وہاں پر ان کے آثار بھی ہوں گے۔

فضیلتوں کا ایک اثر یہ ہے کہ جہاں فضائل ہوں گے وہاں مصائب بھی ہوں گے جنہوں نے مصائب نہیں خریدے، جو مشکلات اور خطرات سے نہیں نمٹے، معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوئی فضیلت نہیں تھی۔

ابن ابی الحدید المعتزلی لکھتے ہیں: ما اقول فی رجل أقر له اعداوه و خصومه بالفضل، ولم یمکنهم جحد مناقبه، ولا کتمان فضائله، فقد علمت انه استولی بنو امیه علی سلطان الأسلام فی شرق الارض وغربها، واجتهدوا بکل حیلة فی أطفاء نوره، والتحریض علیه، ووضع المعایب والمثالب له، ولعنوه علی جمیع المنابر، وتوعدوا

فضائل کو اپنے محل سے ہٹانے کی گھناؤنی کوشش

مادحیه، بل حبسوهم وقتلوهم، ومنعوا من روایة حدیث یتضمن له فضیلة، او یرفع له ذکرا حتی حظروا ان یسمی أحد باسمه فما زاده، ذالك الّا رفعة وسموّاً، کان کالمسك کلما سُتر انتشر عرفه، و کلما کُتم تضوّع نشره، و کا الشمس ولا تُستر بالراح، و کضوء النهار، ان حجبت عنه عین واحدة أدرکته عیون کثیره (۱)

حضرت علی علیہ السلام کے متعلق کیا کہنا جبکہ آپ کے سرسخت دشمنوں نے بھی آپ کی فضیلتوں کا اقرار کیا، آپ کے فضائل اور مناقب کا انکار نہ کر سکے۔ حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ بنی امیہ مشرق سے لیکر مغرب تک ساری اسلامی سرزمین کی سلطنتوں پر قابض ہو گئے، انھوں نے آپ کے نور کو بجھانے کیلئے ہر ممکن کوشش کی، لوگوں کو آپ کے خلاف اکسایا، آپ کے خلاف عیب جوئی اور مطالب جعل کیے، تمام منبروں پر آپ کو مورد لعن وطعن قرار دیا، آپ کی مدح کرنے والوں کو دھمکیاں دیں بلکہ انھیں گرفتار کر کے قتل کیا۔ بنی امیہ نے لوگوں کو ان احادیث کے نقل کرنے سے منع کیا جو آپ کے فضائل پر مشتمل تھیں یا جن سے آپ کا ذکر بلند ہوتا، یہاں تک کہ علی علیہ السلام کا نام رکھنے سے لوگوں کو منع کیا اس سب کچھ کے باوجود آپ کا مقام و مرتبہ بلند رہا گویا آپ کی مثال مشک جیسی ہے کہ جتنا اسے چھپائیں اتنا ہی اسکی خوشبو پھیل جاتی ہے، جتنا اس کو دبائیں اتنی ہی پھیل جاتی آپ کی مثال سورج جیسی ہے کہ جس کو ہاتھ کی ہتھیلی سے نہیں چھپایا جا سکتا، آپ روز روشن کی مانند ہیں اگر ایک آنکھ کے سامنے پردہ آجائے تو بہت سی آنکھیں اسے دیکھتی ہیں۔





(۱)۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱، ص۱۶، ۱۷۔

فخر رازی نے تفسیر کبیر میں اس مسئلہ کے ذیل میں کہ آیا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نماز میں بلند آواز سے پڑھنا چاہیے یا آہستہ؟ لکھا ہے۔

ان علیاً علیہ السلام کان یبالغ فی الجهر بالتسمية فلما وصلت الدولة الی بني امية ، بالغوا فی المنع من الجهر ، سعیاً فی ابطال آثار علی علیہ السلام......انّ الدّ لا ئل النقلية موافقة لنا، وعمل علی ابن ابی طالب علیہ السلام معنا ، من اتخذ علیاً اماما لدینه فقد استمسك بالعروة الوثقیٰ فی دینه و نفسه (۱) حضرت علی علیہ السلام نماز میں ہمیشہ سے بسم اللہ بلند آواز کے ساتھ پڑھتے تھے اور اس پر زیادہ تاکید بھی فرمایا کرتے تھے لیکن حکومت بنی امیہ کے ہاتھ میں آگئی تو انھوں نے بسم اللہ کو بلند آواز کے ساتھ پڑھنے سے سختی سے منع کر دیا اس لیے کہ بنی امیہ نے حضرت علی علیہ السلام کے آثار کو مٹانے کے لئے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا...... عقلی دلائل ہمارے موافق ہیں جبکہ علی علیہ السلام کا عمل بھی ہمارے ساتھ ہے، جس نے بھی علی علیہ السلام کو اپنے دین میں امام قرار دیا تو اس نے اپنے دین اور نفس میں اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھاما۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے متعلق فرمایا: انا مدينة العلم وعلی بابها (۲) میں علم کا شہر ہوں اور علی علیہ السلام اس کا دروازہ ہیں، دوسروں نے آکر کہا یہ فضیلت علی علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی ہے کہ فلاں اس کی چھت، فلاں اس شہر کا روشندان ہے، فلاں اس علم کے شہر کی کھڑکی ہے، اگر علی علیہ السلام اس کا دروازہ ہیں تو دوسرے بھی علم کے شہر کے دوسرے اجزاء ہیں۔

---

(۱)۔ شرح منظومة، ج۱، ص۴۸ تعلیقہ حسن زادہ آملی۔

(۲)۔ وسائل الشیعہ، حر عاملی، ج۲۷، ص۳۴، باب۵۔

تم ہزار روایتیں لکھتے رہو، بڑے بڑے اشتہار چھپاتے رہو۔ حضرت علامہ، حضرت آیت اللہ کہتے رہو عناوین اور القابات دیتے رہو لیکن اگر علم اپنا اثر نہ دکھائے تو ہرگز ثابت نہیں ہوگا

لہٰذا کسی کے فضائل کو ماننے یا نہ ماننے کا ضابطہ یہی ہے کہ اگر اثر ظاہر ہو تو مان لیں گے لیکن جہاں پر فضیلت کا اثر ظاہر نہ ہو ہم کیسے مان سکتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل بیت علیہم السلام کے فضائل بیان کیے، تو فضائل نے بھی اپنا پتہ بتا دیا، ان کی ذات میں فضائل بھی کھل کر سامنے آگئے اہل بیت علیہم السلام کے فضائل کے آثار میں سے ایک اثر، مصائب کا نزول ہے، اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو مصائب نازل ہوئے دنیا میں کسی پر بھی ایسے مصائب نہیں آئے ہیں۔

۱۰۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے فضائل اور مصائب

حضرت سیدۃ سلام اللہ علیہا کیلئے روایات میں جو اتنا بلند مقام ذکر کیا گیا ہے، کیا یہ صرف روایتوں کی حد تک ہے یا آپ کے فضائل نے اپنا پتہ خود دیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی، امیر المومنین علیہ السلام کی زوجہ، حسین علیہ السلام کی ماں ہونے کے باوجود، اتنا بلند و بالا مقام و احترام رکھنے کے باوجود، آپ کے فضائل نے آپ کو خریدارِ مصائب بنا دیا۔

جب بھی ولایت پر حرف آیا، جب بھی لوگوں نے ولایت کو ماننے سے انکار کیا تو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے فضائل سامنے آگئے، تن تنہا میدان میں آگئیں اور وہ سارے مصائب خرید لیے، حالانکہ اس وقت مدینہ میں بڑے نامور لوگ موجود تھے، جن کے بارے میں بڑی بڑی روایات تھیں،

لیکن جب مصائب خریدنے کی باری آئی تو ان میں سے کسی نے بھی مصائب نہیں خریدے۔

حضرت علی علیہ السلام کو تنہا چھوڑ دیا، سارے بافضیلت لوگ پیچھے ہٹ گئے، فقط ایک خاتون میدان میں آئیں، یہ بتانے کیلئے کہ فضائل کا مقام کہاں ہوتا ہے۔ بافضیلت لوگ کون ہیں؟ وہ جن کے بارے میں فقط فضائل کے الفاظ ذکر کیے گئے تھے، انہوں نے اپنے دروازوں کو بند کر کے اندر سے تالے لگا دیئے۔

حالات ایسے ہیں، مصلحت نہیں ہے، نوکریاں خطرے میں ہیں، اولاد اور ازدواج کے مسائل ہیں یہ سارے بہانے کر کے اندر بیٹھ گئے یہ فقط بہانے ہی نہیں تھے بلکہ اپنے عمل سے یہ بتانا چاہتے تھے کہ جو کچھ ہمارے لئے کہا گیا ہے یہ لوگوں نے گھڑ لیا ہے، یہ صداقت نہیں رکھتا، ہمارے اندر کوئی فضیلت نہیں اگر فضیلت ہوتی تو ہم بھی میدان میں نکل آتے۔

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے ثابت کر دیا کہ یہ جو تم نے میری فضیلت کے متعلق روایات سنی ہیں یہ نہیں کہ میں ان روایات کی وجہ سے صاحب فضیلت خاتون بن گئی بلکہ یہ روایات اور جملے تو میرے فضائل کی حکایت کرتے ہیں اگر میرے فضائل کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہے تو یہاں آ کے دیکھو! کہ فضائل نے لا کر میدانِ مصائب میں کھڑا کر دیا اور پھر اتنے مصائب خریدے خود فرماتی ہیں:

صبّت علیّ مصائبٌ لو انّها صبّت علی الایّام صرن لیا لیا (۱)

اتنے مصائب مجھ پر ڈھائے گئے کہ اگر یہ روشن دنوں پر ڈھائے جاتے تو یہ دن تاریک راتوں میں

(۱)۔ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا بهجة قلب المصطفی ج۱، ص۱۳۲۔ تالیف احمد رحمانی ھمدانی، اس شعر کا پہلا مصرعہ یہ ہے:

قل للمغیّب تحت الطباق اثریٰ ان کنتَ تسمع صرختی و ندائیا!

بدل جاتے ۔اے بی بی! اتنے مصائب آپ پر کیوں نازل ہوئے؟

اس لیے کہ جناب زہرا سلام اللہ علیہا بڑی بافضیلت بی بی تھیں، پوری کائنات میں سب سے زیادہ مصائب آپ پر نازل ہوئے اس لیے کہ کائنات میں اس بی بی کے علاوہ کسی خاتون کو اتنی فضیلتیں نہیں ملیں جو اس بی بی کو ملی ہیں آپ سیدۃ نساء العالمین سلام اللہ علیہا ہیں۔

۱۱۔ مصائب پر شکر

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی پاک سیرت سے یہ ثابت کردیا کہ مصائب سے نہ کترانا، مصائب سے نہ بھاگنا، اگر مصائب سے بھاگے تو فضائل سے بھی خالی ہو جاؤ گے جو فضیلتوں سے خالی ہو گیا وہ رذیل، اوباش، بزدل اور غیر ذمہ دار انسان ہوتا ہے لہذا مصائب کو برداشت کرنے کیلئے خدا نے تمہیں فضائل کی متاع دی ہے ان فضائل کے طفیل تم سارے کے سارے مصائب اپنے اوپر لاگو کرو، ان سارے مصائب کو اپنے فضائل کی خاطر برداشت کرو لہذا امام حسین علیہ السلام نے میدانِ کربلا میں ایک مرتبہ بھی گلہ اور شکوہ نہیں کیا کہ خدایا! یہ اتنے بڑے بڑے مصائب مجھ پر ڈھائے جا رہے ہیں اے کاش! یہ مصائب نازل نہ ہوتے بلکہ ان مصائب کے بدلے خدا کی بارگاہ میں شکرادا کیا۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے سب سے زیادہ شکر، ان مصائب پر ادا کیا آپ سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

اللّٰھمّ تقبّل منّا ھذا القربان (۱) اے ہمارے پروردگار ہم سے یہ قربانی قبول کرلے۔

---

(۱)۔ شجرہ طوبیٰ ج۲، ص۳۹۳۔

بی بی زینب سلام اللہ علیہا نے ان مصائب پر شکر ادا کیا، اس لیے کہ آپ کو تو مصائب کا فضائل سے رابطہ معلوم تھا، آپ جانتی تھیں کہ ان مصائب کو خدا نے ہمارے لیے منتخب کیا چونکہ خدا نے ہمیں فضائل کے لئے چنا تھا، پوری کائنات میں ہمیں منتخب کر کے ساری فضیلتیں ہمیں دے دیں تو پھر پوری کائنات کے مصائب کو بھی ہمارے اوپر ہی آنا چاہیے، اس لیے کہ فضائل کا راستہ عافیت کا راستہ نہیں ہے۔

۱۲۔ امام حسین علیہ السلام اسوۂ فضائل اور مصائب

امام حسین علیہ السلام نے صبح عاشور کو جو خطبہ دیا اس میں فرمایا: لکم فيّ اسوة (۱) میری ذات تمہارے لئے نمونہ اور اسوہ ہے بس مجھے دیکھتے رہو جو کچھ میں کرتا جاؤں، وہی کر کے دکھاؤ امام حسین علیہ السلام کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ اقدارِ عاشورائی اور اقدارِ حسینی سے بھری پڑی ہے۔ اگر امام حسین علیہ السلام کو اپنا اسوہ بنانا ہے تو یوں نہیں کہ فقط نامِ امام حسین علیہ السلام زبان پر لے آنے سے امام حسین علیہ السلام ہمارے لیے اسوہ بن جائیں گے، امام حسین علیہ السلام کو اپنے لیے اسوہ بنانے کیلئے مصائب کی راہ کو انتخاب کرنا ہوگا، امام حسین علیہ السلام کی راہ پر چلنا ہوگا، وہی راستہ کہ جو مصائب کی گلیوں سے گزر

---

(۱)۔ امام حسین علیہ السلام جب مقام البیضہ پر پہنچے تو اپنے اصحاب اور حر بن یزید ریاحی کے اصحاب کو خطبہ دیا، آپ نے فرمایا:
......فانا الحسین بن علی وابن فاطمه بنت رسول الله، نفسي مع انفسکم، واهلي مع اهليكم، فلكم فيّ اسوة......
موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۳۶۱۔

ص ۳۷۷، پر کوفہ کے اشراف، سلیمان بن صرد خزاعی کے نام خط میں فرماتے ہیں ......ونفسي مع انفسکم، واهلي وولدي مع اهليكم و اولادكم فلكم في اسوة ......یہ خط امام حسین علیہ السلام نے کربلا پہنچ کر بھیجا ہے۔

کرفضائل کی وادیوں میں جا پہنچتا ہے اس لیے کہ امام حسین علیہ السلام عاشورا کے دن، مصائب کے دن، مصائب کی سرزمین کربلا میں، مصائب کے میدان میں کھڑے ہو کر فرما رہے ہیں:

لکم فيّ اسوۃ مصائب کے میدان میں کھڑے ہوئے انسان کو اسوۃ بنانے کیلیے، مصائب اور مشکلات کا ایسا میدان منتخب کرنا ہوگا کہ جس میں تمہارا بھی وہی حشر ہو جائے کہ جو حسین بن علی علیہما السلام کے ساتھ ہوا، مصائب کے میدان میں جانے سے پہلے اپنے آپ کو فضائل سے آراستہ کرنا ہوگا ورنہ اگر کوئی فضائل کی دنیا کو چھوڑ کر، رذائل اور منکرات کی دنیا میں چلا جائے تو کوئی بھی مصیبت اس پر نازل نہیں ہوگی۔ فضائل کی وادیوں تک پہنچنے کیلیے مصائب کو خریدنا ہوگا۔





۱۳۔ ہر روز روزِ عاشورا اور ہر زمین زمین کربلا

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ میری ذات تمہارے لئے نمونہ ہے تو یہ نمونہ اس وقت بنے گا کہ جب اقدارِ حسینی، اقدار عاشورائی ہمارے اندر بھی آ جائیں جب یہ اقدار کسی کے اندر پیدا ہو جائیں تو پھر اس کا مضمون روشن ہو جائے گا۔

کل ارض کربلا و کل یوم عاشورا ہر زمین کربلا اور ہر دن عاشور کا دن ہے۔

کربلا کی زمین، فقط کربلا کا نام رکھنے سے نہیں بنتی، عاشور کا دن بھی صرف عاشور کہہ دینے سے عاشور نہیں بنتا، عاشور کا دن، صرف روزِ عاشور کی یاد منانے سے نہیں بنتا بلکہ عاشور کو عاشور بنانا ہوگا۔

دیکھیے! ہم جو عاشور و اربعین مناتے ہیں تو ہم فقط عاشور کی یاد مناتے ہیں ہم چہلم کو روز چالیسواں مناتے ہیں کیا ہمیں صرف اتنا کہا گیا کہ تم عاشور کی برسی مناؤ، امام حسین علیہ السلام کی برسی اور

چالیسواں مناؤ، جس طرح ہم دوسرے مرحومین کی برسیاں مناتے ہیں کہ مرحوم کی یاد تازہ ہو جائے، اس کے نام پر ذرا ذکر ہو جائے پھر سال بھر وہ الگ ہو جائے اور ہم اپنا کام شروع کر دیں۔

بلکہ ہمیں کہا گیا ہے کہ ہر روز روزِ عاشور ہے، تم ہر دن عاشور بنا سکتے ہو، تم ہر سرزمین کربلا بنا سکتے ہو، تو ہر دن کو عاشور کس طرح بنایا جا سکتا ہے، ہر سرزمین کو مصائب کا میدان کس طرح بنایا جا سکتا ہے؟ اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ ہم اقدارِ حسینی کو اپنے اندر زندہ کریں جس دن بھی یہ اقدار ہمارے اندر زندہ ہو گئیں، وہی دن عاشور کا دن ہے جس زمین پر بھی یہ اقدار زندہ ہو جائیں وہ زمین کربلا بن جائیگی ورنہ اقدار اپنائے بغیر اگر تم امام حسین علیہ السلام کے نام لیوا بن گئے، محرم کی مجالس عزا میں شامل ہو گئے، اس کو برسی تو کہہ سکتے ہیں لیکن یہ تمہارا عاشور نہیں ہو سکتا چونکہ عاشور میدانِ مصائب کا نام ہے اگر تمہارے اوپر مصائب نازل نہیں ہو رہے ہیں تو تمہارے فضائل اور اقدار میں کمی واقع ہوئی ہے لہٰذا مصائب کو پشت دکھانے والا کبھی بھی امام حسین علیہ السلام کی اقدار پر عمل نہیں کر رہا ہوتا، اگر ہر دن عاشور بنانا ہے تو امام حسین علیہ السلام نے اس کا نسخہ لکھ کر دے دیا ہے وہ یہ ہے کہ تم دسویں محرم کے انتظار میں نہ رہو یہ نہ کہو کہ اس پوری زمین پر فقط ایک ہی کربلا کی زمین ہے بلکہ جس دن کو تم چاہو تو عاشور بنا سکتے ہو اور جس سرزمین کو چاہو تو کربلا بنا سکتے ہو یہ تو سب کو معلوم ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے جانے سے پہلے بھی کربلا کی سرزمین موجود تھی وہ صحرا پہلے سے بھی موجود تھا اسی طرح امام حسین علیہ السلام کی قربانی سے پہلے بھی دس محرم کا دن آتا تھا لیکن امام حسین علیہ السلام نے اس صحرا کو آ کر کربلا اور دسویں محرم کو عاشور بنا دیا یعنی دس محرم کو اس سرزمین پر الٰہی اقدار کو زندہ کیا اگر ہمارے اندر فضائل حسینی آ جائیں اگر ہم بھی ان الٰہی اقدار کو اپنے اندر زندہ کر دیں تو جس سرزمین پر بھی ہوں وہ سرزمین کربلا بن جائے گی اور جس دن یہ اقدار زندہ کر دیں وہ دن عاشور کا دن ہو جائیگا۔

ہر روز روز عاشور اور ہر زمین زمین کربلا

۱۴۔ عاشور یوم اللہ ہے

یزیدیوں نے کوشش کی کہ عاشور یزیدی بن جائے، بنی امیہ کا دن بن جائے ذرا تاریخ اٹھا کے دیکھیں انھوں نے عاشور کے بہت سے آداب ذکر کیے ہیں، عاشور کے دن یہ کام ہونا چاہیے وہ کام ہونا چاہیے، عاشور کے دن جشن منانا چاہیے، مٹھایاں تقسیم ہونی چاہئیں، نیا لباس پہننا چاہیے، یہاں تک کہ عاشور کے دن روزہ رکھنا چاہیے، روایات میں بھی آیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے پہلے عاشور کے دن کا روزہ مستحب تھا لیکن بنی امیہ نے اس دن اپنی فتح ونصرت کے شکرانے کے طور پر روزہ رکھا لہٰذا مومنین کو چاہیے کہ اس دن کو روزہ نہ رکھیں، صرف فاقہ پر اکتفا کریں، بنی امیہ نے اس دن کو عید کے طور پر متعارف کرانے کی کوشش کی۔

انھوں نے کچھ اعمال متعارف کرائے، عاشور کے دن یہ کام ہونا چاہیے، عاشور کو جشن منانا چاہیے، وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اگر اس دن کو عید کے طور پر لوگوں میں متعارف کرایا جائے تو یہ دن یزیدی ہو جائے گا، یہ دن بنی امیہ کا دن ہو جائیگا لیکن امام حسین علیہ السلام نے چاہا کہ عاشور کو یوم اللہ بنائیں لہٰذا آپ نے عاشور کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یوم اللہ بنا کر عاشورائے حسینی کی صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کر دیا، کربلا کی سرزمین کو ہمیشہ کیلئے کربلائے حسینی بنا دیا، اس لیے کہ اس دن آپ نے الٰہی اقدار کو زندہ کیا، جس کی وجہ سے عاشور یوم اللہ بن گیا لہٰذا آج بھی عاشور کا دن اور کربلا کا نام ذہن میں آجائے تو ساتھ امام حسین علیہ السلام کا نام بھی آجاتا ہے اس لیے کہ اس دن میں امام حسین علیہ السلام نے وہ الٰہی اقدار اجاگر کیں کہ جب تک وہ اقدار زندہ رہیں گی، عاشورائے حسینی زندہ رہے گا، عاشور یوم اللہ رہے گا۔ عاشور مصائب کا دن ہے، چونکہ مصائب ہمیشہ فضائل کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں پس عاشورا فضائل کا دن بھی ہے یعنی اپنے اندر فضائل حسینی اور اقدار الٰہی کو پیدا

کرنے کا دن ہے، جب فضائل تمہارے اندر آ گئے، پھر مصائب خود تمہارے پیچھے آجائیں گے، اگر مصائب نہ آئے تو خود ان کے پیچھے جاؤ گے، تم راہِ خدا میں مصائب تلاش کرنا شروع کردو گے۔

فضائل کی وجہ سے انسان میں مصائب کو برداشت کرنے کی استقامت اور قوت آجاتی ہے جن میں فضائل نہ ہوں، اگر کہیں مصائب سے دوچار ہونا پڑے تو واویلا شروع کردیتے ہیں، اپنا راستہ بھول جاتے ہیں، اپنے آپ کو بھی بھول جاتے ہیں اور اپنے خدا کو بھی بھول جاتے ہیں، عاشور کے دن عظیم مصائب جو امام حسین علیہ السلام پر نازل ہوئے یہ عظیم فضائل کی حکایت کرتے ہیں۔

عاشور امام حسین علیہ السلام کا دن ہے چونکہ امام حسن علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

لا یوم کیومک یا اباعبداللّٰہ (۱) اے اباعبداللہ علیہ السلام! تمہارے دن جیسا کوئی دن نہیں۔

(۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۲۱۷۔

ایثار

دسویں قدر

۱۔ایثار عاشورائی قدر

۲۔ایثار کے معنی

۳۔ایثار قرآن کی نظر میں

۴۔ایثار معصومین علیہم السلام کے کلام میں

۵۔شہداء احد ایثار کے پیکر

۶۔اہل بیت علیہم السلام ایثار کے اعلی نمونے

۷۔امام سجاد علیہ السلام اسوۂ ایثار

۸۔حضرت امام صادق علیہ السلام معلم ایثار

۹۔کربلا معراج ایثار

الف۔اصحاب امام حسین علیہ السلام مظہر ایثار

ب۔بنی ہاشم اسوۂ ایثار

۱۔ ایثار عاشورائی قدر

حضرت امام حسین علیہ السلام نے عاشور کے دن معرکہ حق و باطل میں جن عظیم اقدار انسانی کو دوبارہ زندہ کر کے بشریت کو ان کی تعلیم دی، اپنے اصحاب و انصار سے ان پر عمل کروایا خود بھی ان پر عمل پیرا ہوئے، بنی ہاشم کو ان کی ترغیب دلائی اور لشکر اشقیاء میں یہ اعلان کیا کہ اگر ان انسانی خصلتوں اور انسانی صفات کے پیکر دیکھنے ہیں اور خدائی صفات کے مظہر اور حسینی خصائل کے مجموعے دیکھنے ہیں تو وہ اس لشکر حسینی میں ہیں۔

اگرچہ تعداد کے لحاظ سے یہ لشکر بہت ہی کم تھا، کمیت کے اعتبار سے انگشت شمار تھا، لیکن کیفیت کے اعتبار سے انسانی قدروں اور انسانی خصائل کے لحاظ سے یہ لشکر کروڑوں، اربوں انسانوں پر بھاری تھا اس لیے کہ ان میں جو صفات، خصائل اور اوصاف پائے جاتے تھے، ان میں سے ہر صفت ہزاروں انسانوں پر بھاری تھی لہٰذا نتیجہ بھی یہی نکلا کہ فوج حسینی میں سے جب ایک بوڑھا مجاہد، مددِ حسین علیہ السلام کو نکلتا اور لشکر اشقیاء میں جا کر شمشیر چلاتا تو وہاں پر لاشوں کے پشتے لگا دیتا، حبیب ابن مظاہر رضی اللہ عنہ جیسا نوے سال کا بوڑھا، اقدار کا جنگجو، ایثار کا پیکر اور فداکاری کا نمونہ جب اشقیاء کے لشکر کے سامنے جا کر ظاہر ہوا تو دشمنوں نے راہِ فرار اختیار کر لی درحالیکہ بوڑھا صحابی، نہ تو شمشیر اٹھانے کے قابل ہے، نہ گھوڑا دوڑانے کے قابل ہے، نہ سپر اٹھانے کے قابل ہے، نہ نیزہ تھامنے کے قابل ہے، نہ ہی تیر روکنے کے قابل ہے اور نہ ہی تیر پھینکنے کے قابل ہے لیکن ایثار اور فداکاری نے اسے ایسی وجاہت، شرافت اور شجاعت عطا کی تھی، اس کو ایسا رعب و دبدبہ عطا کیا تھا کہ اس کی موجودگی وہاں پر لشکر اشقیاء کیلئے ہر تیر سے زیادہ مہلک تھی، ہر شمشیر سے زیادہ تیز کاٹتی تھی۔

سید الشہداء علیہ السلام اپنے انصار کو ورغلا کر نہیں لے گئے تھے کسی کو 'کوفہ' اور 'رے' کی حکومتوں کا وعدہ نہیں دیا تھا، کسی کو شامات وتامات کے خراج کا وعدہ نہیں دیا تھا بلکہ چلتے ہی سب کو یہ بتا دیا تھا کہ آؤ اگر دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس لشکر سعادت میں شامل ہو جاؤ یہاں پر آپ کی جان تو چلی جائے گی، آپ کا سر تو کٹ جائے گا، یہاں پر آپ کو اس دنیا کی بہت ساری چیزوں سے محروم ہونا پڑے گا لیکن ساری خدائی صفات، ساری دینی اقدار آپ کے پیکر میں آجائیں گی آپ رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے نمونہ اور اسوہ بن جاؤ گے، لوگ آپ کو دیکھ کر، اپنے آپ کو آپ کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں گے۔

لیکن یہ لشکر اشقیاء جو ہزاروں کی تعداد پر مشتمل ہے چونکہ منفی اقدار کا حامل ہے یہ شیطانی صفات کا مالک ہے، تا قیامت بشریت کے لئے قابل نفرت بن جائے گا اور ہر فرد اس لشکر کے تمام افراد پر لعنت بھیجتا رہے گا۔

ایثار عاشورائی قدر

ان عالی اقدار میں سے ایثار اور فداکاری ایسی صفت تھی جو سید الشہداء علیہ السلام کے لشکر کے فرد فرد میں موجود تھی لہٰذا ایثار کا سب سے اعلیٰ نمونہ شہداء کربلا نے اپنے خون سے قائم کر دیا، محرم کی دوسری تاریخ کو یہ لشکر کربلا میں وارد ہوتا ہے، اس وقت سے لیکر عصر عاشور تک جب اس لشکر حسینی کا سپہ سالار بھی شہید ہو جاتا ہے تو جگہ جگہ، قدم قدم پر ایثار کے ایسے نمونے سامنے آتے ہیں جو کسی بھی اور مقام پر نظر نہیں آتے، حقیقتاً! ایثار، عاشورائی قدر ہے۔

۲۔ ایثار کے معنی

ایثار انسانی اقدار میں ایک بہت ہی بڑی قدر ہے، ایثار کا مقام اور مرتبہ نہایت بلند ہے ایثار سخاوت کا سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے اگر چہ خود ایثار کے بھی مراتب اور درجات ہیں، ایثار کا سب سے عالی درجہ اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا ہے۔

لہٰذا ایثار کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی ضرورت کے باوجود دوسروں کی ضرورت کو پورا کرے، اپنی ضرورت سے چشم پوشی کر کے دوسروں کو اپنے آپ پر مقدم کرے، جہاں پر خیر ملتی ہو، جہاں پر کوئی اچھائی اور فائدہ مل رہا ہو تو انسان ایک قدم پیچھے ہٹ جائے اور دوسرے کو اپنے آپ پر مقدم کرے لیکن جب برائیاں آرہی ہوں، جب آفتیں اور مصائب نازل ہو رہے ہوں یعنی جب نقصان کا مرحلہ ہو تو وہاں پر دوسرے کو پیچھے کر کے خود آگے ہو جائے۔

جیسا کہ مجموعہ ورام میں آیا ہے: اعلم انّ السّخاء والبخل کلّ واحدٍ ینقسم الی درجاتٍ، فارفع درجات السخاء الایثار، وهو ان یجود بالمال مع الحاجة الیه، وامّا السّخاء عبارةٌ عن بذل مالٍ یحتاج الیه لمحتاج اولغیر محتاج والبذل مع الحاجة اشدّ...... (۱) سخاوت اور کنجوسی دونوں کے درجات ہیں، سخاوت کا سب سے بڑا درجہ ایثار ہے، ایثار یہ ہے کہ اپنی ضرورت اور احتیاج کے باوجود دوسروں کو اپنا مال دے دیں جبکہ سخاوت سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنا وہ مال دوسرے کو دے دے جس کی ضرورت اس کو نہ ہو، حالانکہ ضرورت و احتیاج کے ہوتے ہوئے بذل و بخشش کرنا سخت ہے۔

---

(۱)۔ مجموعہ ورام ج۱، ص۱۷۲۔

اسی طرح ابن ابی الحدید معتزلی لکھتے ہیں فالسّخاء هو الرتبه الأولیٰ والجود بعده، ثم الایثار، فمن اعطیٰ البعض وابقیٰ البعض فهو صاحب السّخاء ومن اعطی الاکثر وابقیٰ لنفسه شیئاً فهو صاحب الجود، والذی قاسی الضراء وآثر غیره بالبلغة فهو صاحب الایثار (۱) سخاوت پہلا مرتبہ ہے اس کے بعد جود ہے پھر اس کے بعد ایثار ہے جو کچھ کسی کو دے اور کچھ اپنے لیے رکھے وہ سخاوت مند ہے، جو زیادہ دوسروں کو دے دے اور اپنے لیے تھوڑا سا رکھے وہ صاحب جود ہے وہ شخص جو ناداروں کو اپنے آپ پر مقدم کرتے ہوئے اپنی ضرورت کی مقدار بھی دوسروں کو دے دے وہ صاحب ایثار ہے۔

ایثار بہت بڑی فضیلت ہے، بہت ہی چھوٹے چھوٹے کاموں سے اس کا آغاز ہوتا ہے، ایثار کے چھوٹے چھوٹے نمونے ہماری زندگی میں شب و روز پیش آتے ہیں، اگر انسان اس حسینی خصلت کو اپنے اندر پیدا کرے تو زندگی میں ہزار مرتبہ ایثار گری کا موقع ملتا ہے، حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ لا تستحِ من اعطاء القلیل فانّ الحرمان اقلّ منه تھوڑا دینے سے شرماؤ نہیں کیونکہ خالی ہاتھ بھیجنا تو اس سے بھی گری ہوئی بات ہے لیکن ہماری خودخواہی، خودمحوری اور خودغرضی، صفت ایثار پر غالب آجاتی ہے لہٰذا کسی کی حاجت ہماری نظروں میں نہیں آتی، ہماری گلی میں ہمارے خاندان میں کتنے لوگ ہیں جو ہماری مدد کے محتاج ہیں، کتنے لا علاج مریض ہیں، کتنے بھوکے ہیں، کتنے ضرورتمند ہیں جن کی ضروریات کو ہم پورا کرسکتے ہیں۔

ایثار کے معنی

---

(۱)۔ شرح نہج البلاغہ ج۱۱ص ۲۳۳۔

لیکن ہم نے ایثار کو پس پشت ڈالا ہوا ہے، اس خصلت حسینی کو بھول گئے ہیں، ورنہ اگر صفت ایثار پیدا ہو جائے تو ہمارے معاشرے کا رنگ بدل جائے گا، کوئی انسان محتاج نہ رہے گا، کوئی انسان طلبگار نہ رہے گا، کوئی فقیر باقی نہ رہے گا۔

۳۔ایثار قرآن کی نظر میں

ایثار ایک عاشورائی اور قرآنی صفت ہے، قرآن کریم میں اس صفت کو بہت سراہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

...... ویؤثرون علیٰ انفسهم ولو کان بهم خصاصةٌ ، ومَن یّوق شُحَّ نفسه فاولٰئك هم المفلحون (۱)

وہ لوگ جو اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں چاہے انھیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو، اور جسے بھی اس کے نفس کی حرص سے بچالیا جائے وہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

یوفون بالنّذر ویخافون یوماً کان شرّه مستطیراً ☆ ویطعمون الطعام علیٰ حبّه مسکیناً ویتیماً واسیراً ☆ انّما نطعکم لِوجه اللّٰه لا نرید منکم جزآءً ولا شکوراً (۲)

یہ بندے نذر کو پورا کرتے ہیں، اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے یہ اس کی محبت میں مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں، ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیلئے کھلاتے ہیں تم سے نہ بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر گزاری۔

(۱)۔ سورۂ حشر آیت ۹۔

(۲)۔ سورۂ انسان آیت ۷، ۸، ۹۔

۴۔ایثار معصومینؑ کے کلام میں

ایثار جیسی بڑی فضیلت کے بارے میں ائمہ معصومینؑ سے بہت زیادہ روایات نقل ہوئی ہیں، ائمہ معصومینؑ اپنی زندگی میں خود بھی اس صفت پر عمل پیرا تھے اور دوسروں کو بھی ہمیشہ اس کی طرف ترغیب دلاتے تھے اگر ائمہ اطہارؑ کی سیرت کا مطالعہ کریں تو ایثار کے بہت اعلیٰ نمونے مل سکتے ہیں، ہم ذیل میں چند روایات ائمہ معصومینؑ سے نقل کرتے ہیں۔

۱۔حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ: عند الایثار علی النفس تبیّن جواهر الکرما (۱)

دوسروں کو اپنے آپ پر مقدم کرنے سے باکرامت لوگوں کے گوہر ظاہر ہوتے ہیں۔

۲۔ في وصية النبيﷺ، لعليؑ، قال يا عليؑ ثلاث من حقائق الايمان، الانفاق من الاقتار، وانصافك الناس من نفسك وبذل العلم للمتعلم (۲)

ایمان کی حقیقت تین چیزوں میں ہے۔

۱)۔ تنگدستی میں انفاق

۲)۔ دوسرے کے ساتھ خود جیسا انصاف کرنا

۳)۔ متعلم کو تعلیم دینا

۳۔حضرت علیؑ نے فرمایا: الایثار احسن الاحسان واعلی مراتب الایمان (۳)

ایثار سب سے بڑی نیکی اور ایمان کا سب سے بلند مرتبہ ہے

(۱)۔غرر الحکم و درر الکلم، ص ۳۹۶۔

(۲)۔وسائل الشیعہ ج ۹، ص ۴۳۰۔

(۳)۔غرر الحکم ص ۳۹۶۔

۴۔حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: من اثر علی نفسه استحق اسم الفضیلة (۱)

جو دوسروں کو اپنے آپ پر مقدم کرے وہ شائستہ فضیلت ہے۔

۵۔شہداء احد ایثار کے پیکر

صدرِ اسلام میں مسلمانوں نے ایثار کے اعلیٰ نمونے قائم کیے، انصار نے مہاجرین کے حق میں مہاجرین نے انصار کے حق میں ایثار کیا، جنگ احد میں جب زخمی بہت پیاسے تھے، ویسے بھی زخمی کو تشنگی کا شدید احساس ہوتا ہے اس لیے کہ جب زخموں سے زیادہ خون بہہ جائے اور بدن میں خون کی کمی ہو جائے تو اسے بہت ہی پیاس لگتی ہے۔

اس جنگ میں سات زخمی انتہائی پیاس کی حالت میں میدان میں پڑے تھے سقا، مشکیزہ اٹھا کر ان کے پاس گیا، دیکھا کہ زخمیوں کے ہونٹ پیاس سے خشک ہو گئے ہیں، سقا کے پاس صرف اتنا پانی تھا کہ جس سے فقط ایک ہی زخمی کی پیاس بجھ سکتی تھی، جب سقا نے ایک زخمی کو پانی پیش کیا تو اس نے اشارہ کیا کہ پہلے دوسرے کو دیجیے، وہ مجھ سے زیادہ پیاسا ہے، پانی پلانے والا اس کو چھوڑ کر دوسرے کے پاس گیا، اس کو پانی پیش کیا تو اس نے اشارہ کیا کہ پہلے اس تیسرے زخمی کو پلا دیں وہ مجھ سے زیادہ پیاسا ہے، جب سقا اس تیسرے کے پاس آیا، اس نے چوتھے زخمی کے پاس بھیج دیا

(۱)۔ مجمع البیان ج ۹، ص ۳۹۱۔

اسی طرح سقا ہر ایک کے پاس جاتا وہ دوسرے کی طرف اشارہ کر دیتا جب آخری زخمی کے پاس پہنچا تو پہلا زخمی دنیا سے چل کر شہید ہو گیا، یکے بعد دیگرے سب شہید ہو گئے لیکن کسی نے پانی نہیں پیا وہ جان کنی اور زخمی حالت میں اس دنیا سے پیاسے چلے گئے لیکن ایثار کی اعلیٰ مثال قائم کر کے اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔(۱)

۲۔اہل بیت علیہم السلام ایثار کے اعلیٰ نمونے

اہل بیت اطہار علیہم السلام ایثار کے وہ اعلیٰ نمونے ہیں جن کی کوئی نظیر نہیں ملتی، امیر المومنین علیہ السلام کی ایثار گری اور فدا کاری کے واقعات سے کتب تاریخ بھری پڑی ہیں آپ ایثار کے اس مرتبہ پر فائز تھے کہ شب ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر سو کر اپنی جان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان پر نثار کر دیا، یہی تو ایثار کا آخری مرتبہ ہے، اس لیے خداوند متعال نے آسمانوں میں فرشتوں سے امیر المومنین علیہ السلام کی ایثار گری کا تذکرہ کیا، اللہ نے فرشتوں کے سامنے امیر المومنین علیہ السلام پر فخر و مباہات کیا لہٰذا جبرائیل امین نازل ہوئے اور امیر المومنین علیہ السلام کی شان میں یہ آیت لے کر آئے۔

و من النّاس مَن یّشری نفسه ابتغاء مرضاتِ الله ......(۲)

ایثار کا اس سے بڑا نمونہ اور کون ہو سکتا ہے، ایثار کی اس سے بڑی مثال اور کونسی ہو سکتی ہے؟

---

(۱)۔ مجمع البیان، ج۹، ص۳۹۱۔

(۲)۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۰۷۔ و معراج السعادۃ، ملا احمد نراقی، ص۳۷۷۔

قرآن کریم نے اہل بیت اطہار علیہم السلام کے ایثار پر جگہ جگہ مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔(۱)

سورۃ ھل اتی کو دیکھیے پورا سورہ اہل بیت علیہم السلام کی مدح وثناء میں نازل ہوا ہے، اسکی شان نزول میں مفسرین نے کہا ہے کہ ایک دفعہ حسنین علیہما السلام مریض ہوئے، ان کو بخار ہوا، حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے ان دونوں کی شفایابی کیلیے نذر مانی کہ اگر خداوند ان کو شفاء عنایت فرمائے تو ہم تین دن روزہ رکھیں گے۔ شفایابی کے بعد حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ علیہا السلام اور جناب فضہ نے روزہ رکھا، گھر میں کچھ کھانے کے لئے موجود نہیں تھا، لہذا امیر المومنین علیہ السلام گھر سے باہر نکلے، کسی سے کچھ مقدار میں جو کا آٹا قرض لیا، گھر آکر حضرت زہرا علیہا السلام کو دیا، بی بی نے اپنے مبارک ہاتھوں سے نان جویں کی چند قرص (روٹیاں) تیار کیں، جب رات ہوئی، امیر المومنین علیہ السلام نماز مغربین سے فارغ ہوکر گھر تشریف لائے روزہ افطار کرنے کا اہتمام ہوا۔

ابھی یہ خاندان افطار کرنے کیلیے بیٹھا ہی تھا، دسترخوان بچھایا ہی تھا کہ دروازہ پر دستک ہوئی، فضہ نے جا کر پوچھا کون ہے؟ دستک دینے والا بولا، میں فقیر ہوں، در اہل بیت علیہم السلام پر آیا ہوں، میں بھوکا ہوں، میرے بچے بھوکے ہیں، جب حسنین علیہما السلام کے والدین نے یہ سنا تو اپنے حصے کا کھانا اٹھا کر فقیر کو دے دیا، فضہ نے جب دیکھا تو کہا کہ کیا میں آپ کے مکتب کی پلی ہوئی نہیں ہوں، کیا آپ نے مجھے ایثار نہیں سکھایا ہے؟ لہذا وہ بھی اٹھیں اور اپنے حصے کا کھانا فقیر کو دے دیا جب حسنین علیہما السلام نے یہ دیکھا تو انھوں نے بھی اپنے حصہ کا کھانا اٹھا کر فقیر کو دے دیا، دن بھر روزہ رکھنے

(۱)۔ انفاق کی بحث میں ہم نے امیر المومنین علیہ السلام اور حضرت زہرا علیہا السلام کے انفاق کے متعلق جو واقعات ذکر کیے گئے ہیں وہ سب ایثار سے بھی متعلق ہیں، لہذا اختصار کی وجہ سے یہاں چھوڑ دیے گئے ہیں۔

والے،صرف پانی سے افطار کر کے سو گئے۔

دوسرے دن پھر روزہ رکھا، جب رات ہوئی افطار کے لئے جونہی دستر خوان آمادہ کیا، پھر دروازے پر دستک ہوئی، پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا میں یتیم ہوں، محتاج اور بھوکا ہوں، مجھے کھانا چاہیے۔ حسنین علیہم السلام کے والدین نے اپنا کھانا اس کو دے دیا، ان کی اتباع میں حضرت فضہؓ اور حسنین علیہم السلام نے بھی اپنا کھانا دے دیا، دوسرے دن بھی روزہ دار پانی پی کر سو گئے۔

تیسرے دن پھر روزہ رکھا تو روزہ افطار کرتے ہوئے پھر دروازے پر دستک ہوئی، پوچھا کون ہے؟ دستک دینے والے نے کہا کہ میں اسیر ہوں، اہل بیت النبی علیہم السلام کے در پر آیا ہوں، مجھے کھانا کھلائیں، حسب سابق پھر اہل بیت النبی علیہم السلام کے تمام افراد اور فضہ نے بھی اپنا اپنا کھانا اسیر کو دے دیا، تین دن کے روزہ دار پانی سے افطار کر کے سو گئے، اہل بیت النبی علیہم السلام نے جو نذر مانی تھی اسے پورا کر دیا۔

حضرت علی علیہ السلام، حسنین علیہم السلام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حسنین علیہم السلام کے چہروں پر بھوک کے آثار اور ضعف و کمزوری دیکھی، لہذا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونے لگے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب اپنے حبیب کو محزون پایا تو فوراً جبرئیل نازل ہوئے، اہل بیت النبی علیہم السلام کی مدح و ثناء میں ایک ایسا نغمہ اور ترانہ لے آئے جس کا پڑھنا روز قیامت تک سب مسلمانوں کیلئے عبادت ہو گیا، جس کا نام سورۃ هل اتی یا سورۃ انسان پڑ گیا۔(۱)

یہ سورۃ، واقعاً سورۃ انسان ہے، یہ انسانیت کا نمونہ اور معیار ہے، اس میں انسان نے جو ایثار دکھایا ہے، وہ کہیں اور نظر نہیں آئے گا، حقیقتاً اس کا نام سورۃ انسان ہے اس لیے کہ یہ سورۃ انسانوں کے ایثار کے بدلے میں نازل ہوئی ہے۔

---

(۱)۔ مجمع البیان، ج ۱۰، ص ۶۱۱، ۶۱۲۔

یوفون بالنّذر ویخافون یوماً کان شرّہ مستطیراً ☆ ویطّعمون الطعام علیٰ حبّہ مسکیناً ویتیماً واسیراً ☆ انّما نطعکم لِوجہ اللّٰہ لا نرید منکم جزآءً ولا شکوراً (۱)

یہ بندے نذر کو پورا کرتے ہیں، اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے، یہ اس کی محبت میں مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں، ہم سب اللہ کی مرضی کی خاطر تمہیں کھلاتے ہیں اور نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔

"علیٰ حبہ" کے ذیل میں علماء نے لکھا ہے کہ اس کے باوجود کہ ان کو کھانے کی ضرورت تھی، وہ کھانا چاہتے تھے، خود بھی روزہ دار اور بھوکے تھے، لیکن پھر بھی ایثار کرتے ہوئے اپنا کھانا یتیم و مسکین واسیر کو دیدیا، اس سے بڑا ایثار ہمیں کہاں نظر آئے گا؟

یہ ہمارے ائمہ علیہم السلام کی تعلیمات ہیں، اپنی بھوک تو برداشت کر سکتے ہیں، لیکن محتاج جب دروازے پر آکر دستک دے تو اس کی بھوک کو برداشت نہیں کر سکتے ہیں، ابن ابی الحدید نے لکھا

لم یاتنی ضیفٌ منذ سبعۃ ایام ، اخاف ان یکون اللّٰہ قد اھانني (۲)

ایک دن کسی نے حضرت علی علیہ السلام کو روتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ایک ہفتہ ہوا کہ میرے پاس کوئی حاجت مند نہیں آیا مجھے ڈر ہے کہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے نظر انداز تو نہیں کر دیا، دیکھئے ہمارے ائمہ اطہار علیہم السلام کی یہ سیرت ہے کہ جب سات دن کے اندر کوئی محتاج نہ آئے تو اللہ کے خوف سے روتے ہیں، اگر ہم اپنے شہر، اپنے محلے یا خاندان میں نگاہ کریں تو

---

(۱)۔ سورۂ انسان آیت ۷، ۸، ۹۔

(۲)۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۱۱، ص ۲۳۲۔

کتنے لوگ ہیں جو ہماری مدد کے محتاج ہیں، ہمارے گھروں میں کھانا ہو لیکن ہمسایہ کے بچے بھوکے ہی سوجاتے ہوں تو ہم امیر المومنین علیہ السلام کے پیروکار کہلانے کے ہرگز مستحق نہیں۔

اگر ہم علی بن ابی طالب علیہما السلام کے پیروکاروں میں سے ہیں، اگر حسین بن علی علیہما السلام کے ماننے والوں میں سے ہیں تو پھر حسینی خصلتیں، عاشورائی صفات اور علوی خصائل کہاں ہیں، اگر علی ابن ابی طالب علیہما السلام کے پیروکاروں میں ایثار نہ ہوا تو پھر دوسرے لوگوں سے تو ایثار کی توقع نہیں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایثار کے متعلق فرماتے ہیں:

اذا احمرّا ألباس واحجم النّاس قدّم اهل بیتهِ ، فوقی بهم اصحابه حرّالسّیوف والاَسنّة فقُتل عبیدة ابن الحارث یوم بدر و قُتل حمزة یوم اُحُد، وقُتل جعفر یوم مؤتة...... (۱)

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ جب جنگ کے شعلے بھڑکتے تھے اور لوگوں کے قدم پیچھے ہٹنے لگتے تھے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اہل بیت علیہم السلام کو آگے بڑھا دیتے تھے اور یوں انہیں سینہ سپر بنا کر، اصحاب کو نیزوں اور شمشیروں سے بچا لیتے تھے، چنانچہ جنگ بدر میں عبیدۃ ابن حارث رضی اللہ عنہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی) اُحد میں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور جنگ موتہ میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ پھر امیر المومنین علیہ السلام اپنے متعلق اسی کے ذیل میں فرماتے ہیں:

اگر میں چاہوں تو ایک اور شخص کا نام بھی لے سکتا ہوں کہ جس نے انہیں لوگوں کی طرح شہید ہونا چاہا لیکن اُن کی عمریں جلد پوری ہو گئیں اور اس کی موت پیچھے جا پڑی، اس زمانہ (کج رفتار) پر

(۱)۔ نہج البلاغہ مکتوب ۹، ص ۶۶۰۔

حیرت ہوتی ہے کہ میرے ساتھ ایسوں کا نام لیا جاتا ہے، جنہوں نے میدان سعی میں مجھ جیسی تیزگامی نہیں دکھائی اور نہ ان کیلئے میرے جیسی دیرینہ اسلامی خدمات ہیں۔(۱)

۷۔امام سجادؑ اسوۂ ایثار

حضرت امام زین العابدینؑ کا لقب سید الساجدین ہے، زیادہ عبادت اور بہت زیادہ سجدوں کی وجہ سے لوگ آپ کو زین العابدین اور سید العابدین، جیسے القاب سے پکارتے تھے، دن کو روزہ رکھتے اور پوری رات عبادت خدا میں کھڑے ہوکر، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں راز و نیاز کرتے تھے، لیکن عبادت وزہد کے ساتھ ساتھ آپ کی سیرت طیبہ میں جو بارز اور نمایاں خصلت تھی وہ ایثار اور خدمت خلق ہے یہاں تک کہ جب شہادت کے بعد آپ کو غسل دیا جارہا تھا تو غسال نے دیکھا کہ آپ کی پیٹھ پر موٹے موٹے داغ پڑے ہوئے ہیں۔غسال حیران ہوکر پوچھنے لگا کہ امامؑ کی پیٹھ پر یہ داغ اور نشانات کیسے ہیں؟

کسی نے کہا کہ شائد ان کوڑوں کے ہوں جو کربلا کے بعد اس سید نے اپنی پشت پر تحمل کیے تھے، کسی نہ کہا شائد ان رسیوں اور ہتھکڑیوں کے نشانات ہوں کہ جو کربلا سے شام تک آپ کی گردن میں پڑی رہیں۔کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ کہا، لیکن جب آپؑ کے بیٹے امام باقرؑ سے پوچھا گیا کہ یہ کس کے آثار ہیں؟ تو فرمایا: یہ غلے کی بوریوں کے آثار ہیں، میرے والد بزرگوار، رات کو

---

(۱)۔ سابقہ مصدر۔

جب نماز تہجد کیلئے اٹھتے تھے تو نماز تہجد سے پہلے غلے کی بوریاں اٹھا اٹھا کر ضرورتمندوں کے گھروں میں پہنچایا کرتے تھے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام: قال انه (علی ابن الحسین) کان یعول مائة بیت من فقراء المدینة، و کان یعجبه ان یحضر طعامه الیتامیٰ والا ضراء والزمنی والمساکین، الذین لا حیلة لهم، و کان یناولهم بیده ومن کان منهم له عیال حمله الی عیاله من طعامه، و کان لایاکل طعاما حتی یبدأ، فتصدق به۔ (۱)

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: میرے والد علی بن الحسین علیہما السلام نے مدینہ کے ایک سو فقیر گھرانوں کے اخراجات اپنے ذمہ رکھے ہوئے تھے، یتیم، حاجت مند، اپاہج اور مسکینوں کو کہ جن کا کوئی وسیلہ اور چارہ نہ ہوتا تھا، کھانا پہنچانے سے بہت خوش ہوتے تھے ان کو اپنے ہاتھ سے کھلاتے، ان میں سے جو صاحبِ عیال تھے وہ آپ کے طعام میں سے عیال کیلئے لے جاتے تھے، آپ کا طریقہ یہ تھا کہ ہر طعام کو کھانے سے پہلے، اس کا صدقہ دیتے تھے۔

ایک اور حدیث میں امام باقر علیہ السلام سے نقل ہوا ہے۔

انه کان علی بن الحسین علیہما السلام یحمل جراب الخبز علی ظهره باللیل فیتصدق به، قال ابو حمزه الثمالی و سفیان الثوری کان یقول! ان صدقه السر تطفی غضب الرّب (۲)

(۱)۔ مناقب آل ابی طالب علیہ السلام، ج۳، ص۲۹۳۔

(۲)۔ مناقب آل ابی طالب علیہ السلام ج۳، ص۲۹۲۔

امام علی بن الحسینؑ کی سیرت یہ تھی کہ آپؑ ہمیشہ روٹی کی بوریاں اپنی پشت پر اٹھا کر اسے خیرات کرتے تھے، ابوحمزہ ثمالی اور سفیان ثوری نے کہا ہے کہ آپؑ فرمایا کرتے تھے کہ سرو پنہان صدقہ دینا، اللہ کے غضب کو خاموش کر دیتا ہے۔

امام سجادؑ گھر گھر جا کر دستک دیتے، پھر اپنا چہرہ ڈھانپتے ہوئے بوری رکھ کر واپس ہو جاتے، کہیں ایسا نہ ہو کہ نماز تہجد پڑھنے والے سے خدا یہ کہہ رہا ہو کہ تیرے ہمسائے میں کیا خبر ہے، تیرے محلّہ میں کیا خبر ہے؟ وہ تو جان دے رہا ہے، وہ بھوک سے مر رہا ہے، کیا تو مجھے ورغلانے کیلئے آیا ہے، تو مجھے دو رکعت نماز ایثار کرنے کیلئے آیا ہے؟ پہلے جاؤ، ایثار کرو، حاجت مندوں کی ضرورت پوری کرو، پھر اس کے بعد میری بارگاہ میں آؤ، کیونکہ یہ خدا کی مخلوق ہے، خالق کو اپنی مخلوق سے اتنی محبت ہے کہ امام رضاؑ فرماتے ہیں:

من لم يشكر من المخلوقين لم يشكر الله عزوجل (۱)

جس نے مخلوق کا شکر ادا نہ کیا، اس نے خالق کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔

لہٰذا جو مخلوق کے کام نہ آئے وہ خالق کے کام کیا آئے گا، خالق تک جو گلی جاتی ہے وہ مخلوق سے گزر کر جاتی ہے، جو مخلوق سے ہٹ کر کہیں خانقاہ تلاش کرے، اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ خالق خانقاہوں میں نہیں ملتا، رہبانیت میں نہیں ملتا، خالق دنیا سے کٹ جانے میں نہیں ملتا بلکہ اپنی مخلوق میں ملتا ہے، انسانیت کو آباد کرنے میں ملتا ہے، انسانیت کی خدمت میں ملتا ہے۔

---

(۱)۔ عیون اخبار الرضاؑ، شیخ صدوق ج ۲، ص ۲۴۔

اگر رسول اللہ ﷺ سے پوچھا جائے، ائمہ اطہار علیہم السلام سے پوچھا جائے کہ خالق کہاں ملتا ہے؟ تو یہی جواب دیں گے کہ معاشرے سے کٹ جانے میں خدا نہیں ملتا ہے بلکہ اگر اپنے خالق کو ڈھونڈنا ہے تو اللہ کی مخلوق کی خدمت میں ملتا ہے، روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے کسی صحابی کے متعلق پوچھا کہ جو کافی مدت سے نظر نہیں آرہے تھے کہ فلاں صحابی کہاں ہیں، کیوں نظر نہیں آتے؟ لوگوں نے آپ کو بتایا کہ وہ پہاڑ پر جا کر عبادت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو آپ نے اس کے بارے میں یہ فرمایا:

قال ﷺ لرحل أراد الجبل ليتعبد فيه۔ لصبر أحدكم ساعة علىٰ مايكره فى بعض مواطن الاسلام خير من عبادة خاليا أربعين سنة۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ فرمایا: اسلامی سرزمین کے اطراف واکناف میں مشکلات اور سختیوں کے حل کرنے پر صبر واستقامت دکھانا، خلوت میں جا کر چالیس سال عبادت کرنے سے بہت ہی بہتر ہے۔

مومنین کی حاجت روائی اور خدمتِ خلق کے متعلق احادیث میں بہت تاکید کی گئی ہے، یہاں تک کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ کسی مومن کی حاجت کو پورا کرنا بیت اللہ کے دس طواف کرنے کے برابر ہے، امام صادق علیہ السلام نے اسحاق ابن عمار سے فرمایا:

يا اسحاق من طاف بهذا البيت طوافا واحدا كتب الله له الف حسنة......

---

(۱)۔ میزان الحکمۃ، ج ۳ ص ۲۰۷۴۔

اے اسحاق جو بیت اللہ کا ایک طواف کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک ہزار حسنات لکھتا ہے اور ایک ہزار سیئات اس سے ہٹا دیتا ہے، ایک ہزار درجا اسے اونچا کردیتا ہے جنت میں اس کے لئے ایک ہزار درخت لگا دیتا ہے اور ایک ہزار غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب بھی لکھتا ہے، یہاں تک جب طواف کرتے ہوئے ملتزم تک آجائے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے آٹھ دروازے کھولتا ہے پھر اسے کہتا ہے جس دروازے سے چاہو داخل ہو جاؤ۔

اسحاق نے کہا کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں، آیا یہ سب کچھ ایک طواف کے لیے ہے؟ فرمایا، ہاں! کیا اس سے زیادہ بہتر چیز کی تجھے خبر نہ دوں؟ اسحاق نے کہا ہاں ضرور دیجیے، فرمایا:

من قضی لا خیه المومن حاجة کتب اللّٰه طوافا و طوافا و طوافا حتی بلغ عشرا (۱)

اور وہ یہ ہے کہ جو بھی کسی مومن بھائی کی ایک حاجت پوری کرے تو اللہ اس کے لئے لکھ دیتا ہے طواف، طواف، طواف یہاں تک امام علیہ السلام نے دس تک گنا۔

۸۔ حضرت امام صادق علیہ السلام معلم ایثار

ہمارے ائمہ اطہار علیہم السلام کی زندگیاں دوسروں کے لیے گزری ہیں، انھوں نے الٰہی اقدار کو عروج تک پہنچایا بلکہ ہمیشہ لوگوں کو عالی اقدار کی تعلیم دیتے رہے، جو کچھ کرتے دوسروں کو سکھانے اور تعلیم دینے کیلیے انجام دیتے تھے، خود بھی تمام عالی اقدار کے مالک تھے اور دوسروں کو بھی اس زیور سے آراستہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

---

(۱)۔ ثواب الاعمال، شیخ صدوق، ص ۱۰۶۔

امام صادق علیہ السلام مکتب ایثار کے معلم ہیں، کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مدینہ میں قحط پڑ گیا، کسی کے پاس کھانے کیلئے کچھ بھی موجود نہ تھا، لوگ بھوک کی وجہ سے مر رہے تھے، امام صادق علیہ السلام نے اپنے غلام سے پوچھا؛ ہمارے پاس کتنی گندم ہے؟ معتب نامی غلام نے بتایا اب ہمارے پاس اتنی گندم ہے کہ بہت سے مہینوں کیلئے کافی ہے۔

تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اخرجه و بعه اس ساری گندم کو بازار لے جا کر بیچ دو، معتب کہتا ہے کہ میں نے کہا، آجکل مدینے میں قحط پڑ گیا ہے، پھر ہمیں گندم مشکل سے ملے گی۔

تو امام علیہ السلام نے فرمایا: ہر صورت میں جا کر اسے بیچ دو، معتب کہتا ہے کہ میں نے ساری گندم نکال کر بیچ دی، گندم بیچنے کے بعد امام صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا، اب تم بھی دوسرے لوگوں کی طرح روزانہ کے حساب سے گندم خریدتے رہو۔(۱)

دیکھئے یہ ایثار کا اعلیٰ نمونہ ہے، اگر امام علیہ السلام اپنے گھر کیلئے رکھی ہوئی گندم لوگوں میں تقسیم نہ بھی کرتے تو کوئی جرم نہ تھا لیکن وہ ایثار و فداکاری، اجازت نہیں دیتی تھی کہ لوگ قحط میں مبتلا ہو کر مر رہے ہوں اور امام صادق علیہ السلام کے گھر میں گندم پڑی ہو، عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کیا دین کے ذریعے اس دور کی معاشرتی ضرورتوں کو پورا کیا جا سکتا ہے، آیا دین اس دور کیلئے کافی ہے؟ دلیل بھی ساتھ پیش کرتے ہیں کہ چونکہ ہم مسلمان ہیں، ہم دیندار ہیں لہٰذا ہمارا معاشرہ انسانی صفات سے خالی ہے، ہمارا اسلامی معاشرہ الفت و محبت، ایثار و ہمدردی، تعاون اور خدمت خلق جیسی

---

(۱)۔ وسائل الشیعہ ج ۱۷، ص ۴۳۶، باب ۳۲، از ابواب آداب التجارۃ حدیث ۲۔

صفات سے خالی ہے، آپ مغربی معاشرے میں جا کر دیکھیے، وہ غیر مسلمان معاشرے ہیں لیکن انسانی ہمدردی وہاں پر نظر آئے گی، وہاں انسانی ایثار موجود ہے، وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، ایک دوسرے سے ہمدردی رکھتے ہیں لیکن مسلمان معاشرے میں یہ سب کچھ نہیں ہوتا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگر ہمارے مسلمان معاشروں میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہیں کرتے، ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کو نہیں پہنچتے، اگر ہمارے معاشرے میں ایثار نہیں ہے تو کیا یہ مذہب سے دوری کا نتیجہ ہے یا مذہب سے تمسک کا نتیجہ ہے؟ یہ عاشورائی اقدار کو چھوڑنے کا نتیجہ ہے یا عاشورائی اقدار کو اپنانے کا نتیجہ ہے؟ اگر لوگوں میں ہمدردی نہیں، لوگ اپنے آپ پر دوسروں کو مقدم نہیں کرتے ہیں، اس کو تو کوئی بھی مسلمان نہیں کہتا، اس لیے کہ دین تو کہتا ہے کہ تم مسلمان ہو، دوسرے کا درد دل میں رکھو، ایثار کرو، اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضروریات کو مقدم کرو۔





لہٰذا جو بھی برائی نظر آتی ہے وہ دین سے دوری کا نتیجہ ہے، جہاں پر بھی کوئی قباحت، گندگی، پلیدی ہے وہ دین سے بے رغبتی کا نتیجہ ہے۔

اگر ہم کربلائی اور عاشورائی ہیں، اگر ہم مسلمان ہیں تو ہمارے اندر یہ حسینی اقدار، خصائل اور یہ حسینی آثار کیوں نہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ ہم مکتب امام صادق علیہ السلام سے بے خبر ہیں، جس مکتب میں ایثار اور دوسرے مسلمان بھائیوں کی ضروریات کو پورا کرنے پر اتنی تاکید ہوئی ہے، اس مکتب کے پیروکار اگر ایثار نہ دیکھائیں، اگر ایک دوسرے سے ہمدردی سے پیش نہ آئیں تو یہ اس عالی مکتب سے لاتعلقی کا نتیجہ ہے۔

۹۔ کربلا معراج ایثار

حضرت امام حسین علیہ السلام محسن انسانیت ہیں، امام حسین علیہ السلام کا احسان فقط مسلمانوں پر نہیں ہے فقط شیعوں پر نہیں، فقط سنیوں پر نہیں بلکہ امام حسین علیہ السلام کا احسان انسانیت پر ہے، اس لیے کہ اگر امام حسین علیہ السلام ایثار نہ کرتے تو نہ دین ہوتا، نہ ایمان، نہ اسلام، لہٰذا آج نہ کوئی سنی ہوتا نہ کوئی شیعہ، سب کے سب غیر متدین ہوتے، دین نامی کوئی چیز نہ ہوتی چونکہ اس دور کے مستکبرین نہ فقط تشیع کی اقدار کو مٹانا چاہتے تھے، نہ فقط سنی اقدار کو ختم کرنا چاہتے تھے بلکہ انسانی اقدار کو مٹانے کے درپے تھے۔

آج اگر کہیں انسان نظر آتا ہے تو وہ حسین علیہ السلام کے اس عظیم ایثار کے طفیل نظر آتا ہے، امام حسین علیہ السلام کے اصحاب اور بنی ہاشم کے ایثار کے طفیل نظر آتا ہے۔



الف۔ اصحاب امام حسین علیہ السلام مظہر ایثار

امام حسین علیہ السلام کے اصحاب نے ایثار کو عروج پر پہنچایا، اگر لشکر امام حسین علیہ السلام میں پانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو اصحاب امام حسین علیہ السلام میں مقابلہ شروع ہو جاتا ہے ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ مشکیزہ اٹھا کر فرات کی جانب جائے، دشمنوں سے لڑتے ہوئے، اصحاب حسین علیہ السلام، اولادِ حسین علیہ السلام اور مخدرات امام حسین علیہ السلام کے لئے پانی لے کر آئے۔

اگر حسین بن علی علیہما السلام کو کسی چیز کی ضرورت پڑتی، تو اصحاب میں سے ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی کہ وہ دوسرے سے پہل کر جائے اگر کہیں پر حفاظت کی ضرورت پڑتی تو اصحاب کا آپس میں مقابلہ شروع ہو جاتا ہے کہ حفاظت کا کام اپنے ذمہ لے لیں، اگر امام حسین علیہ السلام کو میدانِ کربلا میں کبھی

شہادت کی ضرورت پڑتی تو ہر سپاہی کی یہ کوشش ہوتی کہ وہ دوسرے کو اس میدان میں پیچھے چھوڑ جائے خود آگے بڑھ کر یہ سعادت حاصل کرے، لہٰذا جونہی امامؑ کے لب مبارک کھلتے تھے فوراً انصار کی صف لگ جاتی تھی وہ آکر اپنی ترجیحات بیان کرتے تھے کہ ان ان دلائل سے میں ان سے زیادہ حقدار ہوں۔

لہٰذا جب امام حسینؑ نے عاشور کی صبح کو لشکر اشقیاء کے سامنے اپنی فوج کی صفیں بنائیں تو حبیب ابن مظاہرؓ کی ترجیح یہ تھی کہ چونکہ میں سب سے بوڑھا ہوں لہٰذا مجھے سب سے پہلے بھیجا جائے، دوسری طرف وہبؓ کی دلیل یہ تھی کہ میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں لہٰذا مجھے سب سے پہلے بھیجا جائے، جناب حرؓ کا کہنا تھا کہ میری توبہ ابھی قبول ہوئی ہے، کوئی معصیت سرزد ہونے سے پہلے مجھے یہ موقع دیا جائے، زہیر بن قینؓ یہ کہتے تھے کہ چونکہ میں ان کے خاندان میں سے ہوں اس لیے مجھے ان کے ساتھ مقابلے کیلئے سب سے پہلے بھیجا جائے۔

ہر صحابی اپنی ترجیحات ذکر کر کے دوسروں پر سبقت لے جانا چاہتا تھا، اس لیے کہ کربلا میں داخل ہونے سے پہلے ہی امام حسینؑ نے ان کے وجود میں ایثار اور فداکاری کا وہ عنصر شامل کر دیا تھا کہ اب ان سے زندہ رہنا دوسروں کے مقابلے میں ممکن نہ تھا پیچھے رہنا ان کیلئے ننگ و عار سمجھا جاتا تھا حالانکہ شب عاشور کو امام حسینؑ نے ان کو بار بار رخصت کیا، شب عاشور کو امامؑ نے اپنے اصحاب کے درمیان کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا:

...... وقد نزل بي ما قد ترون ، وانتم في حلٍّ من بيعتي ، ليست في اعناقكم بيعةٌ ، ولا لي عليكم ذمّةٌ، وهذا اللّيل قد غشيكم ، فاتخذوه جملاً وتفرّقوا في سواده ، فانّ القوم

أنّما يطلبوني ، ولو ظفروا بي لذهلوا عن طلب غيري (۱)

ہم پر جو کچھ نازل ہونے والا ہے وہ تم دیکھ رہے ہو، تم میری بیعت سے آزاد ہو، تمہاری گردنوں پر کوئی بیعت نہیں اور نہ ہی تمہارا میرے ساتھ کوئی عہد ہے، یہ رات چھا گئی ہے اور رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چلے جاؤ۔

اس قوم کا مجھ سے سروکار ہے وہ میری طلب میں ہیں اگر وہ مجھ پر قابو پا لیتے ہیں تو پھر وہ کسی اور کی تلاش میں نہیں ہیں، اصحاب نے جب آپ کا خطبہ سنا، تو سب یک زبان ہو کر کہنے لگے، قبح اللّٰــه العيش بعد ك (۲) آپ کے بعد زندگی کو اللہ سیاہ کرے ہم آپ کے بعد زندگی نہیں چاہتے، پھر ایک ایک نے کھڑے ہو کر جواب دیا، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کو دشمنوں کے نرغے میں چھوڑ کر چلے جائیں، پھر مسلم بن عوسجہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر کہنے لگے۔

انحن نخلّي عنك ولمّا نعذر الى الله في اداء حقك! ...... (۳) کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کو تنہا چھوڑ دیں، اگر ہم ایسا کریں تو آپ کے حق کی ادائیگی میں اللہ کو کیا عذر پیش کریں گے، خدا کی قسم میں ہرگز آپ سے جدا نہیں ہوں گا، جب تک میرے ہاتھ میں شمشیر ہے تو شمشیر چلاتے ہوئے ان کے سینے میں نیزہ ماروں گا، اگر میرے پاس کوئی اسلحہ نہ رہا تب بھی پتھر مار مار کر آپؑ کا دفاع کروں گا، یہاں تک کہ مارا جاؤں۔

اسی طرح زہیر بن قین رضی اللہ عنہ، سعید بن عبداللہ الحنفی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے کھڑے ہو کر آپ کو یقین

(۱،۲،۳)۔ موسوعۃ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۳۹۶، ۳۹۷ و ۴۰۱۔

دلایا کہ ہم کسی بھی صورت میں آپ سے جدا نہیں ہو سکتے ہیں، ایک دفعہ مرنا تو آسان ہے، اگر ہمیں ستر دفعہ آپ کی خدمت میں قتل کیا جائے تو یہ ہمارے لئے کرامت اور شرافت ہے، امام حسین علیہ السلام نے جب ان کی باتیں سنیں تو ان کیلئے دعا کی اور فرمایا: جزاکم اللّٰہ خیراً (۱) فانّي لا اعلم اصحابا اوفیٰ ولا خیراً من اصحابي میرے باوفا اصحاب جیسے اصحاب کسی کے نہیں، میرے اصحاب جیسے بہتر اصحاب کسی کے نہیں، حضرت امام حسین علیہ السلام نے حتیٰ ایک ایک صحابی سے فرمایا کہ چلے جاؤ، رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر جاؤ، اپنی جان کو بچاؤ؛ ھلال ابن نافع کا کہنا ہے کہ میں دیکھ رہا تھا کہ امام حسین علیہ السلام تنہائی میں خیموں سے نکل کر میدان کی طرف جانے لگے، لہٰذا میں بھی اٹھا اور امام علیہ السلام کے پیچھے پیچھے جانے لگا، چلتے چلتے جب امام علیہ السلام میری طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا، تم کون ہو، آیا ھلال رضی اللہ عنہ ہو میں نے کہا، ہاں میں آپؑ پر قربان ہوں، فرمایا ھلال رضی اللہ عنہ کیوں نکل آئے ہو، میں نے کہا، دشمن قریب ہی بیٹھا ہوا ہے، کہیں ایسا نہ ہو ان کی طرف سے آپ کو ضرر پہنچے، ھلال رضی اللہ عنہ کہتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے میدانِ قتال میں جا کر نشیب و فراز کا جائزہ لیا، میدانِ قتال کا نقشہ بنایا، پھر امام علیہ السلام میرے بائیں ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر خیموں کی طرف واپس آنے لگے تو راستے میں امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا، ھلال رضی اللہ عنہ تم نہیں چاہتے کہ اس تاریک رات میں اپنی جان کو بچاؤ، ان دو پہاڑیوں کے درمیان میں جا کر چھپ جاؤ یوں تمہاری جان بچ جائے گی۔

ھلال رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو کہنے لگا، ھلال رضی اللہ عنہ کی ماں ھلال رضی اللہ عنہ پر روئے، بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ کو چھوڑ دوں۔

---

(۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۴۰۲۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ شب عاشور کو میں نے دیکھا کہ حبیب ابن مظاہر رضی اللہ عنہ نے تمام اصحاب کو اپنے خیمے میں جمع کیا ہوا تھا، ان کے درمیان میں بیٹھ کر ان سے کہہ رہے تھے میرے سپاہیو! صبح جنگ شروع ہونے والی ہے۔ فاول من یبرز الی القتال انتم سب سے پہلے تم نے ہی میدانِ جنگ میں جانا ہے، ہم کسی ہاشمی کو خون سے رنگین نہیں دیکھ سکتے جب تک ہم زندہ ہیں کسی بھی ہاشمی کو جنگ لڑنے کی اجازت نہیں دیں گے تاکہ پھر لوگ یہ نہ کہیں کہ اصحاب نے اپنے سیدوں کو آگے کیا اور خود پیچھے رہے۔

اصحاب نے تلواریں نکال لیں اور کہنے لگے، اے حبیب رضی اللہ عنہ! ہم تمہارے فرمانبردار ہیں، جو بھی حکم دیں ہم اطاعت کریں گے، صبح کو دیکھو گے کہ ہم سب سے پہلے میدان میں جائیں گے۔(۱)

امام حسین علیہ السلام کے اصحاب باوفا نے ایسا ہی کیا، جب تک اصحاب زندہ رہے بنی ہاشم میں سے کوئی شخص بھی شہید نہیں ہوا، حقیقتاً اصحاب نے ایثار کو عروج تک پہنچایا۔

معراجِ ایثار

ب۔ بنی ہاشم أسوہ ایثار

عاشور کے دن اصحاب کے شہید ہونے کے بعد جب بنی ہاشم کی باری آئی تو بنی ہاشم کے ہاتھوں ایثار کی معراج ہوئی، امام حسین علیہ السلام نے بنی ہاشم کے ہاتھوں ایثار کو معراج عطا کی حالانکہ امام حسین علیہ السلام نے شب عاشور کو اصحاب کی طرح بنی ہاشم کو بھی اپنی جان بچانے کی اجازت دے دی۔

---

(۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام،ص۴۰۹۔

آپ نے اپنے اہل بیت علیہم السلام سے فرمایا:

قد جعلتكم في حل من مفارقتي فانكم لاتطيقونهم ، لتضاعف اعدادهم وقواهم ،

وما المقصود غيري ، فدعوني والقوم ...... (۱)

میں نے تمہیں آزاد چھوڑا ہے کہ مجھے چھوڑ دو، دشمن کو صرف میں مطلوب ہوں لہٰذا مجھے اور اس قوم کو چھوڑ دو اور تم اس رات کی تاریکی سے فائدہ لے کر چلے جاؤ۔ فبدأ القول العباس بن علی علیہ السلام فقال له! لم نفعل ذالك، لا نبقى، بعدك؟ لا ارانا الله ذالك ابدا سب سے پہلے حضرت عباس ابن علی علیہ السلام اٹھ کر بولنے لگے، ہم ایسا کیوں کریں، کیا ہم آپ کے بعد بھی زندہ رہنا چاہتے ہیں؟ خدا کبھی بھی یہ نہ دکھائے کہ ہم آپ کے بعد زندہ ہوں۔ پھر آپ نے اولاد عقیل سے فرمایا، یابنی عقیل حسبكم من القتل بمسلم ، اذهبوا قد اذنت لكم (۲) اے بنی عقیل! مسلم رضی اللہ عنہ کی شہادت تمہارے لئے کافی ہے تم چلے جاؤ، میں نے تمہیں اجازت دے دی ہے، بنی عقیل کہنے لگے، قبح الله العيش بعدك (۳) آپ کے بعد زندگی نہیں چاہتے، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم فرزند فاطمہ سلام اللہ علیہا کو دشمنوں کے نرغے میں تنہا چھوڑ دیں، خدا کی قسم ہم آخری دم تک لڑتے رہیں گے، جب امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب اور بنی ہاشم کی استقامت اور صبر کو دیکھا تو اس کے بعد ان کو جنت میں اپنا اپنا مقام اور رتبہ بتایا، جب یہ باتیں ہو رہی تھیں تو حضرت قاسم کے دل پر یہ گزری کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جن کے نام لیے گئے فقط ان کو شہادت نصیب ہو اور حسن علیہ السلام کا بیٹا اس

(۳،۲،۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۳۹۷، ۴۰۰، ۳۹۷۔

سعادت سے محروم رہ جائے، اٹھ کر پوچھتے ہیں: چچا جان، ان شہداء کی فہرست میں میرا نام بھی ہے یا نہیں، امام علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بھیا کی یادگار، مجھے یہ بتاؤ موت آپ کو کیسی لگتی ہے؟ قاسم رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا کو جواب دیا،

یا عمّ احلیٰ من العسل (۱) جب امام حسین علیہ السلام نے قاسم رضی اللہ عنہ سے یہ جواب سنا تو فرمایا:

ای و اللّٰہ فداك عمّك انّك لا حد مَن یّقتل مِن الرّجال معی...... قاسم نے کہا،

موت تو مجھے شہد سے زیادہ میٹھی لگتی ہے، امام علیہ السلام نے فرمایا، چچا تجھ پر قربان ہو میرے بھائی کی نشانی، کل آپ بھی ان ایثار گروں کی صف میں اپنے ایثار کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہوئے فلاں مقام پر جام شہادت نوش کرو گے، یہ سننا تھا کہ قاسم رضی اللہ عنہ کے چہرے پر رونق آ گئی، روزِ عاشور کو جب جنگ شروع ہوگئی، ہر ایک اپنی باری پر امام علیہ السلام سے اذن جہاد طلب کر کے میدانِ قتال میں گیا، جب قاسم رضی اللہ عنہ کی باری آئی تو آئے، چچا کو سلام کیا، پھر اذن جہاد طلب کیا، امام حسین علیہ السلام نے قاسم رضی اللہ عنہ کو جلدی سے جنگ کی اجازت نہیں دی، لکھا ہے فجعل یقبل یدیه و رجلیه قاسم رضی اللہ عنہ نے چچا جان کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دینا شروع کیا، پاؤں میں گر کر امام علیہ السلام کے قدموں کو چومتے رہے (۲) لکھا ہے کہ امام علیہ السلام نے قاسم رضی اللہ عنہ کو زبان سے اجازت نہیں دی، صرف اتنا کہا میرے بھائی کی نشانی آؤ، میرے بغل میں خدا حافظی کیلئے تمہیں گلے لگا لوں، دونوں چچا اور بھتیجا کافی دیر گلے لگے ہوئے روتے رہے، اس طرح قاسم رضی اللہ عنہ کو جانے کی اجازت ملی حضرت زینب علیہا السلام فرماتی ہیں کہ میں شبِ عاشور حضرت عباس علیہ السلام کے خیمہ کے باہر کھڑی تھی، خیمہ میں شور و غل ہو رہا تھا، جب میں نے دیکھا کہ ابوالفضل عباس علیہ السلام تمام بنی ہاشم کے درمیان شیر کی طرح گھٹنوں پر بیٹھے ہوئے ہیں،

کربلا معراج ایثار

(۱)۔ موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، ص ۴۰۲۔

(۲)۔ حماسہ حسینی ج ۱، ص ۲۲۷۔

ان کوخطبہ دے رہے ہیں، حضرت عباس علیہ السلام نے ان کوخطبہ دیا کہ جو میں نے امام حسین علیہ السلام کے علاوہ کسی سے نہیں سنا تھا، خطبہ کے آخر میں ان سے کہنے لگے، صبح کو سخت جنگ شروع ہونے والی ہے، تمہارا کیا خیال ہے؟

سب یک زبان ہو کر کہنے لگے آپ ہمارے سپہ سالار ہیں جو حکم دیں ہم اطاعت کریں گے تو عباس علیہ السلام نے فرمایا: دیکھو یہ اصحاب ہمارے مہمان ہیں، سنگین بوجھ ہمیشہ اپنوں سے اٹھایا جاتا ہے۔ فاذا كان الصباح فاوّل من يبرز الى القتال انتم جب صبح ہو تو سب سے پہلے تم ہی میدان کارزار میں نکل جاؤ اور اصحاب کو پہلے نہ جانے دینا تا کہ پھر لوگ یہ نہ کہیں کو خود پیچھے رہے اور دوسروں کو آگے کیا، بنی ہاشم نے کہا ہم ایسا ہی کریں گے۔

دیکھئے اصحاب کی کوشش ہے کہ وہ سب سے پہلے جنگ کیلئے جائیں اور بنی ہاشم کی کوشش ہے کہ سب سے پہلے ان کو موقع دیا جائے، پھر ہوا یہ کہ اصحاب اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوئے لہٰذا اصحاب پہلے جنگ کر چکے، لیکن جب بنی ہاشم کی باری آئی تو بنی ہاشم میں سے پہلے حضرت علی اکبر علیہ السلام گئے، سب سے پہلے شہید حضرت علی اکبر علیہ السلام ہیں، امام علیہ السلام نے پہلے اپنے بھتیجوں کو نہیں بھیجا، پہلے اپنے بھائیوں، بھانجوں، چچازادوں کو جنگ کیلئے روانہ نہیں کیا بلکہ سب سے پہلے اپنا کڑیل جوان انتخاب کیا، فرمایا کہ اب بنی ہاشم کی باری ہے، کون ہے جو بنی ہاشم میں سب سے پہلے میدان جنگ میں جائے؟

علی اکبر علیہ السلام سب سے پہلے بڑھے بابا کے قدموں پر گر پڑے، اذن جہاد طلب کیا، انصار اور بنی ہاشم میں سے جو بھی اذن جہاد لینے آتا تھا تو امام حسین علیہ السلام اس کو روکتے تھے دیکھو جان چلی جائے گی

اگر اپنی جان بچا سکتے ہو تو بچالو، لیکن پہلی مرتبہ ایک ایسا مجاہد آگے بڑھا جس کو امام حسین علیہ السلام نے جہاد پر جانے سے نہیں روکا۔

آپ نے اپنے ہاتھوں سے آمادہ کیا، پھر فرمایا کہ علی اکبر علیہ السلام، میدانِ قتال میں اللہ کے دشمنوں سے لڑو، یہ جو آپ ذاکرین سے سنتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے علی اکبر علیہ السلام کو جہاد سے روکا، یہ تو میرا کڑیل جوان بیٹا ہے، ذرا صبر کرو، ابھی نہ جاؤ، ہرگز ایسا نہیں بلکہ یہ سب کچھ بارگاہِ حسین علیہ السلام میں گستاخی کے برابر ہے۔

ہاں یہ ایثار حسینی خصلت ہے یہ وہی عاشورائی قدر ہے، کربلا میں ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ پہلی قربانی حسین علیہ السلام کے نام پر میری ہو، حسین علیہ السلام کی سیرت پر چلنے والے اور اپنے آپ کو حسینی کہنے والے، عاشورائی اور کربلائیوں کی زندگی میں یہ عنصر شامل ہونا چاہیے۔

کربلا معراج ایثار

بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو اپنے آپ کو حسینی کہے، لیکن اس کی زندگی میں ایثار نہ ہو، امام حسین علیہ السلام نے تو کربلا میں ایثار کو معراج عطا کی، ہاں! کہ کربلا معراج ایثار ہے۔

فہرستیں

فہرست آیات

فہرست روایات

روایات	صفحہ
● رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	

● امام علی علیہ السلام

● امام محمد باقر علیہ السلام

● امام صادق علیہ السلام

● امام رضا علیہ السلام

● امام زمانہ عج

● حضرت عباس علیہ السلام

● حضرت قاسم علیہ السلام

● حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

● حضرت زینب سلام اللہ علیہا

● ام سلمیٰؓ

اشعار

قُل للمُغَّیبِ تحت اطباق الثّریٰ ان کُنتَ تسمع صرختی و ندائیا ، ۴۶
صُبّتْ عَلَیّ مصائب لَو انّھا صبّت علی الایام صرن لیا لیا ،
قد کنت ذات حمیٰ بظّل محمد لا اخش من ضیم و کان حمالیا ،
فالیوم اخشع لذلیل و اتقیٰ ضیمی و ادفع ظالمی بردائیا

لا خیرفی دفع الاذی بمذلة کما ر دھا یوما بسواٰته عمرو ۶۶

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ ودلگیری ۷۵

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات ۱۱۸

ملا کو ہے ہند میں سجدے کی اجازت نادان یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد ۱۹۱

فہرست اعلام

فہرست کتب

فہرست منابع وماخذ

قرآن مجید

الخصال، شیخ صدوق، ناشر موسسہ نشر اسلامی قم، تاریخ نشر ۱۴۱۶ھ ق، چاپ پنجم۔

اصولِ کافی، محمد بن یعقوب کلینی، ناشر دار الأضواء بیروت، ۱۴۰۵ھ ق۔

الامالی محمد بن الحسن الشیخ الطّوسی، ناشر دار الثقافہ قم، تاریخ نشر ۱۴۱۴ھ ق، چاپ اول۔

الهوف فی قتلی الطفوف، علی بن موسیٰ بن طاووس الحسینی، ناشر مہر، تاریخ نشر ۱۴۱۷ھ ق، چاپ اول۔

بحار الانوار، علامہ محمد باقر مجلسی، ناشر الوفا بیروت، تاریخ نشر ۱۴۰۳ھ ق چاپ دوم۔

بحار الانوار، علامہ محمد باقر مجلسی، ناشر مکتبۃ اسلامیہ، تاریخ نشر ۱۳۷۴ش، چاپ سوم۔

بررسی تاریخ عاشورا، ڈاکٹر ابراہیم آیتی، ناشر موسسہ انتشاراتی امام عصر عج قم۔

تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری)، ابن جریر طبری، ناشر موسسہ الاعلمی۔

تحف العقول عن آل الرسول، ابن شعبہ الحرانی، ناشر جامعہ مدرسین قم، تاریخ نشر ۱۴۰۴ھ ق، چاپ دوم۔

تنبیہ الخواطر ونزہۃ النواظر (مجموعہ ورام)، الامیر الزاهد ابی الحسن ورام ابن ابی فراس مالکی اشتری، ناشر دار التعارف بیروت۔

ثواب الاعمال، الشیخ صدوق، ناشر منشورات الرضی قم، تاریخ نشر ۱۳۶۸ھ ق، چاپ دوم۔

شجرہ طوبیٰ، المحدث الجلیل العلامہ الکبیر الشیخ محمد مہدی الحائری، ناشر مکتبۃ الحیدریہ، تاریخ نشر ۱۳۸۵ھ ق، چاپ پنجم۔

شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ناشر دار احیاء الترث العربی بیروت، تاریخ نشر ۱۹۶۵ء چاپ دوم۔

عدۃ الداعی ونجاح الساعی، احمد ابن فہد حلی، ناشر مکتبۃ الوجدانی قم۔

عقد الفرید، ابوعمر احمد بن محمد بن عبدربہ الاندلسی، ناشر دار الکتاب عربی۔

عیون اخبار الرضا، الشیخ صدوق، موسسہ الاعلمی بیروت، چاپ اول تاریخ نشر ۱۴۰۴ھ ق۔

غرر الحکم ودرر الکلم، عبدالواحد آمدی، چاپ موسسہ آل البیت، قم۔

فاطمۃ الزہرا علیہا السلام بہجۃ قلب المصطفیٰ من مھدھا الیٰ لحدھا، احمد رحمانی ھمدانی، موسسۃ النعمان بیروت لبنان، تاریخ نشر ۱۴۱۰ھ ق۔

کلیات اقبال، علامہ اقبال، ناشر غلام علی اینڈ سنز۔

مجمع البیان فی تفسیر القرآن، شیخ ابی علی الفضل بن حسن الطبرسی، ناشر دار المعرفۃ بیروت، تاریخ نشر ۱۴۰۶ھ ق، چاپ اول۔

مجموعہ آثار، استاد شہید مطہری رضوان اللہ تعالیٰ علیہ، ناشر انتشارات صدرا تہران، ۱۴۲۰ھ ق، چاپ سوئم۔

معراج السعادۃ، ملا احمد نراقی، ناشر موسسہ انتشارات قم، تاریخ نشر ۱۳۷۸ھ ق۔

مفاتیح الجنان مترجم علامہ سید ذیشان حیدر جوادی، ناشر تنظیم المکاتب گولہ گنج لکھنو، تاریخ نشر ۱۹۹۶ء۔

مناقب آل ابی طالب، ابن شہر آشوب، ناشر مطبعۃ الحیدریہ، تاریخ نشر ۱۳۷۶ھ ق۔

موسوعۃ کلمات الامام حسین علیہ السلام، ناشر معہد تحقیقات باقر العلوم علیہ السلام دار المعروف قم، تاریخ نشر ۱۹۹۵ء، چاپ اول۔

میزان الحکمۃ، محمد ری شہری، ناشر دار الحدیث، قم تاریخ نشر ۱۴۱۶ھ ق، چاپ اول۔

نہج البلاغہ مترجم حضرت علامہ مفتی جعفر حسین، ناشر امامیہ پبلیکیشنز۔

وسائل الشیعہ، محمد بن الحسن الحر العاملی، ناشر موسسہ آل البیت علیہم السلام، لاحیاء التراث قم، تاریخ نشر ۱۴۱۲ھ ق، چاپ اول۔



By Syed Jawad Naqvi

مرکز تحقیقات اسلامی بعثت (مناب)

Bethat Islamic Research Centere